

سِرَاجُ الْاُمَمِ، اِمَامُ الْاِثْمَةِ

حضرت عظیم رضا اعظمی سیدنا امام احمد



علامہ سید شاہ قراب الحق قادری مدظلہ العالی



سِرَاجُ الْاُمَمِ، اِمَامُ الْاِثْمَةِ

عَظْرَتِ
رَضِیَ اللہُ عَنْہُ
سَیِّدِنَا اِمَامِ ا
نَدَہ

○

تَضَیِّف:

علامہ سید شاہ قمر اب الحق قادری مدظلہ العالی



زَاوِیۃ پبلیشرز

8-C (مکی المہین بلڈنگ) داتا دربار مارکیٹ، لاہور

فون: 042-7248657

موبائل: 0300-9467047 - 0300-4505466

Email: zaviapublishers@yahoo.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

2012ء

باراول.....1100

ہدیہ.....230

زیر اہتمام.....نجات علی تارڑ

لیگل ایڈوائزرز

محمد کامران حسن بھٹہ ایڈوکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-8800339

رائے صلاح الدین کھرل ایڈوکیٹ ہائی کورٹ (لاہور) 0300-7842176

مکتبے کے پتے

اسلامک بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی 051-5536111

احمد بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی 051-5558320

مکتبہ بابا فرید چوک چنی قبر پاکپتن شریف 0301-7241723

مکتبہ قادریہ پرانی سبزی منڈی کراچی 0213-4944672

مکتبہ برکات المدینہ بھادر آباد کراچی 0213-4219324

مکتبہ فوٹیہ ہول سیل کراچی 0213-4926110

مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی 0213-2216464

مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد 041-2631204

مکتبہ العطاریہ لنک روڈ صادق آباد 0333-7413467

مکتبہ سفی سلطان ہیدر آباد 0321-3025510

مکتبہ قادریہ سرکلر روڈ گوہرانوالہ 055-4237699

مکتبہ المجاہد بھیرہ شریف 048-6691763

رائل بک کمپنی کمیٹی چوک اقبال روڈ راولپنڈی 051-5541452

مکتبہ فیضان سنت بوہڑ گیٹ ملتان 0308-7305026

مکتبہ فوٹیہ عطاریہ اوکاڑہ 0321-7083119

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
84	امام اعظم کی حق گوئی	7	پیش لفظ
88	والدین سے حسن سلوک	9	تقاریظ
90	پڑوسیوں سے حسن سلوک	26	تقدیم
91	اساتذہ سے حسن سلوک		باب اول (1)
	باب سوم (3)	43	نام و نسب
94	امام اعظم کی عقل و ذہانت	44	امام اعظم <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی کنیت
102	امام اعظم کی فقہی بصیرت	45	بشارات نبوی <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small>
107	امام اعظم کی حاضر جوابی	49	آپ کا سن ولادت
115	امام اعظم کا علمی تبحر	50	آپ <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> تابعی ہیں
	باب چہارم (4)	56	علم کی طرف رغبت
124	امام اعظم بحیثیت ولی کامل	57	استاد کی نظر میں
127	آپ کا کشف و فراست	58	تدریس کی ابتدا
130	آپ کا وصال		باب دوم (2)
133	مزار کی برکتیں	60	اخلاق و کردار
133	اجتھے خواب	63	امام اعظم <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> بحیثیت تاجر
	باب پنجم (5)	65	امام اعظم <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی سخاوت
138	وصایا اور نصیحتیں	70	امانت داری
139	امام ابو یوسف کے نام	73	آپ کا صبر و حلم
150	امام یوسف بن خالد کے نام	75	عبادت و ریاضت
	باب ششم (6)	78	خشیت الہی
155	فقیہ کی فضیلت، قرآن میں	80	زہد و تقویٰ

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
188	امام ابو داؤد کی گواہی	157	فقہ کی فضیلت، حدیث میں
188	علم الحدیث کے بڑے مجتہد	160	فقہاء کی فضیلت
189	حافظ حدیث اور امام اعظم	163	رائے اور قیاس
189	جرح کا جواب	167	فقہاء صحابہ کرام
190	جرح تعدیل پر کب مقدم نہیں؟	170	باب ہفتم (7)
191	کس شان والے پر جرح نہیں؟	170	امام اعظم اور علم الحدیث
192	مخالفت کے پانچ اسباب	171	بخاری کی بیس ثلاثیات
192	امام بخاری کے غیر معتبر راوی	172	علم الحدیث کے شہنشاہ
194	ابن تیمیہ کی فیصلہ کن تحریر	175	اکابر محدثین کی حاضری
194	مقام امام اعظم اور امام بخاری	177	مرکز علم و فضل..... کوفہ
195	اعلیٰ حضرت بریلوی کی تحقیق	178	امام بخاری اور کوفہ
195	پانچویں درجے میں شاگرد	178	اخذ حدیث کے اصول
196	فقہاء طبیب اور محدثین عطار	182	امام سفیان ثوری کی گواہی
198	اصح کتب الحدیث	182	محدث و امام و کعب کی گواہی
199	امام بخاری کی رائے حدیث نہیں	183	امام ترمذی کی روایت
199	ایک لاکھ صحیح احادیث یاد تھیں	184	باب ہشتم (8)
199	بخاری میں ۷۲۷۵ احادیث	185	امام اعظم رحمہ اللہ کی ثقاہت
200	بخاری و مسلم کے ضعیف راوی	186	ارجاء کے الزام کی حقیقت
201	باب نہم (9)	187	بخاری کے سولہ مرجئی راوی
206	عمل بالحدیث	187	شارح بخاری یعنی کی تحقیق
	ضعیف حدیث قیاس پر مقدم		ابن تیمیہ کا اعتراف

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
248	امام حماد بن ابی سلیمان <small>رحمہ اللہ</small>	209	احناف صحیح احادیث پر عامل
	باب دوازدہم (12)	211	صحیح احادیث متعارض ہوں تو
249	فقہ کی ضرورت		باب دہم (10)
251	213 فقہ کی ابتدا		مخالفت حدیث کا الزام
253	216 فقہی احکام کی اقسام		مخالفت حدیث کی حقیقت
255	218 فقہ حنفی کی بنیاد		صحابہ کی فقہی بصیرت
258	220 مذہب حنفی کے اصول		اہل رائے یا اہل حدیث
262	221 قرآن و حدیث میں تطبیق		اعلیٰ حضرت بریلوی کی تحقیق
	224 باب سیزدہم (13)		حضرت عمر <small>رحمہ اللہ</small> کا قیاس
265	225 فقہ حنفی کی تدوین		علماء کا عمل زیادہ مستحکم ہے
272	226 تصانیف امام اعظم		اشعار کا مسئلہ
	227 باب چہار دہم (14)		معانی حدیث کا فہم
275	229 امام اعظم <small>رحمہ اللہ</small> کے تلامذہ		اہل فہم کے مختلف مدارج
275	231 امام ابو یوسف <small>رحمہ اللہ</small>		ایک جاہلانہ اعتراض
277	امام محمد بن حسن <small>رحمہ اللہ</small>		باب یازدہم (11)
278	233 امام زفر بن ہذیل <small>رحمہ اللہ</small>		امام اعظم <small>رحمہ اللہ</small> کے اساتذہ
280	242 امام مالک بن انس <small>رحمہ اللہ</small>		فقہ حنفی کا سلسلہ
281	243 امام مسعر بن کدام <small>رحمہ اللہ</small>		سیدنا عبداللہ بن مسعود <small>رحمہ اللہ</small>
283	245 امام عبداللہ بن مبارک <small>رحمہ اللہ</small>		حضرات علقمہ <small>رحمہ اللہ</small> و اسود <small>رحمہ اللہ</small>
284	247 امام وکیع بن جراح <small>رحمہ اللہ</small>		امام ابراہیم نخعی <small>رحمہ اللہ</small>

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
317	286 احتیاط اور تقویٰ		امام یحییٰ بن سعید <small>رحمہ اللہ</small>
318	287 شوریٰ مذہب		امام یحییٰ بن زکریا <small>رحمہ اللہ</small>
319	288 مذہب حنفی اور قرآن		امام یزید بن ہارون <small>رحمہ اللہ</small>
323	292 تین طلاقیں کا مسئلہ		ائمہ ثلاثہ اور صحاح کے محدثین
	293 باب ہفت دہم (17)		اراکین شوریٰ
325	حضور کی نماز اور فقہ حنفی		باب پانزدہم (15)
325	296 ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانا		ائمہ دین کی نظر میں
326	296 ہاتھ ناف کے نیچے باندھیں		ائمہ اہلبیت کے اقوال
327	297 قرآن خلف الامام منع ہے		ائمہ ثلاثہ کے اقوال
328	آمین آہستہ کہنا سنت ہے		باب شش دہم (16)
330	311 نماز میں رفع یدین منسوخ ہے		مذہب حنفی کی وجہ ترجیح
333	311 نماز وتر تین رکعت ہیں		حنفی مذہب، حدیث ہے
333	312 نماز تراویح بیس رکعت ہیں		حضرت علی <small>رحمہ اللہ</small> کی دعا
335	312 نماز جنازہ میں قرأت نہیں		نبوی بشارات
	313 باب ہشت دہم (18)		صحیح حدیث مذہب حنفی ہے
336	314 تقلید کیوں ضروری ہے؟		قرآن حکیم سے مطابقت
339	315 چار مذاہب کیسے بنے؟		حدیث کی اتباع
341	315 ائمہ اربعہ کی تقلید کیوں؟		فطرت کا لحاظ
345	316 ایک ہی امام کی تقلید کیوں؟		آسانی اور سہولت
347	317 امام اعظم کا ادب لازم ہے۔		جامعیت

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم والصلوة والسلام علی رسولہ الکریم

امام ذہبی شافعی رحمہ اللہ نے سیدنا امام اعظم کی ساری زندگی کا خلاصہ یوں پیش کیا ہے،
 کان اماماً ورعاً عالماً عاملاً متعبداً کبیراً لسان لا یقبل جوائز السلطان
 بل یتجو و یکتسب۔ ”امام اعظم دین کے امام، نہایت پرہیزگار، عالم باعمل،
 عبادت گزار اور بڑی شان والے تھے۔ آپ حاکموں کے انعامات قبول نہیں کرتے
 تھے بلکہ تجارت کر کے اپنا رزق کما کر کھاتے تھے۔“ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱: ۱۵۱)
 سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے از خود نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں لوگوں کو
 اپنے مذہب کی طرف بلانا شروع کیا۔ امام ابن حجر شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں،
 ”جب خدا کی رحمت کے خزانے بانٹنے والے (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے
 اجازت آگئی تو آپ سمجھ گئے کہ یہ معاملہ قطعی اور یقینی ہے۔ پھر آپ نے لوگوں کو اپنے
 مذہب کی دعوت دی اور آپ کا مذہب پھیل گیا، اور اللہ تعالیٰ نے مشرق و مغرب اور
 عرب و عجم کو آپ کے فیض سے مستفیض کیا۔“ (الخیرات الحسان: ۲۳)
 حاسدین و منافقین ہر دور میں محبوبانِ خدا کے خلاف بدگوئی و شرانگیزی کرتے رہے
 ہیں۔ سیدنا امام اعظم کے خلاف بھی حاسدوں نے بہتان طرازی کا سلسلہ شروع کیا
 جس کے جواب میں چاروں مذاہب کے ائمہ محدثین نے کتابیں لکھیں۔ حق کی ترویج
 اور ابطالِ باطل کے لیے علماء حق کا تحریری جہاد آج بھی جاری ہے۔
 محدث عبدالعزیز بن ابی رواد رحمہ اللہ کا یہ ارشاد گرامی اہل حق کی پہچان کے لیے ہر دور
 میں مشعلِ راہ رہا ہے کہ ”جو امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے محبت کرے وہ سنی ہے
 اور جو ان سے عداوت رکھے، وہ بدعتی ہے۔“ (ایضاً: ۱۱۴)

موجودہ دور کے غیر مقلد طرح طرح کے ہتھکنڈوں سے اہلسنت حنفی مسلمانوں کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے برگشتہ کرنے کی سعی مذموم میں مصروف ہیں۔ ان حالات میں اہلسنت پر لازم ہو گیا ہے کہ وہ سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی حیات اور افکار سے آگہی حاصل کریں اور بدعتیوں سے اپنے ایمان کی حفاظت کریں۔

مفکر اسلام پیر طریقت حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری البھیلانی دامت برکاتہم العالیہ نے اس کتاب کا ایک سبب تالیف یہی ارشاد فرمایا اور دوسرا سبب حصول برکت قرار دیا جیسا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب میں کتاب ”الخیرات الحسان“ لکھنے کا سبب امام ابن حجر نے یہ تحریر کیا کہ ”ائمہ حفاظ نے اس امام کے ساتھ اظہار محبت و مہربانی کرتے ہوئے مختلف زبانوں میں انکے حالات تفصیل سے بیان کیے تو میں نے ارادہ کیا کہ میں بھی ان کی صف میں شامل ہو جاؤں تاکہ میں بھی اس امام کی برکت حاصل کروں جس طرح ان ائمہ کرام نے انکے ذکر سے برکت حاصل کی۔

ابن جوزی نے امام سفیان بن عیینہ سے روایت کی، عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة۔ صالحین کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔“ (صفحہ ۶۵)

رب کریم سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو نافع خلائق اور ہمارے لیے وسیلہ بخشش بنائے نیز بھٹکتے ہوئے لوگوں کے لیے مینارۂ نور بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

حسبی من الخیرات ما اعدتہ یوم القیمۃ فی رضی الرحمن
 دین النبی محمد خیر الوری ثم اعتقادی مذهب النعمان
 ”اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے قیامت کے دن میرے نامہ اعمال میں یہ نیکی کافی ہے کہ
 میں سید عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر ہوں اور امام اعظم نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ
 کے مذہب پر میرا اعتقاد ہے۔“ (تمییز الصوفیہ: ۳۵)

خاک پائے علمائے حق، محمد آصف قادری غفرلہ

تقریظ جلیل

شیخ التفسیر والحديث حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم و علی آلہ و اصحابہ و مجتہدی امتہ
واقمہ اجمعین، اما بعد!

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:
”جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو مقام محبوبیت پر فائز فرماتا ہے..... تو جبرائیل امین علیہ
السلام کو ندا فرماتا ہے کہ..... بیشک اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت فرماتا ہے تم بھی اس
سے محبت رکھو..... جبرائیل امین بھی اس سے محبت رکھتے ہیں..... پھر آسمان والوں
میں اعلان کرتے ہیں کہ..... بیشک اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت فرماتا ہے تم بھی
اس سے محبت رکھو..... چنانچہ آسمان والے بھی اس سے محبت کرتے ہیں..... پھر اس
کے لئے زمین میں قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔“ (صحیح بخاری عربی ج ۱: ۴۵۶)
اس سے یہ خیال نہ کیا جائے..... کہ ہر مردوزن جسے روئے زمین پر مقبولیت حاصل ہو
جائے..... اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی محبوبیت حاصل ہے..... اللہ تعالیٰ کا ارشاد
گرامی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا۔
”بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالحہ کیے، اللہ انہیں مقام
محبوبیت عطا فرمائے گا۔“ (القرآن: ۱۹: ۹۶)

یعنی بارگاہ الہی میں مقبولیت اور محبوبیت..... صرف اُن خوش نصیب کو حاصل ہوتی
ہے..... جو ایمان و عمل کے زیور سے آراستہ ہوں..... قرآن و حدیث کے معیار

محبوبیت کو سامنے رکھتے ہوئے صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کے بعد تاریخ اسلام میں تلاش کیجیے..... کہ اہل ایمان و تقویٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوبیت اور مقبولیت کے حاصل ہوئی؟..... یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ وہ دوی ہستیاں ہیں:-

(۱) امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت،..... اور

(۲) غوث اعظم سیدنا شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہما۔

حدیث شریف میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کسی بھلائی کی طرف رہنمائی کی، اسے عمل کرنے والے کی مثل ثواب ملے گا۔ (مشکوٰۃ شریف عربی: ۳۳) دنیا بھر کے مسلمانوں کی اکثریت ان دونوں اماموں کی پیروی کا رہے..... ایک شریعت کے امام ہیں اور ایک طریقت کے..... اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انہیں کتنا اجر و ثواب مل چکا ہوگا..... اور رہتی دنیا تک کتنا ثواب ملتا رہے گا؟

میری گفتگو کا موضوع چونکہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق ہے..... اس لیے آپ کی توجہ اس امر کی طرف دلانا چاہتا ہوں..... کہ امام اعظم کے پیروکار ہر دور میں بکثرت ہوئے ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد لکھتے ہیں،

”ابن خلدون نے چھ سو برس پہلے، امیر خسرو نے سات سو برس پہلے، شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی نے چار سو برس پہلے..... عالم اسلام بالخصوص برصغیر میں اہل سنت و جماعت اور حنفیوں کی اکثریت کا ذکر کیا ہے..... دور جدید کے فاضل ڈاکٹر مکی محمد صانی نے احناف کو روئے زمین کے مسلمانوں کا دو تہائی قرار دیا ہے..... یعنی تاریخی طور پر احناف کو ملت اسلامیہ کا سواد اعظم تسلیم کیا ہے.....

امیر شکیب ارسلان نے احسن الساعی کے حاشیے میں لکھا ہے کہ..... مسلمانوں کی اکثریت ابو حنیفہ کی پیروی ہے..... خود غیر مقلد حضرات میں نواب صدیق حسن خاں، مولوی ثناء اللہ امرتسری نے بھی یہی لکھا ہے اور غیر مقلد عالم مولوی محمد حسین بٹالوی نے

غیر مقلدین کو ”آٹے میں نمک برابر“ قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے امام اعظم ابو حنیفہ کو جو قبولیت عامہ عطا فرمائی..... وہ وہی مقبولیت و محبوبیت ہے جو وہ اپنے خاص بندوں کو عطا فرماتا ہے..... اور جس کا حدیث شریف میں بھی ذکر ہے کہ..... جو ان مقبول اور محبوب بندوں سے لڑائی مولا لیتا ہے، ان سے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:..... ”وہ مجھ سے جنگ کے لئے تیار ہو جائے“..... کون ایسا بد نصیب ہوگا جو اللہ تعالیٰ سے جنگ کے لئے تیار ہو؟ (تقلید: ۱۰، ۹)

بعض لوگ عوام الناس کو مذہب حنفی سے برگشتہ کرنے کے لئے... کہتے ہیں کہ تم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے عقیدت مند اور مرید ہونے کے دعویدار ہو... تو تمہیں ان کے مذہب حنبلی پر بھی عمل کرنا چاہیے..... آج کے سپیشلائزیشن کے دور میں اس قسم کے سوال کو مضحکہ خیز ہی قرار دیا جائے گا..... یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص عارضہ قلب کے مریض کو کہے..... کہ تم ہارٹ سپیشلسٹ کے پاس جا رہے ہو تو اس سے آنکھ کی بیماری کا نسخہ بھی لکھو الانا۔

انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ..... ہم عقائد میں امام ابو منصور ماتریدی اور امام ابوالحسن اشعری..... قراءت میں امام حفص..... تفسیر میں رئیس المفسرین سیدنا ابن عباس..... بلاغت میں عبدالقادر جہ جانی..... نحو میں سیبویہ..... منطق و فلسفہ میں ابن سینا..... حدیث میں انمہ حدیث خصوصاً امام بخاری، امام مسلم اور امام طحاوی کی طرف رجوع کرتے ہیں..... غرض یہ کہ ہر فن کے سپیشلسٹ کی طرف رجوع کرتے ہیں..... اسی طرح طریقت میں سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی، شاہ نقشبند، خواجہ جمیر اور شیخ سہروردی کی طرف رجوع کرتے ہیں..... اور شریعت و فقہ میں امام اعظم ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ کی طرف رجوع کرتے ہیں..... جب کہ کئی ممالک میں اہلسنت و جماعت امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے مقلد اور پیروکار ہیں۔

آج دنیائے اسلام کے مسلمان..... فقہی مسائل میں چار اماموں کے پیروکار ہیں جن میں امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک کے، وہ امام شافعی کے، اور امام شافعی امام احمد بن حنبل کے استاد ہیں..... اور غوث اعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانی، امام احمد بن حنبل کے پیروکار اور مقلد ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم (الخیرات الحسان: ۱۸، از امام ابن حجر مکی)

اکثر و بیشتر محدثین شافعی تھے..... یہاں تک کہ امام بخاری بھی شافعی تھے..... (ابجد العلوم: ۸۱۱، از نواب صدیق حسن بھوپالی)..... اور امام شافعی، امام محمد کے اور وہ امام اعظم کے شاگرد تھے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

امام شافعی کا مشہور مقولہ ہے: "النَّاسُ عِیَالٌ عَلَى أَبِي حَنِيفَةَ فِي الْفِقْهِ۔" تمام لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے بال بچے ہیں۔ (تبہیض الصحیفہ عربی: ۱۸، از امام سیوطی)

یہ امر بھی لائق توجہ ہے کہ..... بخاری شریف میں امام بخاری کا سرمایہ افتخار احادیث ثلاثیات ہیں..... جن میں امام بخاری اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان صرف تین واسطے ہیں، ان کی تعداد بائیس ہے..... ان ثلاثیات میں سے اکثر امام مکی بن ابراہیم کی روایت ہیں..... اور وہ امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد اور امام بخاری کے اکابر مشائخ میں سے ہیں۔ (ایضاً: حاشیہ از حسن نعمانی)

اس تفصیل سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ واقعی امام اعظم ہیں اور یہ لقب انہیں ہی زیب دیتا ہے..... اس کے بعد یہ سوال غیر ضروری ہو جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ ہی کیوں؟

دنیا نے علم و فقاہت میں امام ابوحنیفہ کو کون نہیں جانتا؟..... وہ صحابہ کرام کے بعد قانون اسلامی کے سب سے بڑے ماہر تھے..... جن کے فیض سے دنیا بھر کے قانون دان فیض یاب ہوتے رہے اور آئندہ بھی ان کی خوشہ چینی کرتے رہیں گے..... وہ چونکہ تابعی ہیں اس لئے..... رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (اللہ ان سے راضی، وہ

اللہ سے راضی) کے تاج کرامت سے سرفراز ہیں..... سرکارِ دو عالم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کا اشارہ واضح طور پر آپ ہی کی طرف ہے۔

لَوْ كَانَ الْعِلْمُ مُعَلَّقًا بِالشَّرِيَا لَتَنَاولَهُ قَوْمٌ مِّنْ أَبْنَاءِ فَارِسٍ۔

”اگر علم شریا کے ساتھ بھی معلق ہوتا تو فارس کے کچھ لوگ اسے حاصل کر لیتے۔“

اور حدیث..... مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ۔ (اللہ تعالیٰ جس شخص کی بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی فقہت اور سمجھ عطا فرمادیتا ہے)..... اُن کے ماتھے کا جھومر ہے۔

امام ابو حنیفہ وہ ہیں..... جن کے والد حضرت ثابت اور ان کی اولاد کے لئے..... حضرت اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے دعائے برکت فرمائی۔ (تبہیض الصحیفہ: ۵)..... وہ امام المسلمین جنہیں ائمہ اربعہ میں یہ بھی امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے متعدد صحابہ کی زیارت کی اور ان سے احادیث روایت کیں۔ (ایضاً) ان کی پیدائش اس زمانے (۸۰ھ) میں ہوئی..... جو حدیث شریف کی شہادت کے مطابق خیر القرون میں سے ہے..... جن کا اجتہاد اور فتویٰ تابعین کے دور میں نامور علماء نے تسلیم کیا۔ (عقود الجمان: ۱۸۰، از امام محمد بن یوسف صا لحي)۔

ان کے استاذ امام اعمش نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، ”اے گروہ فقہاء! تم لوگ اطباء ہو اور ہم عطار ہیں..... اور اے امام ابو حنیفہ! تم تو دونوں طرفوں کے جامع ہو..... یعنی فقیہ بھی ہو اور محدث بھی۔“ (الخیرات الحسان: ۱۶۱)

ان کے جلیل القدر استاذ اور نامور محدث حضرت عمرو بن دینار ان سے حدیث کی روایت کرتے ہیں..... ان کے ایک دوسرے استاذ امام اعمش جو امام بخاری اور امام مسلم کے استاذ الاساتذہ ہیں..... حج کئے لئے روانہ ہوئے تو ان سے مسائل حج لکھوا کر لے گئے..... انہوں نے چار ہزار علماء و مشائخ سے علم حاصل کیا..... اس معاملہ

میں بھی کوئی امام آپ کا ہم پلہ نہیں ہے۔ (عقود الجمان: ۸۳-۱۸۱)

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی تعداد..... ایک قول کے مطابق چار ہزار اور دوسرے قول کے مطابق دس ہزار ہے..... ان میں سے چالیس وہ تھے جو درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے..... جب کوئی مسئلہ پیش آ جاتا تو ان سے مشورہ اور مناظرہ کرتے، احادیث و آثار میں سے ان کے دلائل سنتے اور اپنے دلائل پیش کرتے..... بعض اوقات ایک مہینہ یا اس سے بھی زیادہ عرصہ تک تبادلہ خیال کرتے..... جب کسی فیصلے پر پہنچ جاتے تو امام ابو یوسف اسے لکھ لیتے۔ یوں فقہ حنفی انفرادی نہیں بلکہ شورائی ہے جب کہ دیگر ائمہ کی فقہ ان کے انفرادی اجتہاد کا نتیجہ تھی..... جب انہیں کوئی لاینحل مسئلہ پیش آ جاتا تو چالیس مرتبہ قرآن پاک ختم کرتے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسئلہ حل ہو جاتا۔ (تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف: ۲۶)

آپ کا ملت اسلامیہ پر احسان عظیم ہے کہ آپ نے سب سے پہلے فقہ کو مرتب کیا .. آپ سے پہلے صحابہ کرام اور ائمہ تابعین اپنے حافظے پر اعتماد کرتے تھے..... حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ علم سلب نہیں فرمائے گا مگر علماء کی وفات کے ذریعے علم سلب فرمائے گا، ان کے بعد جاہل راہنما رہ جائیں گے جو علم کے بغیر فتویٰ دیں گے، خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو گمراہ کریں گے..... اس حدیث شریف کے پیش نظر امام اعظم نے محسوس کیا کہ بڑے بڑے علماء اٹھتے جا رہے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ علم ہی ضائع کر بیٹھیں..... چنانچہ انہوں نے ابواب فقہ کو ترتیب دیا..... سب سے پہلے طہارت، پھر نماز، زکوٰۃ، روزہ، باقی عبادات اور معاملات کے مسائل رکھے، آخر میں مسائل میراث رکھے..... بعض اہل علم نے فرمایا، آپ نے پانچ لاکھ مسائل ترتیب دیئے..... آپ کا عظیم امتیاز یہ بھی ہے کہ آپ نے سب سے پہلے قواعد اجتہاد اور اصول فقہ کی بنیاد رکھی اور احکام کا استنباط کیا..... آپ ہی نے سب سے پہلے کتاب

انفرائض (علم میراث) وضع کی۔ (ایضاً)۔ امام محمد بن سماعہ فرماتے ہیں کہ آپ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار احادیث بیان کیں..... اور چالیس ہزار احادیث میں سے آثار (صحابہ) کا انتخاب کیا۔ (ذیل الجواہر المصنیۃ ج ۲: ۴۷۴)

امام اعظم کا مذہب دنیا کے ان خطوں میں پہنچا، جہاں دوسرے مذاہب نہیں پہنچے..... آپ اپنے کاروبار تجارت کی آمدن پر گزر بسر کرتے تھے..... کسی کا ہدیہ قبول نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی جیب سے علماء و مشائخ پر خرچ کرتے تھے۔ (عقود النجمان: ۱۸۵) آپ کی عبادت و ریاضت کا یہ عالم تھا کہ چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی..... تیس سال تک (ایام ممنوعہ کے علاوہ) روزے رکھے۔ اکثر راتوں میں ایک رکعت میں قرآن پاک ختم کرتے..... رمضان المبارک کے ہر دن میں ایک مرتبہ اور ہر رات میں ایک مرتبہ اور عید کے دن دو مرتبہ قرآن پاک ختم کرتے..... ہر سال حج کرتے، اس طرح آپ نے پچپن حج کیے..... آپ کپڑے کی تجارت کرتے تھے..... ایک دفعہ کچھ کپڑے اپنے کارندے کے سپرد کئے اور اسے تاکید کی کہ ایک کپڑے میں نقص ہے..... اسے فروخت کرتے وقت گاہک کو بتادینا، اسے یاد نہ رہا..... آپ نے تمام رقم صدقہ کر دی جو تیس ہزار درہم تھی۔

امام اعظم کی عقل و دانش کا اندازہ امام شافعی کے اس ارشاد سے کیا جاسکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں، ”ابو حنیفہ سے زیادہ عقل مند کسی عورت نے نہیں جتا“۔ (ایضاً)

ملت اسلامیہ کی غالب اکثریت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب پر کاربند ہے،..... اس کے باوجود بعض لوگ جہالت یا عداوت کی بنا پر..... یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ خود ساختہ مسائل بیان کرتے تھے اور احادیث مبارکہ کی مخالفت کرتے تھے..... امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ اس قسم کے لوگوں کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”جو لوگ بزرگانِ دین کو اصحابِ رائے کہتے ہیں..... اگر ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ بزرگ اپنی عقل سے حکم کرتے ہیں اور کتاب و سنت کی پیروی نہیں کرتے..... تو ان کے خیال فاسد کے مطابق مسلمانوں کی اکثریت گمراہ اور بدعتی ہوگی، بلکہ مسلمانوں کے گروہ سے ہی خارج ہوگی۔ یہ عقیدہ صرف اس جاہل کا ہو سکتا ہے جو اپنی جہالت سے بے خبر ہے..... یا اس بے دین کا جس کا مقصد دین کے آدھے حصے کا باطل کرنا ہے..... تاکارہ لوگوں نے چند حدیثیں یاد کر لی ہیں اور دین کو ان ہی میں منحصر قرار دے دیا ہے..... جو کچھ انہیں معلوم نہیں ہے اور جو کچھ ان کے نزدیک ثابت نہیں ہے، اس کی نفی کرتے ہیں۔

چوں آں کرے کہ درنگے نہان است

زمین و آسمان او همان است

”اس کیڑے کی طرح جو پتھر میں پوشیدہ ہے، اس کی زمین بھی وہی ہے اور آسمان بھی وہی ہے۔“

ان کے بے جا تعصب اور فاسد نظریات پر ہزار ہا افسوس!..... امام ابوحنیفہ فقہ کے بانی ہیں..... اور فقہ کے چار حصوں میں سے تین حصے ان کے لئے مسلم ہیں..... باقی چوتھائی میں تمام ائمہ ان کے ساتھ شریک ہیں..... فقہ میں وہ صاحب خانہ ہیں اور باقی سب ان کے بال بچے ہیں۔“ (مکتوبات فارسی دفتر دوم: ۵۵)

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ مزید فرماتے ہیں:

”کسی تکلف اور تعصب کے بغیر کہا جاسکتا ہے کہ کشف کی نظر میں مذہب حنفی عظیم دریا کی صورت میں نظر آتا ہے..... اور دوسرے مذاہب چھوٹی نہروں کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔ نظر ظاہر سے بھی دیکھا جائے تو ملت اسلامیہ کا سواد اعظم (یعنی اکثریت) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کا پیروکار ہے..... یہ مذہب اتباع کرنے والوں کی

کثرت کے باوجود اصول و فروع میں تمام مذاہب سے ممتاز ہے اور احکام کے استنباط میں الگ طریقہ رکھتا ہے اور یہ بھی اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔

عجیب معاملہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سنت کی پیروی میں سب سے آگے ہیں۔۔۔ مرسل حدیثوں کو متصل حدیثوں کی طرح لائق اتباع قرار دیتے ہیں اور اپنی رائے سے مقدم رکھتے ہیں۔۔۔ اسی طرح حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰات والتسلیمات کی صحبت کے شرف کی وجہ سے صحابی کے قول کو اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں۔۔۔ جب کہ دیگر ائمہ اس طرح نہیں کرتے۔۔۔ اسکے باوجود مخالفین آپ کو صاحب رائے کہتے ہیں اور آپ کے حق میں بے ادبی کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔۔۔ حالانکہ تمام اہل علم آپ کے کمال علم اور کمال ورع و تقویٰ کے معترف ہیں۔۔۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو توفیق عطا فرمائے کہ دین کے عظیم مقتدا اور مسلمانوں کے امام اور ملت اسلامیہ کے سواد اعظم کی ایذا رسانی سے باز رہیں۔۔۔ یُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ۔ (سورہ توبہ، آیت نمبر ۳۲، پ ۱۰) ”یہ لوگ اللہ کے نور کو پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں“۔ (ایضاً)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،
 ”متقدمین حدیث نہیں لکھتے تھے (کیونکہ احادیث انکے حافظے میں محفوظ ہوتی تھیں)
 لیکن آج حدیث کا لکھنا واجب ہے، کیونکہ آج حدیث کی ان کتابوں کے بغیر روایت حدیث کا کوئی راستہ نہیں ہے۔۔۔۔۔ اس کے بہت سے شواہد ہیں۔۔۔۔۔ اسی طرح قیاس کہتا ہے کہ معین امام کی تقلید واجب ہو۔۔۔۔۔ امام معین کی تقلید کبھی واجب ہوتی ہے اور کبھی واجب نہیں ہوتی۔۔۔۔۔ جب کوئی شخص ہندوستان یا ماوراء النہر کے شہروں میں جاہل ہو (یعنی مجتہد نہ ہو) اور وہاں کوئی شافعی، مالکی یا حنبلی عالم نہ ہو، اور ان مذاہب کی کوئی کتاب بھی نہ ہو۔۔۔۔۔ تو اس شخص پر امام ابو حنیفہ کے مذہب کی تقلید واجب ہے۔۔۔۔۔ اس کے لیے امام اعظم کے مذہب سے ٹکنا حرام ہے۔۔۔۔۔ کیونکہ وہ

اپنی گردن سے شریعت کا قلاب اتار دے گا اور محض بے کار ہو کر رہ جائے گا۔

(کتاب الانصاف: ۲۲، از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

چونکہ پاکستان میں احناف کی اکثریت ہے..... اس لیے حکومت کی ذمہ داری ہے کہ ملک پاک میں فقہ حنفی کو بطور پبلک لاء نافذ کرے۔

مجاہد ملت مولانا محمد عبدالستار خاں نیازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۱۷-۱۶ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو ملتان سنی کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے بجا طور پر فرمایا تھا:-

”جس ملک میں جس فقہی مسلک کی اکثریت ہے اسے بلا چون و چرا سرکاری قانون تسلیم کر لیا گیا ہے..... ایران میں فقہ جعفری، ترکیہ میں فقہ حنفی اور افغانستان میں سنی سٹیٹ کے ساتھ فقہ حنفی کو ملکی آئین میں درج کر دیا گیا ہے..... اسی برصغیر پاک و ہند میں پورے ساڑھے گیارہ سو سال فقہ حنفی ملکی قانون رہا..... اب کیا اعتراض ہے؟..... موجودہ حکومت کو بلا خوف و لومۃ لائم اعلان کر دینا چاہیے کہ..... یہاں کا ملکی قانون فقہ حنفی ہوگا..... اقلیتوں کو پرسنل لاء دیا جائے گا۔

جہاں تک سواد اعظم کا تعلق ہے..... ہم اعلان کرتے ہیں کہ..... ہم اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک ملک میں..... نظام مصطفیٰ ﷺ من کل الوجوہ نافذ نہیں ہوتا۔ (مجاہد ملت ج ۱: ۲۳۲، از محمد صادق قصوری)

پیر طریقت حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری مدظلہ العالی..... خطیب مبین مسجد، قاری مصلح الدین گارڈن کراچی..... اور ناظم اعلیٰ دارالعلوم امجدیہ، کراچی و ناظم اعلیٰ جماعت اہل سنت کراچی..... گونا گوں اوصاف عالیہ کے حامل ہیں..... ان کی مصروفیات کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح ایک آدمی اتنے کام سرانجام دیتا ہے..... عصر سے مغرب تک وہ حاجت مندوں کی بھیڑ میں گھرے ہوئے ہوتے ہیں..... کوئی بیماری یا گھریلو ناچاقی کے لیے دعایا تعویذ کا طلب گار ہے..... کوئی کسی محکمے میں

سفارش کروانا چاہتا ہے۔ کوئی مسئلہ پوچھنا چاہتا ہے۔۔۔۔ شاہ صاحب کی عالی ہمتی دیکھیے کہ وہ ہر کسی کو خندہ پیشانی کے ساتھ مطمئن کرتے ہیں۔

فقیر ایک دفعہ سید محسن شاہ صاحب۔۔۔۔ مالک فرید بک شال لاہور۔۔۔۔ کے ساتھ کسی ضروری کام کے لیے کراچی۔۔۔۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔۔۔۔ شاہ صاحب نے مجھ سے فرمایا:

تھوڑی دیر ٹھہریں۔۔۔۔ میں ان احباب کو فارغ کر لوں،۔۔۔۔ اور واقعی تھوڑی دیر کے بعد فارغ ہو کر فرمانے لگے۔ ویسے تو آپ کا اپنا گھر ہے، لیکن آپ نے اتنا طویل سفر کرنے کی زحمت کیوں اٹھائی؟۔۔۔۔ مجھے پرچہ لکھ دیتے یا فون کر دیتے۔

اس کے بعد جو ہمارا کام تھا اس سلسلے میں جو کچھ کر سکتے تھے وہ کیا۔۔۔۔ اور یوں مجھ ایسے فقیر بے نوا کو خرید لیا۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ انہیں سلامت رکھے۔۔۔۔ اور ان کے صاحبزادوں کو ان کا صحیح جانشین بنائے۔

آپ جلسوں میں تقاریر کرتے ہیں۔۔۔۔ انٹرنیٹ پر دنیا بھر سے آنے والے سوالوں کے جوابات دیتے ہیں۔۔۔۔ تبلیغ کے لئے امریکہ، افریقہ، برطانیہ اور دیگر ممالک کا سفر کرتے ہیں۔۔۔۔ اس کے باوجود تصنیف و تالیف کے لیے بھی وقت نکال لیتے ہیں۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ۔۔۔۔ ہمارے نوجوان علماء بھی ان کے انداز میں وقت کی قدر کرنا سیکھیں۔۔۔۔ اور اسلام و سنیت کا پیغام اللہ تعالیٰ کے بندوں تک پہنچانا اپنا فرض منصبی یقین کریں۔۔۔۔ تو بہت سی بیماریوں اور مفاسد کا ازالہ ہو سکتا ہے۔

پیش نظر کتاب۔۔۔۔ ”سیدنا امام اعظم“ رضی اللہ عنہ کے چند صفحات دیکھنے کا موقع ملا۔۔۔۔ جن میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے سوانح حیات بیان کیے گئے ہیں۔۔۔۔ ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوا کہ۔۔۔۔ شاہ صاحب نے بڑی دیدہ ریزی اور دماغ سوزی سے کتاب مرتب کی ہے۔۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ۔۔۔۔ آج کے دور بے راہ روی میں ایسی کتابوں کی

اشد ضرورت ہے..... ورنہ ہر شخص اٹھ کر ائمہ دین مجتہدین کے منہ آنے کی کوشش کرتا ہے۔

لوگوں کو بتانے کی ضرورت ہے کہ..... کلام اقبال اور دیوان غالب ایسی کتابیں شارحین اور اساتذہ کے بغیر ہمیں سمجھ نہیں آتیں..... تو قرآن پاک اور حدیث شریف سمجھنے کے لیے ہمیں کسی شارح اور استاذ کی ضرورت کیوں نہیں ہے؟..... جو آدمی قرآن و حدیث کا اردو ترجمہ پڑھ لیتا ہے..... وہ سمجھ لیتا ہے کہ میں ائمہ مجتہدین کا ہم پلہ ہوں..... یہ رویہ نہ صرف احسان ناشناسی کے زمرہ میں آتا ہے..... بلکہ امت مسلمہ میں فساد برپا کرنے کا باعث ہے۔

مولائے کریم جل مجدہ..... حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری مدظلہ العالی کو..... اس کتاب کے مرتب کرنے پر..... اور اراکین افکار اسلامی، اسلام آباد کو..... اس کی اشاعت پر اجر جمیل عطا فرمائے آمین۔

محمد عبدالحکیم شرف قادری

۳ ذوالحجہ ۱۴۲۳ھ ۵ فروری ۲۰۰۳ء

تقریظ جلیل

شیخ التفسیر والحدیث، استاذ العلماء مفتی عبدالرزاق بھترالوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مناقب جمیلہ اور خصال حمیدہ اور اوصاف جلیلہ اتنے کثیر ہیں کہ انسان کی عقل انکے ادراک سے قاصر اور زبان ان کے بیان سے عاجز ہے۔

آپ کے مناقب میں متفرق مذاہب کے علماء نے کتب تصنیف کی ہیں، ”ولم یطعن علیہ الا ذو تعصب و افراد جہالة مبنیة“۔ اور آپ کی شان میں کسی نے طعنہ زنی نہیں کی سوائے متعصب لوگوں اور جہلاء کے۔ شافعی مسلک کے جن علماء محدثین نے آپ کی شان میں کتب تصنیف کی ہیں ان میں سے مشہور حضرات یہ ہیں۔

☆ علامہ سیوطی نے ”تبیض الصحیفہ فی مناقب امام ابی حنیفہ“ تصنیف فرمائی۔
☆ علامہ ابن حجر مکی نے ”الخیرات الحسان فی مناقب النعمان“ تصنیف فرمائی۔
☆ علامہ ذہبی نے امام اعظم کا ذکر ”تذکرۃ الحفاظ“ اور ”کاشف“ میں کیا اور ایک مستقل رسالہ بھی آپ کے مناقب میں تحریر کیا۔

☆ ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں آپ کا تذکرہ کیا ہے،
☆ علامہ یافعی نے اپنی تصنیف ”مرآة الجنان“ میں آپ کے مناقب کا ذکر کیا ہے
☆ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے تقریب وغیرہ میں آپ کا ذکر کیا ہے اور آپ کی تعریف فرمائی ہے۔

☆ علامہ نووی شارح مسلم نے اپنی تصنیف ”تہذیب الاسماء واللغات“ میں امام اعظم کی تعریف بیان فرمائی،

☆ اور امام غزالی نے احیاء العلوم وغیرہ میں آپ کی توصیف بیان فرمائی۔
☆ مالکی مسلک کے مشہور امام اور محدث ابن عبدالبر وغیرہ نے آپ کے مناقب ذکر فرمائے۔

☆ حنبلی مسلک کے یوسف بن عبدالہادی الحسبلی نے کتاب ”تنویر الصغیر فی مناقب ابی حنیفہ“ تصنیف فرمائی۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آپ کا تابعی ہونا ثابت ہے۔ جس زمانہ کے خیر ہونے کے متعلق نبی کریم ﷺ نے خود ذکر فرمایا،

”خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم“۔ سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے پھر جو اسکے بعد ہے پھر وہ جو اس کے بعد ہے۔

امام اعظم رحمہ اللہ کے ساتھ تعصب پر مبنی رویہ کی مذمت حافظ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں کی ہے،

”حاصلہ انہ افراط بعض اصحاب الحدیث فی ذم ابی حنیفہ و تجاوز الحد“۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل حدیث نے امام اعظم کی مذمت میں حد سے تجاوز کیا ہے۔

اور کمال کی بات یہ ہے کہ آپ کی شان میں تجاوز کرنے والوں کو اعتراض سوچھا تو فقط اس بات پر کہ آپ مسائل میں قیاس کرتے ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا، کیا امام مالک رحمہ اللہ نے کوئی اجتہاد نہیں کیا، کوئی مسئلہ قیاس سے نہیں بتایا؟ اس پر وہ لوگ لا جواب ہو گئے۔

”وقال اللیث بن سعد احصیت علی مالک سبعین مسئلة قال فہا

برایہ۔“ لیٹ بن سعد رحمہ اللہ کہتے ہیں، میں نے ستر مسائل وہ دیکھے ہیں جن میں امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی رائے اور اجتہاد سے مسئلہ بیان کیا ہے۔
حافظ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ نے نہایت منصفانہ کلام فرمایا۔

”وقد جاء عن الصحابة اجتهاده بالرأى والقياس على الاصول وكذلك التابعون“۔ صحابہ کرام اور تابعین نے جب اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے رائے اور قیاس سے اجتہاد کر کے مسائل کا استنباط کیا ہے تو امام اعظم رحمہ اللہ پر اعتراض کیوں کر کیا جاسکتا ہے؟

امام علی بن مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کرنے والے سب ثقہ حضرات ہیں جیسا کہ امام ثوری، ابن مبارک، حماد بن زید، ہشام، وکیع، عباد بن عوام، اور جعفر بن عون آپ سے روایت کرنے والے ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

”قال يحيى بن معين اصحابنا يفرطون في ابي حنيفة واصحابه فقليل له اكان يكذب قال لا“۔

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہمارے بعض دوست امام اعظم رحمہ اللہ اور ان کے ساتھیوں کے متعلق زیادتی کرتے ہیں، حد سے تجاوز کرتے ہیں۔ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا وہ جھوٹ بولتے ہیں؟ تو انکی طرف سے جواب ملتا ہے، نہیں۔ پھر آپ کی شان میں حد سے تجاوز کیوں؟

علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ، طبقات شیخ الاسلام میں فرماتے ہیں،

الحذر كل الحذر ان تفهم من قاعدتهم ان الجرح مقدم على التعديل على اطلاقها بل الصواب ان من ثبت امامته وعدالته وكثر ما دحوه ونذر جارحه وكانت هناك قرينة دالة على سبب جرحه من تعصب مذهبه او غيره لم يلتفت اليه۔

یعنی یہ قاعدہ کسی سے سن کر تسلیم نہ کر لو کہ جرح مقدم ہے تعدیل سے، یہ قاعدہ مطلق نہیں کہ اسے آنکھیں بند کر کے تسلیم کر لیا جائے۔ جس شخص کی امامت ثابت ہو، عدالت ثابت ہو، اسکے مدح کرنے والے کثیر تعداد میں پائے جاتے ہوں اور اسکے معترضین چند لوگ (بلکہ چند شریک) ہوں تو وہاں یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ لوگ اسکے مذہب سے تعصب رکھتے ہیں اور اسکے قبیحین کی کثرت تعداد کو دیکھ کر جلتے ہیں لہذا ایسے لوگوں کی جرح کی طرف ہرگز توجہ نہ کی جائے۔

اسکے بعد آپ فرماتے ہیں، ”ولو اطلقنا تقدیم الجرح لما سلم لنا احد من الائمة اذ ما من امام الا وقد طعن فيه طاعنون وھلك فيه ھالكون“۔ اگر ہم مطلقاً یہ تسلیم کر لیں کہ فلاں امام پر اعتراض کرنے والا بھی تو کوئی ہے، اس امام کی بات کو کیوں مانیں؟ تو اس طرح کوئی امام بھی ہمیں ایسا نہ مل سکے گا جس پر طعن کرنے والوں نے طعن نہ کیا ہو اور ہلاک ہونے والے اسکی شان میں گستاخی کر کے ہلاک نہ ہوئے ہوں۔

بعض لوگوں نے اپنی جہالت کی وجہ سے امام اعظم رحمہ اللہ پر یہ طعن پیش کیا کہ آپ کی روایات قلیل ہیں۔ ان کو یہ سمجھ نہ آ سکا کہ پہلے احادیث کو کتابی شکل میں جمع کرنے کا رواج نہیں تھا، صرف زبانی یاد کیا جاتا تھا۔ آپ نے احادیث کو کتابی صورت میں جمع نہیں کیا تو اس میں کیا عیب ہے؟ بلکہ اس سے تو آپ کی شان سمجھ میں آتی ہے۔

فان مرتبہ فی ھذا تشابھ المرتبة الصدیقیۃ فان کان ھذا طعننا کان ابوبکر الصدیق الفضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق مطعوناً فانه ایضا قلیل الروایۃ بالنسبۃ الی بقیۃ الصحابة حاشا ہم حاشا ہم عن ھذہ الوسمة۔

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ قلیل روایت ہونے میں مرتبہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ

عہ کے مرتبہ کے مشابہ ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ انبیاء کرام کے بعد تمام انسانوں میں افضل ہیں لیکن آپ کی روایات باقی صحابہ کرام سے کم ہیں۔ معاذ اللہ! اس وجہ سے کیا ممکن ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان میں طعنہ زنی کی جائے؟ آجکل کے دور میں مذہب حنفی کے کثیر پیروکار دیکھ کر کچھ لوگ جل رہے ہیں۔ تحقیق کے میدان میں مقابلہ کرنے کی توان جہلاء میں ہمت نہیں بلکہ فقہ حنفی کی کتب کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں صرف جاہل لوگوں کو اپنے جاہل میں پھنسانا ان کا کام ہے۔

حنفی حضرات کو باطل مذہب والوں سے بچانے کے لیے پیر طریقت رہبر شریعت حضرت علامہ پیر سید الشاہ تراب الحق قادری مدظلہ العالی نے سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مناقب میں یہ کتاب تصنیف کر کے احسان عظیم فرمایا۔ آپ کا ارشاد فرمایا ہوا یہ جملہ آپ زر سے لکھنے کے قابل ہے، ”میں نے خیال کیا، کوئی مانے یا نہ مانے، کم از کم اپنا تو کوئی نہ بھاگے۔“

میں نے اس کتاب کا چند مقامات سے مطالعہ کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر صرف عوام ہی نہیں بلکہ علماء بھی فائدہ حاصل کریں گے۔

ہاں ایک بات ضرور کہوں گا وہ یہ کہ علماء اہلسنت کے پاس لوگوں کو خریدنے کے لیے پیسے نہیں جبکہ دیگر مذاہب باطلہ بکا و مال لوگوں کو پیسے سے خریدتے ہیں۔ یہ کام تو یقیناً شاہ صاحب نہیں کر سکتے۔ راہنمائی ان کا حق تھا، انہوں نے یہ حق ادا کر دیا اور خوب ادا کیا۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔

رب تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو نافع خلاق بنائے، آمین بجاہ سید المرسلین۔

عبدالرزاق بھٹرا لوی

جامعہ جماعتیہ مہر العلوم، راولپنڈی

تقدیم

محقق جلیل، ادیب شہیر پروفیسر سید عبدالرحمن شاہ بخاری

شریعت اکیڈمی، انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله حمداً يوافي نعمه ويكافى مزيده والصلوة والسلام على من لا نبى بعده وعلى آله وصحبه الذين اهتدوا هديه. اما بعد!

کائنات امتزاج ہے مادہ اور توانائی کا..... انسان مرکب ہے جسم اور روح سے..... زندگی تالیف ہے صورت اور سیرت کی..... اسی طرح تہذیب مجموعہ ہے جوہر (spirit) اور مظہر (form) کا..... اسلام خدا کی ابدی اور آفاقی تہذیب ہے..... اس تہذیب کا جوہر نسبت مصطفیٰ ﷺ..... اور مظہر شریعت محمدی علی صاحبہا التحیہ ہے..... دوسرے لفظوں میں یوں کہیے..... دین کیا ہے مصطفیٰ ﷺ کی غلامی کا نام..... اور یہ غلامی جب عمل کے پیکر میں ڈھلتی ہے..... تو شریعت محمدی کہلاتی ہے۔

شریعت کیا ہے..... زندگی گزارنے کا سلیقہ..... اور یہی تو حاصل تہذیب ہے..... نظام قدرت کے دو ہی رخ ہیں..... ایک تکوین..... دوسرا تشریع..... خدا جو کچھ بناتا ہے وہ اسکی تکوین ہے..... اور جو کچھ چاہتا ہے وہ اسکی تشریع ہے..... قرآن کے فیصلہ کن الفاظ میں:

ربنا الذی اعطى کل شئ خلقه ثم ھدی۔

یعنی ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو بنایا اور پھر اسے ہدایت سے نوازا۔

دیکھئے خدا کا پورا نظام قدرت یہاں صرف دو ہی لفظوں میں آشکار ہو رہا ہے..... ایک خلق جو تکوین سے عبارت ہے..... اور دوسرا ہدایت جو تشریع سے الگ کچھ نہیں..... تو کہنے دیجئے کہ اس پوری کائنات میں خدا کی ذات کے دو ہی جلوے ہیں..... تکوین

... اور تشریع . تکوین خدا کی صفت ہے اور اس سے باہر جو کچھ ہے سب اس کی تشریع ... تو کیا اب بھی اس میں کچھ شبہ ہے کہ تہذیب کی نمود تشریع ہی میں ہوتی ہے اور بس . شریعت سے باہر جو کچھ ہے اس کا تہذیب سے کچھ رشتہ نہیں ... ذرا سوچئے تو سہی خدا نے اس شخص کو کیا دانائی بخشی ہوگی جس نے شریعت کی تعریف ان لفظوں میں کی ہے:

معرفة النفس ما لها وما عليها۔

یعنی شریعت نام ہے اس کا کہ نفس انسانی پہچان لے وہ سب کچھ جو اس کے لئے ہے اور وہ سب کچھ جو اس پر عائد ہے۔

مالها وما عليها کی تعبیر اتنی ہمہ گیر ہے کہ زندگی اور تہذیب در کنار خود کائنات اپنی ابتدا سے انتہا تک اس کی آغوش میں ڈوبی ہوئی ہے میں سچ کہتا ہوں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے بعد پوری نسل انسانی میں جو دانائی باقی ہے اس دانائی کا بہت بڑا حصہ فقط اسی ایک فقرے میں سمٹ آیا ہے یہ شخص یقیناً انبیاء کرام علیہم السلام اور محمد عربی ﷺ کے چند صحابہ اور اہل بیت کے بعد تاریخ انسانی کا سب سے بڑا دانا، سب سے بڑا مفکر اور سب سے بڑا حکیم ہے انسانی تہذیب کو اس سے بڑھ کر کسی نے نہیں سمجھا اور کسی نے نہیں سنبھالا یہ شخص علی الاطلاق اسلامی تہذیب کا سب سے بڑا مفکر بھی ہے اور سب سے بڑا محافظ بھی جی ہاں! اس شخص کو خدا نے صرف یہ سمجھایا ہی نہیں کہ تہذیب کیا ہے، شریعت کیا اور ان دونوں میں باہم کتنا گہرا رشتہ ہے بلکہ اسلامی شریعت اور اسلامی تہذیب کی حفاظت اور خدمت کا سب سے بڑا کام بھی اسی شخص سے لیا ہے وہ تو بازار میں کپڑا بیچنے نکلا تھا پر میرے خدا نے اسے دنیا کا امام بنا دیا صرف امام ہی نہیں بلکہ امام اعظم میں قربان تیری عظمتوں پر اے کوفہ کے تاجر! تیرے جیسا نصیب کوئی

اور لیکر نہیں آیا..... دنیا کے لاکھوں ولی خدا کے حضور سجدے گزارتے ہیں..... اور ان سجدوں کا ثواب تجھے پہنچتا ہے..... پر تیرا حق پھر بھی ادا نہیں ہوتا..... سواہل علم اور اہل دل کو کہنا پڑتا ہے:

يجب على اهل الاسلام ان يدعوا الله لابي حنيفة

لحفظه عليهم السنة والفقه۔

یعنی اہل اسلام پر لازم ہے کہ وہ اپنی نمازوں میں امام ابوحنیفہ کے لئے دعا کیا کریں کہ انہوں نے سنت اور فقہ کی حفاظت کر کے مسلمانوں پر احسان کیا ہے۔

جی ہاں! تمام اہل اسلام پر لازم ہے کہ وہ جب جب خدا کو یاد کریں..... ساتھ ہی امام امت ابوحنیفہ کے لئے دعا کی تڑپ بھی اس میں بسا دیں..... وہ جب بھی دین کے کسی حکم پر عمل کریں..... ساتھ ہی ابوحنیفہ کے لئے والہانہ تشکر کا جذبہ بھی اٹھیل دیں..... کیوں؟..... اس لئے کہ امام ابوحنیفہ نے پوری امت پر احسان کیا ہے..... تہذیب اسلامی اور شریعت محمدی کی حفاظت کا احسان..... جس طرح خلیفہ اول صدیق اکبر نے تدوین قرآن کا بیڑا اٹھایا..... اور خدا کی کتاب کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا..... اسی طرح امام اعظم ابوحنیفہ نے تدوین شریعت کا ڈول ڈالا..... اور اسلامی شریعت کی ابدی حفاظت کا سامان کر دیا..... دیکھئے عہد نبوت تائیس شریعت کا عہد ہے..... اس عہد میں دنیا کو شریعت عطا ہوئی..... اور تہذیب نے وجود کا جامہ پہنا..... خلافت راشدہ عہد رسالت کا تمہ ہے..... اس میں تعمیر، توسیع اور تسخیر کا کام جاری رہا..... صحابہ کی تربیت خود آقا ﷺ نے کی تھی..... رسول اللہ ﷺ کا ایک ایک حکم ان کے سینوں میں محفوظ تھا..... حضور ﷺ کی ایک ایک ادا ان کے عمل میں ڈھل چکی تھی..... ان کی زندگیاں قرآن اور سنت کا آئینہ تھیں..... تہذیب ان کے کردار میں جذب ہو چکی تھی..... نفوس خود اصول بن گئے تھے..... اور یوں شریعت کی حفاظت ہو رہی تھی.....

مگر صحابہ کے بعد قیامت تک شریعت محمدی کی حفاظت کا اہتمام ناگزیر تھا..... اور قسام ازل نے یہ سعادت ابوحنیفہ کے مقدر میں لکھی تھی..... صحابہ نے قرآن کے الفاظ جمع کئے۔... اور ابوحنیفہ نے اسکے احکام مرتب کئے..... صحابہ نے اپنے آقا کے ارشادات دنیا تک پہنچائے..... اور ابوحنیفہ نے ان ارشادات کے مفہیم مدون کر دیے۔... فقہ کیا ہے... یاد رکھئے..... سنت کے مفہیم کا دوسرا نام..... محدثین ابوحنیفہ کے بعد آئے..... اور انہوں نے جن احادیث کے الفاظ جمع کئے..... ابوحنیفہ ان الفاظ کو پہلے ہی احکام کا روپ دے چکے تھے..... محدثین کا کام اپنی جگہ عظیم بھی ہے اور بے مثال بھی..... اور پوری امت ہمیشہ انکی ممنون احسان رہے گی..... مگر یہاں مجھے یہ کہنا ہے کہ..... ابوحنیفہ کو خدا نے محدثین کا بھی امام بنا دیا ہے..... جو کام محدثین نے لفظاً انجام دیا..... وہ ان سے پہلے ابوحنیفہ معنایاً انجام دے چکے تھے..... الفاظ امت تک محدثین نے پہنچائے..... اور معانی ابوحنیفہ نے بتائے..... اور صرف معانی ہی نہیں بتائے..... ان معانی تک رسائی کا گر بھی سکھایا..... تو کہنے دیجئے کہ..... ابوحنیفہ کو خدا نے جن لیا..... اپنے محبوب ﷺ کی سنت اور شریعت کی حفاظت کے لئے۔

ہو سکتا ہے کوئی سوچے..... تدوین شریعت کے اعزاز میں تو دیگر ائمہ مجتہدین بھی حصہ دار ہیں..... کوئی شک نہیں امت سبھی کی ممنون احسان ہے..... امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور دیگر تمام ائمہ مجتہدین کی دہلیز پر امت کا سر جھکا ہے..... ہر ایک کا نام قیامت تک درخشاں رہے گا..... پر سنئے تو سبھی ان اماموں سے..... وہ کیا کہہ رہے ہیں ابوحنیفہ کے بارے میں..... سفیان ثوری ان کے معاصر ہیں اور خود مجتہد وقت..... مگر ابوحنیفہ کی برتری مانے بغیر نہ رہ سکے..... اور بے جھجک پکارا ٹھے:

انه ليكشف لك من العلم عن شئى كلنا عنه غافل۔

یعنی اے ابوحنیفہ! خدا تیرے سینے پر وہ علم انڈیلتا ہے کہ ہم میں سے کوئی دوسرا اسے پا

نہیں سکتا۔

لیجئے سفیان ثوری نے بتا دیا کہ..... علم شریعت میں ابو حنیفہ سب سے آگے ہیں..... خدا انہیں ہر ایک سے بڑھ کر دیتا ہے..... کوئی ان تک نہیں پہنچ سکتا..... اور پہنچے کیسے کہ..... خدا نے انہیں فہم و ادراک کی جو انمول قوت بخشی ہے..... وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آئی..... جی بھی تو ابن شہرہ کو لوگوں نے بھری مجلس میں دیکھا کہ..... بے ساختہ ابو حنیفہ کی ذہانت پر یوں تاز کرنے لگے:

عجزت النساء ان یلدن مثلك سیرلعا ما علیک فی العلم کلفة۔
یعنی اے ابو حنیفہ! عورتوں کی کوکھ اب تجھ سا کوئی ذہین اور تر فکر جنم نہ دے سکے گی، علم تجھ پر بے ساختہ برستا ہے۔

دیکھئے ابن شہرہ بنے کیونکر ابو حنیفہ کو علم و تفقہ کی دنیا میں یکتا اور یگانہ ٹھہرایا..... ایسا یگانہ کہ..... اب ماؤں کی کوکھ بھی ایسا کوئی اور نہ لانا پائے گی..... حقیقت یہ ہے کہ..... ابو حنیفہ سے خدا نے جو کام لینا تھا..... وہ تنہا انہوں نے کر دیا..... ابو حنیفہ علم کا سمندر تھے..... علی بن مدینی کئی شہروں کے فقہاء سے مل آئے..... اور جب کوفہ میں امام اعظم تک پہنچے تو یہیں کے ہو رہے..... اور بے دھڑک کہنے لگے..... ابن البحر من السواقی..... یعنی کہاں سمندر اور کہاں نہریں..... قاسم بن معن جو حضرت عبداللہ بن مسعود کی اولاد میں خود ایک عظیم فقیہ تھے..... ابو حنیفہ کی مجلس میں بیٹھا کرتے..... اور جب کسی نے سبب پوچھا تو بر ملا پکارا ٹھے:

ما جلس الناس الی احد انفع مجالسة من ابی حنیفة۔

یعنی دنیا والوں نے ابو حنیفہ کی مجلس سے بڑھ کر کسی اور کی مجلس کو نفع بخش نہیں پایا۔
واقعی امام ابو حنیفہ کی مجلس سے بڑھ کر کوئی اور فقہی مجلس دنیا نے نہیں دیکھی..... دین کا جو علم ان گنت مجالس اور حلقوں میں پھیلا ہوا تھا..... وہ سب تنہا امام اعظم کے حلقے میں

سمٹ آیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوفہ کی جامع مسجد میں امام اعظم نے اپنی مسند بچھائی۔ تو دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف سے دنیا ٹوٹ کر دوڑی چلی آئی۔۔۔ سب بڑے چھوٹے ادھر لپکے۔۔۔ اور یہ فقہ و شریعت کا سب سے بڑا اور سب سے معتبر حلقہ بن گیا۔

امام اہل بیت امام باقر نے بہت پہلے ابوحنیفہ کو دیکھ کر یونہی تو نہیں کہہ دیا تھا کہ۔۔۔ ما احسن ہدیہ و سمتہ و ما اکثر فقہہ۔۔۔ یعنی کیا سندر تا ہے اس شخص کے کردار میں اور کیا فراوانی ہے اسکے علم و تفقہ میں۔۔۔ دراصل امام باقر کی نگاہ فراست تاڑ گئی تھی کہ۔۔۔ دنیائے فقہ کا مستقبل ابوحنیفہ سے جڑا ہے۔

حضرت داؤد طائی۔۔۔ فقہ ظاہر اور فقہ باطن دونوں سے فیضیاب تھے۔۔۔ ان کے علم اور وجدان نے چار سو دیکھا تو نظر آیا کہ۔۔۔ علم بس وہی ہے جو ابوحنیفہ سے دنیا کو ملا ہے۔۔۔ سنئے وہ کیا کہتے ہیں:

ذلک نجم یہتدی بہ الساری و علم تقبلہ قلوب المؤمنین

فکل علم لیس من علمہ فہو بلاء علی حاملہ۔

یعنی ابوحنیفہ آسمان علم کا قطب ستارہ ہے۔۔۔ جادۂ فقہ کے سب راہی اسی کی راہبری میں چلتے ہیں۔۔۔ اس کا علم دلوں میں اترتا جاتا ہے۔۔۔ اور جو علم ابوحنیفہ کی راہ سے نہ آیا ہو وہ تو بس ایک آزار ہی ہے۔

ابو یوسف امام اعظم کے شاگرد بھی ہیں۔۔۔ اور خود ایک عظیم مجتہد بھی۔۔۔ ان سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ اپنے استاد کا فیض لٹاتے۔۔۔ اور ساتھ ہی یوں کہتے:

ہذا قول ابی حنیفہ و من جعلہ بینہ و بین اللہ فقہ استبرأ لدینہ۔

یہ ابوحنیفہ کا ارشاد ہے اور جس نے خدا کے ساتھ اپنا رشتہ ابوحنیفہ کے علم کی راہ سے جوڑ لیا اس نے اپنے دن کو محفوظ کر لیا۔

یہ محض ایک شاگرد کا جذبہ عقیدت نہیں، امر واقع ہے..... ابو یوسف خود کہتے ہیں کہ..... میں نے جب بھی اپنے تفقہ میں امام کی رائے سے اختلاف کیا..... ذرا سی دیر میں مجھ پر کھلا کہ: مذہبہ انجی فی الآخرة..... یعنی ابو حنیفہ کی رائے ہی نجات اخروی سے قریب تر ہے..... اور ایسا کیوں نہ ہو کہ..... جب کئی اہل کشف نے پے در پے یہ دیکھا ہے کہ..... ابو حنیفہ کا علم ان کے اپنے ذہن کا زائیدہ نہیں..... بلکہ براہ راست سرور کونین ﷺ کا عطیہ ہے..... برصغیر میں کاروانِ ولایت کے سالار مخدوم ام سید ہجویر اپنا ایک کشف سناتے ہیں کہ:

میں نے دیکھا حضور سید عالم ﷺ اپنی آغوش میں ایک سفید ریش بزرگ کو بچے کی طرح اٹھائے ہوئے چل رہے ہیں۔ میں حیرت میں رہا تھا کہ آقا و مولا ﷺ نے فرمایا: علی! یہ تیرے دیار کا امام ابو حنیفہ ہے۔ اس مشاہدے کی تعبیر میرے باطن سے یہ ابھری کہ ابو حنیفہ جادہ نقاہت میں اپنے قدموں سے نہیں آقا ﷺ کے قدموں سے چل رہے ہیں۔ ان کا تفقہ حضور ﷺ کا عطیہ ہے۔ وہ علم اور عمل دونوں میں فانی الرسول ﷺ کی منزل پر فائز ہیں۔

کچھ یہی نتیجہ امام ربانی مجدد الف ثانی کے روحانی مشاہدات سے بھی سامنے آیا ہے..... وہ لکھتے ہیں کہ امام اعظم کا اجتہاد کمالات نبوت کی نسبت لئے ہوئے ہے..... اور یہی راز ہے فقہ و طریقت کے امام عبدالوہاب شعرانی کے اس ارشاد گرامی کا کہ..... ”اہل کشف نے دیکھا ہے امام ابو حنیفہ کا فقہی مذہب تدوین میں سب سے پہلا اور ختم ہونے میں سب سے آخری ہے“..... اور اسی کی تائید ہوتی ہے حضرت خواجہ محمد پارسا کے اس مکاشفہ سے کہ:

حضرت عیسیٰ علیٰ نبیہ السلام جب زمین پر اتریں گے اور دنیا میں اسلام غالب کر دیں گے تو شریعت کا جو نظام وہ کائنات میں لاگو کریں گے، امام ابو حنیفہ کی فقہی تعبیر اس

سے مطابقت رکھتی ہے۔

بھلا ابوحنیفہ کا فقہی مذہب قیامت تک کیوں نہ چلے..... جبکہ ابوحنیفہ نے اس مذہب کو لوگوں تک پہنچانا شروع ہی اس وقت کیا جب سرور کونین ﷺ کی بارگاہ سے انہیں اس کا اشارہ ہوا... جیسی تو خدا نے ہر عہد میں مسلمانوں کی دو تہائی اکثریت کو فقہ حنفی سے وابستہ کر رکھا ہے... فقہ حنفی رسول اللہ ﷺ کے فیضانِ نظر کا اک کرشمہ ہے۔ اپنے عہد کے ایک برگزیدہ ولی، فقیہ اور محدث حضرت عبداللہ بن مبارک اسی لئے فرمایا کرتے تھے:-

قول ابی حنیفۃ کالاثر عن رسول اللہ ﷺ اذا لم نجد اثرا۔
یعنی جب کسی معاملہ میں کوئی حدیث نبوی میسر نہ ہو تو امام ابوحنیفہ کا قول وہاں کلام ماثور کا پر تو محسوس ہوتا ہے۔

کہاں وہ بے بصیرت حاسدین جو امام ابوحنیفہ پر حدیث رسول ﷺ سے عاری ہونے کا بہتان باندھتے ہیں..... اور کہاں عبداللہ بن مبارک جیسا اپنے وقت کا سب سے بڑا محدث جو برملا یہ کہتا ہے کہ..... جب کسی معاملے میں حدیث رسول ﷺ نہ ملے..... تو ابوحنیفہ کا قول لے لو..... اس میں شعورِ نبوت کے پرتو کی جھلک ہوگی..... اور یہ شعورِ نبوت کے اسی پرتو کا کرشمہ تھا کہ..... امام ابوحنیفہ کے فقہی مدارک اس قدر دقیق اور انکے اجتہاد کی سطح اتنی بلند ہو گئی تھی کہ..... امام عبدالوہاب شعرانی نے المیزان الکبریٰ میں حضرت سید علی خواص کا یہ قول لکھا ہے کہ..... ”اکابر اولیاء کے کشف کے سوا کسی کے علم کی رسائی امام ابوحنیفہ کے مدارک تک نہیں ہے“..... ابن عیینہ کہتے ہیں..... میں سعید بن ابی عروبہ کے پاس گیا..... انہوں نے امام ابوحنیفہ کے بارے میں مجھ سے کہا:

لقد فتح الله لهذا الرجل في الفقه شيئا كانه خلق له۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر فقہ کے اسرار کھول دیے ہیں گویا کہ خدا نے اسے پیدا ہی اس کام کے لیے کیا ہے۔

زفر بن ہذیل خود ایک عظیم فقیہ اور امام ابو حنیفہ کے جانشین تھے..... وہ اپنی چشم تصور سے امام ابو حنیفہ کی فقہی گفتگو کا نقشہ یوں باندھتے ہیں:

کان اذا تکلم خیل الیک ان ملکا یلقنه۔

یعنی جب امام اعظم بولتے تو یوں لگتا کہ گویا ایک فرشتہ ان کے دل میں القا کر رہا ہے۔ بات یہ ہے کہ ابو حنیفہ کے سینے میں خدا نے علم کا ایک خزانہ بھر دیا تھا..... اور اب وہی خزانہ امام اعظم دنیا والوں میں لٹا رہے تھے..... معمر نے کیا خوب کہا ہے کہ.....
 ”ابو حنیفہ سے بڑھ کر فقہ کی مہارت رکھنے والا مجھے کوئی اور نظر نہیں آتا جو مخلوق کو راہِ نجات دکھانے والا ہو“..... سچ ہے امام ابو حنیفہ نے اپنی فقہی بصیرت کے ذریعہ مخلوق خدا کی راہنمائی کا حق ادا کر دیا..... امام مالک کی ان سے ملاقات ہوئی تو کسی نے پوچھا، ابو حنیفہ کو کیسا پایا؟..... بے ساختہ جواب دیا اور تعریف کا حق ادا کر دیا..... فرمایا، لم ار مثله۔ یعنی میں نے ان سا کوئی نہ دیکھا، وہ بے مثل ہیں۔

امام ابو حنیفہ تاریخ اسلام میں یقیناً بے مثل اور یکتا ہیں..... پر بات اتنی ہی نہیں..... کچھ اس سے بھی بڑھ کر ہے..... اور وہ امام شافعی نے کہہ دی ہے:

الناس عیال فی الفقہ علی ابی حنیفہ۔

یعنی فقہ میں ساری دنیا ابو حنیفہ کی پروردہ ہے۔

فقہاء تو ابو حنیفہ سے پہلے بھی تھے..... پر فقہ میں امامت کے شایاں سب سے پہلے وہی نکلے..... ابو حنیفہ کو خدا نے سب سے پہلے تدوین شریعت کی راہ سمجھائی..... اصول شریعت انہوں نے دریافت کیے..... منہج استنباط اور معیار تدوین انہوں نے وضع کیا..... مقاصد شریعت اور قواعد اجتہاد انہوں نے متعین کیے..... مجلس تدوین فقہ

انہوں نے بنائی۔ قیاس و استحسان کی حدود انہوں نے طے کیں..... اور فقہ تقدیری کی نیوا انہوں نے اٹھائی..... ان سارے کاموں میں کوئی ان سے پہلے ہے نہ ان سے بڑھ کر۔ پھر کیوں نہ امام شافعی..... اور ان کے ساتھ مل کر ہم بھی بر ملا کہیں کہ: شریعت کو سمجھنے، اپنانے اور سنبھالنے میں پوری امت امام ابوحنیفہ کی عیال ہے وہ امام اعظم ہیں..... اور باقی سب ان کے تابع اور ان کے محتاج..... اس کام میں کوئی ان سا ہے نہ ان سے بے نیاز۔

پھر تدوین شریعت کے اس کام کو انجام دینے میں ایک اور بڑی ندرت جو امام ابوحنیفہ کے ہاں ابھری..... اور جس کی کوئی مثال شاید ہی ان سے پہلے دنیا کی کسی قوم میں تدوین قانون کے حوالے سے ملے..... وہ شوری اجتہاد اور مجلس تدوین فقہ کا قیام ہے..... مغرب میں پارلیمانی تقنین کا تصور تو خیر بہت بعد میں چمکا..... پھر یوں بھی وہ امام ابوحنیفہ کی مجلس تدوین سے بہت فروتر ہے..... اور مجھ سے پوچھیے تو پارلیمانی تقنین کا یہ نظریہ امام ابوحنیفہ کی ”اجتماعی تدوین قانون“ کا ایک عکس بعید ہے اور بس..... یہ مجلس تدوین کیا تھی..... تقویٰ، تدین اور فقہ کی ایک کہکشاں تھی..... ایسی کہکشاں جس میں کائنات علم اور دنیائے ولایت دونوں کے تاجدار جگمگا رہے تھے..... امام ابو یوسف جنہیں پوری سلطنت اسلامیہ کا قاضی القضاۃ بناتے وقت خلیفہ ہارون رشید نے کہا:..... ”بخدا میں نے علم کے جس باب میں اس شخص کو آزمایا، اس میں کامل اور ماہر پایا۔ اس کا کردار آلودگیوں سے پاک ہے، اس جیسا کوئی اور نہیں“..... امام محمد بن حسن شیبانی جن کے ایک شاگرد امام شافعی تھے اور وہ اپنے استاد کے بارے میں کہا کرتے:..... ”میں نے ان سے زیادہ عقلمند کوئی نہیں دیکھا۔ وہ جب کوئی مسئلہ بیان کرتے تو یوں لگتا کہ وحی اتر رہی ہے“..... امام زفر بن ہذیل جو امام اعظم کے حلقہ درس میں ان کے جانشین ہوئے اور جن کے بارے میں خود امام اعظم نے

کہا:.....”زفر مسلمانوں کے ائمہ میں سے ایک امام ہیں، حسب نسب اور شرافت میں بلند پایہ، ہمارے اصحاب میں قیاس کے سب سے زیادہ ماہر“..... حسن بن زیاد جن کی شان اتنی بلند ہے کہ ابن اثیر نے انہیں تیسری صدی ہجری کے مجددین میں شامل کیا ہے..... مالک بن مغول جن پر تمام محدثین اعتماد کرتے ہیں اور امام بخاری نے جن کے بارے میں فرمایا:.....”اہل کوفہ میں بس وہی شخص قابل اعتماد اور ثقہ ہے جو مالک بن مغول کی تعریف کرتا ہو“..... داؤد الطائی جن کے ثقہ ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے اور جن کے بارے میں ایک عظیم محدث محارب بن دثار کہا کرتے:.....”داؤد اگر اگلے زمانے میں ہوتے تو اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ان کا قصہ بیان کرتا“۔

زہیر بن معاویہ جو الجزیرہ کے سب سے بڑے محدث سمجھے جاتے اور جن کے بارے میں امام سفیان ثوری نے کہا:.....”معاصرین میں کوئی شخص ان کا ہم پایہ نہ تھا“..... قاسم بن معن جو حضرت عبداللہ بن مسعود کے پوتے تھے، جنہیں اپنے عہد کا امام شعی کہا جاتا اور جن کے بارے میں امام اعظم فرمایا کرتے:.....”قاسم میرے دل کا سکون اور میرے غم و اندوہ میں باعثِ راحت ہے“..... عافیہ بن یزید جن کی ثقاہت اور عقل و دانش کا ہر سو چرچا تھا اور جن کی غیر موجودگی میں امام اعظم مدوین فقہ کا کام روک دیتے اور فرمایا کرتے:.....”جلدی نہ کرو، عافیہ کو آنے دو“..... یحییٰ بن زکریا جن کا پایہ حفاظِ حدیث میں اتنا بلند ہے کہ یحییٰ بن معین انہیں اپنے عہد کا سب سے بڑا عالم کہتے تھے..... یوسف بن خالد سستی جن کی تعریف امام شافعی، امام مزنی اور امام طحاوی نے کی..... وکیع بن الجراح جن کے بارے میں ان کے شاگرد امام احمد بن حنبل یوں کہا کرتے:.....”یہ حدیث مجھ سے اس شخص نے بیان کی جن کا مثل میری آنکھ نے نہیں دیکھا“..... یحییٰ بن سعید القطان جنہوں نے فتنہ وضع حدیث کی سرکوبی کے لیے فن رجال کی بنیاد رکھی اور جن کی بارگاہ میں امام احمد بن حنبل، ابن مدینی اور

ابن خالد ایسے ائمہ حدیث گھنٹوں سراپا عجز و ادب کھڑے رہتے..... ابو عاصم نبیل جن کی تعریف امام بخاری نے کی اور جن کے بارے میں ذہبی نے لکھا:..... ”ان کی ثقاہت پر تمام اہل علم متفق ہیں..... عبداللہ بن مبارک جو بالاتفاق امیر المومنین فی الحدیث کہلاتے جن کے استاد سفیان ثوری انہیں مشرق و مغرب کا عالم کہتے، جن کی عزت اور مقبولیت پر خلیفہ ہارون رشید برملا رشک کا اظہار کرتا اور جن کی شان میں امام نووی نے لکھا:..... ”وہ امام جن کی عظمت پر ہر باب میں اجماع کیا گیا، جن کے ذکر سے اللہ کی رحمت برستی ہے اور جس کی محبت سے بخشش کی امید بندھتی ہے“

... فضل بن موسیٰ جو علم اور تقویٰ میں عبداللہ بن مبارک کے ہم پلہ سمجھے جاتے اور جو کسی شخص کی طرف سے اہانت کرنے پر اپنے شہر سے نکل آئے تو دنیا نے دیکھا کہ:..... اس سال شہر کی تمام کھیتیاں اجڑ گئیں اور فصلیں تباہ ہو گئیں..... حفص بن غیاث جو تیرہ سال کوفہ اور دو سال بغداد میں قاضی رہے اور جن کے تمام فیصلوں کا باریک بینی سے جائزہ لیکر امام ابو یوسف پکاراٹھے کہ:..... ”حفص کے ساتھ تائید الہی ہے“..... حکم بن عبداللہ بلخی جو سولہ سال بلخ کے قاضی رہے، جو گورنر کو ڈانٹتے تو اس کے آنسو بہہ پڑتے اور جن کے علم و دیانت کی تعریف عبداللہ بن مبارک کیا کرتے..... حضرت فضیل بن عیاض، امام شافعی کے استاد اور ولیوں کے سردار جن کی عظمت کے چرچے ہر زبان پر ہیں..... اور ابو اسماعیل حماد جن کی خوش نصیبی پر زمانہ ناز کرتا ہے کہ ان کی رگوں میں امام اعظم کا خون دوڑتا تھا اور جن کے علم و تفقہ کا یہ عالم تھا کہ وہ عظیم باپ کی زندگی میں ہی منصب افتاء پر فائز ہو چکے تھے۔

یہ ہیں چند ستارے آسمان شریعت کی اس عظیم کہکشاں کے جس کا مرکز سراج امت امام اعظم ابو حنیفہ کی ذات اقدس تھی..... اور جس کی مثال پوری دنیا کی تاریخ تدوین قانون میں کہیں اور نہیں مل سکتی..... یہ مجلس تدوین فقہ جس کے سر پر خدا کی رحمتوں کا

سایہ تھا..... کہ اس مجلس نے خدا کی دھرتی پر خدا کے آخری قانون کی دائمی حفاظت کا بیڑا اٹھایا ہوا تھا..... یہ مجلس آج کل کی سرکاری کونسلوں جیسی نہ تھی..... کہ ارکان نامزد ہو گئے، کورم ٹوٹتے اور اجلاس رکتے رہے..... یہ تو ایک دائمی سیمینار تھا جو خدا کے گھر جامع کوفہ میں مسلسل جاری رہتا..... فقہی تدوین کے اس عمل میں جس جس فقیہ، محدث اور امام کا جتنا حصہ خدا نے ازل سے لکھا ہوا تھا..... وہ اپنے اپنے وقت پر آتا اور اس مجلس میں شامل ہوتا رہا..... یہ کوئی تنظیمی مجلس نہ تھی کہ ارکان کی عمر، ڈگری اور منصب کا تجزیہ شروع کر دیا جائے..... یہ تو خدا کے دین کی خدمت کا کام تھا..... اور جس جس مرحلے پر خدا نے جس کسی کو چاہا، اپنے دین کی خدمت کے اس پاکیزہ حلقے میں لا کر بٹھا دیا..... کوئی پہلے اس کا رکن بنا، کوئی بعد میں..... کوئی بڑھا پے میں اس مجلس کے شایاں اتر..... اور کوئی بچپن ہی سے علم کا سمندر تھا..... اور امام اعظم تو علم کے ہر سمندر کی موجوں اور ہر ستارے کی کرنوں سے شریعت محمدی کی کھیتی کو سیراب کر رہے تھے۔

یہ مجلس ایک گلدستہ تھی..... علم، ایمان اور تقویٰ کا گلدستہ..... امام ابوحنیفہ اس گلدستے میں ہر رنگ اور ہر مہک کے پھول سجا رہے تھے..... وقت گزرتا رہا..... نئے نئے پھول کھلتے رہے..... اور امام اعظم ان پھولوں سے اپنا گلدستہ سجاتے رہے..... یہ مجلس تو ایللیے موتیوں کا ہار تھی..... یہ ہار امام اعظم نے اس وقت پرونا شروع کیا جب خدا نے انہیں تدوین شریعت کے کام پر لگایا..... اور پھر جب تک ان کی سانسیں چلتی رہیں وہ علم اور تقویٰ کے موتی ڈھونڈتے، ہار پروتے اور تدوین شریعت کا کام کرتے رہے..... یہاں تک کہ دنیا نے دیکھا اور پہچان لیا کہ..... یہ وہی شخص ہے..... ہاں ابوحنیفہ اور صرف ابوحنیفہ ہی وہ شخص ہے..... جس کے بارے میں کونین کے سب رازوں سے بھرا محبوب خدا ﷺ کا سینہ بہت پہلے یہ مژدہ دے چکا تھا..... سنو امام

بخاری اور امام مسلم کی زبانوں سے مہکتے جگمگاتے الفاظ ٹپک رہے ہیں۔۔۔ فرمایا میرے آقا ﷺ نے:

لو كان الايمان عند الثريا لذهب به رجل من ابناء فارس حتى يتناولہ۔
یعنی اگر ایمان ثریا کی بلندیوں پر ہو تو بھی فارس کے لوگوں میں سے ایک شخص ایسا ہوگا جو وہاں سے اتار لائے گا۔

مجھے یقین ہے اور میں اسی یقین کے ساتھ خدا کے حضور پیش ہونا چاہتا ہوں کہ۔۔۔ اس حدیث صحیح کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا مصداق ابو حنیفہ ہے۔۔۔ تنہا ابو حنیفہ۔۔۔ کوئی اور نہیں۔۔۔ اور یہ اعزاز ابو حنیفہ سے قیامت تک کوئی چھین نہیں سکتا۔۔۔ ساری دنیا کے غیر مقلد حاسدین اور معاندین مل کر بھی نہیں۔۔۔ ابو حنیفہ کے حاسدین تو ہر زمانے میں ابھرتے رہے۔۔۔ مگر سارے زمانے گواہ ہیں۔۔۔ سب شہر اور قریے، سمع و بصر، سب پست و بلند اور خشک و تر ہمیشہ گواہی دیتے رہے۔۔۔ اور تا ابد دیتے رہیں گے کہ۔۔۔ صدیوں پر پھیلے یہ سارے حاسدین مل کر بھی ابو حنیفہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔۔۔ حاسدین پہلے بھی شعلوں کی طرح بھڑکتے اور خود بخود مٹتے رہے۔۔۔ اور آئندہ بھی ہمیشہ ایسا ہی ہوگا۔۔۔ ایوب سختیانی نے کہا۔۔۔ اور سچ کہا:

”امام ابو حنیفہ کے بعض ہم عصر مجتہدین نے ان کی مخالفت کی اور جس جس نے بھی ایسا کیا خدا نے اس مجتہد کا مذہب مٹا دیا اور اس کی شناخت بھی گم کر دی جبکہ امام ابو حنیفہ کا مذہب شرقاً و غرباً ہمیشہ پھلتا رہا۔“

واقعی دنیا نے دیکھا ہے کہ جو کوئی ابو حنیفہ کی مخالفت کرے، رسوائی اس کا مقدر ٹھہرتی ہے۔۔۔ اور کیوں نہ ہو کہ۔۔۔ ابو حنیفہ سے عناد رکھنے والے لوگ دراصل لاکھوں محدثین، مفسرین، علماء، فقہاء اور اولیاء کی نفرتیں سمیٹتے ہیں۔۔۔ اور یوں خدا تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضگی کا مورد ٹھہرتے ہیں۔۔۔ میرا احساس یہ ہے کہ جو کوئی

امام ابوحنیفہ سے عناد رکھتا ہے، خدا تعالیٰ اس سے تفقہ بھی چھین لیتا ہے اور تدین بھی..... پھر اس کے دامن میں بس انگارے ہی انگارے رہ جاتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ ایک شخصیت نہیں، تحریک کا نام ہے..... وہ تو علم کا بہتا دریا ہے..... سب زمانوں اور کل زمینوں کو سیراب کرنے والا..... ہم سب جادۂ شریعت کے راہرو ہیں، وہ امام..... وہ بھی اسے امام مانتے ہیں جو خود دوسروں کے امام ہیں..... وہ تفقہ میں خود کو اس کی عیال کہتے اور اس پر فخر کرتے ہیں..... وہ سچ سچ امام اعظم ہے..... آنے والے، جانے والے سب زمانوں کے لیے..... اس کا تفقہ فیضانِ نبوت ہے..... وہ علم شریعت کا سب سے بڑا مینار ہے..... اس نے دنیا کو ”مدون فقہی نظام“ بھی دیا..... اور اندازِ تفقہ بھی سکھایا..... اس نے تدوین شریعت کا کام بھی کیا..... اور تشریحی فکر کا سانچہ بھی دیا..... جی ہاں!..... یہ امام ابوحنیفہ ہی نے دنیا کو دکھایا کہ..... اسلام کی مجموعی تشریحی فکر کیا ہے..... اس تشریحی فکر کی نوعیت اور مزاج، وسعت اور پھیلاؤ، گہرائی اور گیرائی دنیا پر امام اعظم ہی نے آشکار کی..... ان سے پہلے یہ تشریحی فکر ایک پوشیدہ خزانہ تھا..... دنیا کو اس کے منابع کا علم تو تھا..... مگر اس کا سراغ لگانے کے لیے قدرت نے امام ابوحنیفہ کا انتخاب کیا..... وہ خاص مزاج جو قرآن و سنت کے مجموعی تشریحی فکر کو سمجھ سکے، ابوحنیفہ کی فکر میں پوری طرح ودیعت ہے..... مجھے تو کچھ یوں لگتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مزاج ہی قدرت نے اسلام کی مجموعی تشریحی فکر کے خمیر میں گوندھا ہے..... میں نے ان کے اسلوبِ تفقہ کو جاننا چاہا..... تو جوں جوں اس کی مختلف پرتیں کھلتیں رہیں..... تو توں اسلام کی ہمہ گیر تشریحی روح (legislative spirit) کی نت نئی ابعاد جگمگاتی چلی گئیں..... میں ان کے طرزِ اجتہاد کو سمجھنے چلا..... تو اپنی گہرائی اور گیرائی، عمق اور پہنائی کے لحاظ سے یہ ایک سمندر لگا..... پھر میں کیا اور میری بساط کیا کہ دنیائے اسلام کے اس سب سے بڑے امام کے بحرِ تفقہ میں اترتا..... بس ساحل

ہی سے نظارے بھرتا رہا..... پر دیکھا کہ ساحل سے ٹکراتی ہر موج تفقہ قطرہ قطرہ گہر ہے..... اور ہر گہر میں اسلام کی ابدی تشریحی فکر کے انمول جلوے درخشاں ہیں..... مجھے کہنے دو..... اور میں سچ کہتا ہوں کہ..... ”ابوحنیفہ اسلام کے مجموعی تشریحی فکر کی ایک تجسیم (Personification) ہے“..... اور یہی تو سید ہجویر کا روحانی مکاشفہ ہمیں کھول کھول کر بتا رہا ہے..... امام ابوحنیفہ کے مدارک اجتہاد براہ راست شعورِ نبوت سے فیضیاب ہیں..... اور نبوی منہاج تشریع کے دھارے ان کی کشتِ فقہ کو سیراب کر رہے ہیں..... پھر کیوں نہ رحمتِ مصطفیٰ ﷺ کی پرچھائیاں ان کے فقہی سانچے میں جلوہ بار ہوں..... ذرا دیکھئے تو سہی ایک جھلک امام اعظم کے مزاجِ تفقہ کی..... چونکہ تشریع کا منبع وحی ہے اور وحی کا خزانہ قرآن و سنت..... لہذا امام ابوحنیفہ کی تمام فقہی واجتہادی سرگرمیاں ہمیں قرآن و سنت ہی کا طواف کرتی نظر آتی ہیں..... وہ اپنے تفقہ کا آغاز بھی انہی دو سے کرتے ہیں اور انتہاء بھی انہی دونوں پر..... خود امام اعظم کے اپنے الفاظ سنئے جو عبداللہ بن مبارک نے ان سے نقل کیے ہیں۔ فرمایا:

”کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے ہوتے ہوئے کسی کو بولنے کا حق نہیں ہے۔“

کچھ بد بخت ایسے بھی گزرے ہیں جو امام ابوحنیفہ پر قلتِ حدیث کا اتہام باندھتے رہے..... جبکہ حقیقت اس کے برعکس یہ ہے کہ..... امام اعظم کے شعور کی ہر رو اور دل کی ہر دھڑکن حدیثِ رسول ﷺ میں بسی ہے..... جو فقیہ، اپنے علم، ایمان اور تفقہ کا حرفِ آخر یہ ٹھہرائے کہ:

اذا صح الحديث فهو مذهبي۔

یعنی میرا مذہب تو بس حدیثِ صحیح ہے، اسکے علاوہ کچھ نہیں۔

اسے اہل الرائے کا لقب دینا سوائے بہتان کے اور کیا ہے..... امام ابوحنیفہ کی بے مثال عبقریت اور لازوال فقہی خدمات کو دنیا تیرہ صدیوں سے پیہم خراج تحسین پیش

کرتی آرہی ہے..... اور جب تک سورج کی تابندہ کرنیں اس دھرتی پر مختلف انواع کے رنگ بکھیرتی رہیں گی..... تب تک امام اعظم کا نام مطلع حیات کے ہر افق پر جگمگاتا رہے گا۔

دنیاۓ فقاہت میں تیرا نام رہے گا نعمان! تیرے نام سے اسلام رہے گا
پیش نظر کتاب پیر طریقت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری زید مجدہ کی انمول کاوش ہے
..... شاہ صاحب کا شمار اہلسنت کی برگزیدہ ہستیوں میں ہوتا ہے..... آپ کی شخصیت
علم، عمل اور روحانیت کا مرقع ہے..... دینی دعوت، سماجی خدمت اور سیاسی عزیمت
کے ہر محاذ پر سرگرم عمل..... خطابت، مناظرہ، تدریس اور تصنیف کے ہر شعبے میں بیک
وقت فعال اور کامیاب..... کئی بلند پایہ تصانیف منظر عام پر آ چکی ہیں..... زیر نظر
کتاب ”سیدنا امام اعظم“ امام اعظم ابو حنیفہ کی بارگاہ عالی میں حضرت شاہ صاحب کی
طرف سے ارمغان محبت ہے..... دنیا کو آج امام اعظم کی بے مثال فقہی بصیرت سے
روشناس کرنا وقت کی اشد ضرورت ہے..... اور حضرت شاہ صاحب نے امام اعظم کی
سوانح پر قلم اٹھا کر وقت کی اس پکار پر لبیک کہا ہے..... مجھے مسودہ کے چند صفحات
دیکھنے کا موقع ملا..... اور میرا احساس یہ ہے کہ شاہ صاحب زید مجدہ نے موضوع کا حق ادا
کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

بارگاہ رب العزت میں التجا ہے کہ علامہ سید شاہ تراب الحق قادری زید مجدہ کی اس کاوش
کو شرف پذیرائی بخشے..... اور ان کی معیت میں مجھ ایسے فقیر بندہ پر تقصیر کو بھی امام اعظم
ابو حنیفہ کے مغرور باریابی نصیب ہو..... آمین۔

گدائے در حبیب ﷺ، سید عبدالرحمن بخاری

جمعرات ۱۳ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ بمطابق ۱۵ مئی ۲۰۰۳ء

بسم الله الرحمن الرحيم والصلاة والسلام على رسولہ الكريم

باب اول (1)

نام و نسب:

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی ”نعمان“ اور کنیت ”ابو حنیفہ“ ہے۔ علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ آپ کے نام کے متعلق یہ لطیف نکتہ لکھتے ہیں، نعمان کے معنی لغت میں اس خون کے ہیں جس پر بدن کا سارا ڈھانچہ قائم ہوتا ہے اور اسکے ذریعہ جسم کے تمام اعضاء کام کرتے ہیں۔ بعض علماء نے کہا کہ اسکے معنی روح کے ہیں تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ امام اعظم کی ذات گرامی دستور اسلام کے لیے بنیاد و محور اور فقہی مسائل و تعلیمات کے لیے روح کی طرح ہے۔ (الخیرات الحسان: ۷۰)

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے والد گرامی کا نام ”ثابت“ ہے۔ آپ کے پوتے حضرت اسماعیل بن حماد رحمہما اللہ فرماتے ہیں،

میں اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں۔ ہم لوگ فارسی النسل ہیں اور خدا کی قسم! ہم کبھی کسی کی غلامی میں نہیں رہے۔ ہمارے دادا امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ انکے دادا اپنے نو مولود بیٹے ثابت کو لیکر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے انکے لیے اور انکی اولاد کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔ اور ہم اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعا ہمارے حق میں ضرور قبول فرمائی ہے۔ (تبہیض الصحیفہ: ۵)

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعاؤں کا ثمر ہے کہ حضرت ثابت رحمہ اللہ کے گھر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ امام اعظم کے دادا نعمان بن مرزبان کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے گہرے تعلقات تھے۔ آپ نے نوروز

کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فالودہ کا تحفہ بھیجا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہمارے لیے ہر دن نور روز ہے۔ (ایضاً)

ان روایات میں حضرت اسماعیل رحمہ اللہ نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے دادا کا نام نعمان بن مرزبان بتایا ہے جبکہ بعض روایات میں انکا نام زوطی بن ماہ بیان ہوا ہے۔ اس اختلاف کی توجیہ علماء نے یہ کی ہے کہ ایک راوی نے اس کے نام لکھے ہوئے اور دوسرے نے القاب بیان کیے ہوئے۔ بعض کے بقول جب زوطی ایمان لائے تو انکا نام نعمان سے بدل دیا گیا اس لیے اسماعیل رحمہ اللہ نے سلسلہ نسب کے بیان میں زوطی کا اسلامی نام نعمان لیا اور اسلامی حیثیت کا یہی تقاضا تھا۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ۵۴)

امام اعظم کی کنیت:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تمام تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کی کنیت ابوحنیفہ تھی۔ اکثر تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے صرف ایک بیٹے حماد تھے۔ ان کے علاوہ آپ کی کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ آپ کی کنیت ”ابوحنیفہ“ کی مندرجہ ذیل توجیہات بیان کرتے ہیں:-

☆..... ”حنیفہ“ حنیف کا تانیث ہے جس کے معنی ہیں، عبادت کرنے والا اور دین کی طرف راغب ہونے والا۔

☆..... آپ کا حلقہ درس وسیع تھا اور آپ کے شاگرد اپنے ساتھ قلم دوات رکھا کرتے تھے۔ چونکہ اہل عراق دوات کو حنیفہ کہتے ہیں اس لیے آپ کو ابوحنیفہ کہا گیا یعنی دوات والے۔

☆..... آپ کی کنیت وضعی معنی کے اعتبار سے ہے یعنی ابوالملة الحنیفہ۔ قرآن مجید میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا ہے،

فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا۔ (ال عمران: ۹۵) امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اسی نسبت

سے اپنی کنیت ابوحنیفہ اختیار کی۔ اسکا مفہوم ہے، ”باطل ادیان کو چھوڑ کر دین حق اختیار کرنے والا“۔ (الخیرات الحسان: ۷۱)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ذکر اسی کنیت کے ساتھ ”توریت“ میں آیا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ذکر توراۃ میں ہے۔ حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو توراۃ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی اس میں ہمیں یہ بات ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ”محمد رسول اللہ ﷺ کی امت میں ایک نور ہوگا جس کی کنیت ابوحنیفہ ہوگی“۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے لقب سرانج الامۃ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ (تعارف فقہ و تصوف: ۲۲۵)

بشارات نبوی ﷺ:

علامہ موفق بن احمد کی رحمہ اللہ (م ۵۷۸ھ) روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا،

”میری امت میں ایک مرد پیدا ہوگا جس کا نام ابوحنیفہ ہوگا، وہ قیامت میں میری امت کا چراغ ہے“۔ (مناقب للموفق: ۵۰)

آپ نے یہ روایت بھی تحریر کی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! حضرت لقمان کے پاس حکمت کا اتنا بڑا ذخیرہ تھا کہ اگر وہ اپنے خرمین حکمت سے ایک دانہ بیان فرماتے تو ساری دنیا کی حکمتیں آپ کے سامنے دست بستہ کھڑی ہوتیں۔ یہ سن کر حضور ﷺ کو خیال آیا کہ کاش میری امت میں کوئی شخص ایسا ہوتا جو حضرت لقمان کی حکمت کا سرمایہ ہوتا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام دوبارہ حاضر ہوئے اور عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! آپ کی امت میں ایک ایسا مرد ہوگا جو حکمت کے خزانے سے ہزاروں حکمتیں بیان کرے گا اور آپ کی

امت کو آپ کے احکام سے آگاہ کرے گا۔ حضور ﷺ نے یہ سن کر حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلایا اور ان کے منہ میں اپنا لعاب دہن عنایت فرمایا اور وصیت کی کہ ابوحنیفہ کے منہ میں یہ امانت ڈالنا۔ حضور ﷺ کی یہ امانت یعنی لعاب دہن امام اعظم کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وساطت سے ملی۔ (ایضاً: ۵۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا، میری امت میں ایسا شخص پیدا ہوگا جسے نعمان کہا جائے گا اور اسکی کنیت ابوحنیفہ ہوگی، وہ اللہ تعالیٰ کے دین اور میری سنت کو زندہ کرے گا۔ (ایضاً: ۵۱)

اس طرح کی اور بھی روایات ہیں جن میں نبی کریم ﷺ نے آپ کا نام لے کر آپ کی فضیلت بیان کی ہے لیکن ان احادیث پر بعض لوگوں نے جرح کی ہے البتہ نبی کریم ﷺ کی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ایک بشارت ایسی ہے کہ جس پر محدثین کرام متفق ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

”نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث میں امام مالک رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بشارت دی، ”ایک زمانہ آئے گا کہ لوگ اونٹوں پر سوار ہو کر علم کی تلاش میں نکلیں گے مگر مدینہ منورہ کے ایک عالم سے بڑھ کر کسی کو نہ پائیں گے۔“

اور ایک حدیث میں امام شافعی رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بشارت دی کہ ”قریش کو برا نہ کہو کیونکہ ان میں کا ایک عالم زمین کو علم سے بھر دے گا۔“

”آپ میں کہتا ہوں کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے لیے اس حدیث میں بشارت دی ہے جسے حافظ ابو نعیم نے الحلیہ میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا، ”اگر علم ثریا کے پاس ہو تو فارس کے جوانمردوں میں سے ایک مرد ضرور اس تک پہنچ جائے گا۔“

اور شیرازی نے ”اللقاب“ میں قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ

رسول معظم ﷺ نے فرمایا، ”اگر علم ثریا یعنی آسمان کے پاس ہو تو بھی مردانِ فارس سے کچھ لوگ ضرور اسے حاصل کر لیں گے۔“ یہ حدیث امام طبرانی نے بھی معجم کبیر میں روایت کی ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس کے الفاظ صحیح بخاری و مسلم میں یہ ہیں، لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَتَنَاولَهُ رِجَالٌ مِّنْ فَارِسٍ۔ ”اگر ایمان ثریا کے پاس ہو تو فارس کے کچھ لوگ اسکو ضرور حاصل کر لیں گے۔“

اور صحیح مسلم کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں،

لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَذَهَبَ بِهِ رَجُلٌ مِّنْ أَبْنَاءِ فَارِسٍ حَتَّى يَتَنَاولَهُ۔ ”اگر ایمان ثریا کے پاس ہو تو مردانِ فارس میں سے ایک شخص اس تک پہنچ جائے گا اور اس کو حاصل کر لے گا۔“

نیز معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آقا و مولیٰ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا، ”اگر دین آسمان کے پاس ہو تو یقیناً فارس کے کچھ لوگ اسے ضرور حاصل کر لیں گے۔“

ان روایات کے بعد امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”یہ ایک صحیح اصل ہے جس سے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی شان اور فضیلت ثابت ہو رہی ہے اور یہ امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی حدیثوں کی مانند اور مثل ہے۔ اور یہ صحیح اصل، ہمیں موضوع خبروں سے بے نیاز کر دیتی ہے۔“ (تبیض الصحیفہ: ۷)

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آقا و مولیٰ ﷺ نے سورۃ جمعہ کی آیت وَاٰخِرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ تِلَاوَتِ فرمائی تو کسی نے دریافت کیا، آقا! یہ دوسرے لوگ کون ہیں جو ابھی تک ہم سے نہیں ملے؟ آپ جواب میں خاموش رہے۔ جب بار بار سوال کیا گیا تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ

عز کے کندھے پر اپنا مبارک ہاتھ رکھ کر فرمایا،

لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ عِنْدَ الثَّرِيَّا لَنَالَهُ رِجَالٌ "أَوْ رَجُلٌ" مِنْ هَؤُلَاءِ۔

”اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا تو اس کی قوم کے لوگ اس کو ضرور حاصل کر لیں گے۔“ (صحیح بخاری کتاب التفسیر باب الجمعة)

امام سیوطی اور دیگر ائمہ محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے بخاری و مسلم کی ان احادیث سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہی کو مراد لیا ہے کیونکہ فارس کے علاقوں سے کوئی ایک شخص بھی امام اعظم جیسے علم و فضل کا حامل نہ ہوا اور نہ ہی کسی کو آپ جیسا بلند مقام نصیب ہوا۔

یہ بات بھی توجہ کے لائق ہے کہ امام جلال الدین سیوطی، امام اعظم ابوحنیفہ کے مقلد نہیں بلکہ امام شافعی کے مقلد ہیں نیز حافظ ابن حجر عسقلانی بھی حنفی نہیں بلکہ امام شافعی کے مقلد ہیں اور ان دونوں بزرگوں نے امام اعظم کی فضیلت پر بالترتیب ”تمییز الصحیفہ“ اور ”الخیرات الحسان“ تحریر کیں اور بخاری و مسلم کی مذکورہ حدیث کا مصداق امام ابوحنیفہ ہی کو قرار دیا۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں، ”امام ابوحنیفہ کی شان میں آقا و مولیٰ ﷺ کے اس ارشاد سے بھی استدلال ہو سکتا ہے کہ:

انہ قال ترفع زينة الدنيا سنة خمسين ومائة۔ ”دنیا کی زینت ایک سو پچاس سن ہجری میں اٹھالی جائے گی۔“ اس حدیث کی شرح میں شمس الائمہ امام کروری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حدیث امام ابوحنیفہ پر صادق آتی ہے کیونکہ آپ ہی کا انتقال اس سن میں ہوا۔“ (الخیرات الحسان: ۵۳)

علماء کرام نے اس حدیث کا مصداق سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کو اس لیے قرار دیا کیونکہ اُس سال دنیا کے سب سے بڑے اور معروف جس عالم دین کا وصال ہوا، وہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہی تھے۔

آپ کا سن ولادت:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے سن ولادت میں اختلاف ہے۔ ایک روایت کے مطابق آپ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ علامہ شاہ ابوالحسن زید فاروقی رحمہ اللہ کے بقول امام اعظم کا یہ سن ولادت ”اہل حدیث“ نے مشہور کیا ہے۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ۶۳)

خطیب بغدادی روایت کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی ولادت ۶۱ھ میں اور وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳: ۳۳۰)

اس پر علماء ازہر نے درج ذیل حاشیہ لکھا ہے۔ ”قدیم علماء کرام کی وہ جماعت، جس نے امام ابوحنیفہ کی ان روایات کی تدوین کی ہے جو آپ نے صحابہ کرام سے کی ہیں، اس نے اس قول کی طرف میلان کیا ہے جیسے ابو معشر طبری شافعی وغیرہ۔“

”حضرت امام اعظم ۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔ سن ولادت میں اختلاف ہے۔ علامہ کوثری مصری رحمہ اللہ نے ۷۰ھ کو دلائل وقرائن سے ترجیح دی ہے۔ آپ ۸۷ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کو گئے۔ وہاں صحابی رسول حضرت عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کی زیارت کی اور ان سے حدیث سنی۔ ۹۶ھ میں پھر حج کو گئے اور جو صحابہ زندہ تھے ان سے ملے۔“ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ۶۳ بحوالہ مقدمہ انوار الباری)

علامہ قاضی ابو عبداللہ حسین بن علی صمیری اور امام ابن عبدالبر متصل سند سے قاضی القضاة امام ابو یوسف رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے سنا کہ میں ۹۳ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کو گیا۔ اس وقت میری عمر سولہ سال تھی۔ وہاں میں نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جن کے گرد لوگوں کا ہجوم تھا۔ میرے والد نے بتایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی عبداللہ بن حارث بن جزء رضی اللہ عنہ ہیں اور لوگ انکے گرد اس لیے جمع ہیں تاکہ ان سے رسول کریم ﷺ کی حدیثیں سنیں۔ میں نے عرض کی، آپ مجھے بھی انکے پاس لے جائیں تاکہ میں بھی حدیث شریف سن لوں۔ چنانچہ وہ مجمع کو

چیرتے ہوئے مجھے لیکر آگے بڑھے یہاں تک کہ میں انکے قریب پہنچ گیا اور میں نے انہیں یہ فرماتے سنا۔ ”میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے دین کی سمجھ حاصل کر لی، اسکی فکروں کا علاج اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور اسے اس طرح روزی دیتا ہے کہ اس کے گمان میں بھی نہیں ہوتا۔“

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی اس روایت سے ظاہر ہے کہ امام اعظم کی ولادت ۷۷ھ کی ہے۔ اسکے متعلق علامہ ابوالحسن زید فاروقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”عاجز کے نزدیک یہ روایت دوسری روایتوں سے ارجح اور قابل اعتماد ہے اور حضرت امام عالی مقام کا سال ولادت ۷۷ھ ہے۔“ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ۶۲ بحوالہ اخبار ابی حنیفہ و جامع بیان العلم)

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمہ اللہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے سن ولادت کے متعلق فرماتے ہیں،

”زیادہ تر لوگ ۸۰ھ کو ترجیح دیتے ہیں لیکن بہت سے محققین نے ۷۷ھ کو ترجیح دی ہے۔ اس خادم کے نزدیک بھی یہی صحیح ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ولادت ۷۷ھ میں ہوئی۔“ (مقدمہ نزہۃ القاری شرح بخاری: ۱۶۹)

امام اعظم تابعی ہیں:

علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں، ”علامہ ذہبی سے منقول صحیح روایت سے ثابت ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے بچپن میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا دیدار کیا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ امام اعظم نے فرمایا، ”میں نے کئی مرتبہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی زیارت کی، وہ سرخ خضاب لگاتے تھے۔“ اکثر محدثین کا اتفاق ہے کہ تابعی وہ ہے جس نے کسی صحابی کا دیدار کیا ہو۔“ (الخیرات الحسان: ۷۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا وصال ۹۵ھ میں اور ایک قول کے مطابق ۹۳ھ میں ہوا۔

(تہذیب التہذیب ج ۱: ۳۷۸)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تابعی ہونے کے متعلق جب شیخ الاسلام حافظ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے یہ جواب دیا:

”امام ابو حنیفہ نے صحابہ کرام کی ایک مبارک جماعت کو پایا ہے۔ آپ کی ولادت (ایک روایت کے مطابق) ۸۰ھ میں کوفہ میں ہوئی۔ وہاں اس وقت صحابہ کرام میں سے سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی موجود تھے۔ انکا وصال ۸۸ھ میں یا اسکے بعد ہوا۔ اسی زمانہ میں بصرہ میں سیدنا انس بن مالک تھے۔ انکا انتقال ۹۰ھ میں یا اسکے بعد ہوا۔ ابن سعد نے مضبوط سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت انس کو دیکھا ہے۔ ان دونوں صحابیوں کے علاوہ بھی بکثرت صحابہ مختلف شہروں میں انکے بعد زندہ موجود تھے۔ رضی اللہ عنہم

بلاشبہ بعض علماء نے امام اعظم کی صحابہ کرام سے مرویات کے بارے میں رسالے تصنیف کیے ہیں لیکن انکی اسناد وہاں ضعف سے خالی نہیں۔ میرے نزدیک مستند بات یہ ہے کہ امام اعظم نے بعض صحابہ کرام کو دیکھا اور ان سے ملاقات کی جیسا کہ مذکور ہوا، یہ بات ابن سعد نے بھی کہی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام اعظم تابعین کے طبقہ میں سے ہیں اور یہ بات بلا واسطہ میں انکے ہم عصر کسی امام کے لیے ثابت نہیں خواہ شام میں امام اوزاعی ہوں یا بصرہ میں حماد ہوں یا کوفہ میں امام ثوری ہوں یا مدینہ میں امام مالک ہوں یا مصر میں لیث بن سعد ہوں۔ (تمییز الصنف: ۹)

علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابو معشر طبری شافعی رحمہ اللہ نے ایک رسالہ میں صحابہ کرام سے امام اعظم کی مروی احادیث بیان کی ہیں اور فرمایا ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے رسول کریم ﷺ کے ان سات صحابہ کرام سے ملاقات کی ہے۔

(۱) سیدنا انس بن مالک (۲) سیدنا عبداللہ بن حارث بن جزء (۳) سیدنا جابر بن

عبداللہ (۴) سیدنا معقل بن یسار (۵) سیدنا وائلہ بن الاسقع (۶) سیدنا عبداللہ بن انیس (۷) سیدتنا عائشہ بنت عجر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

امام اعظم نے سیدنا انس سے تین حدیثیں، سیدنا وائلہ سے دو حدیثیں جبکہ سیدنا جابر، سیدنا عبداللہ بن انیس، سیدتنا عائشہ بنت عجر اور سیدنا عبداللہ بن جزء سے ایک ایک حدیث روایت فرمائی ہے۔ آپ نے سیدنا عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے بھی ایک حدیث روایت فرمائی ہے اور یہ تمام احادیث ان طریقوں کے سوا بھی وارد ہوئی ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین (تمییز الصحیفہ: ۷)

سات صحابہ کرام سے احادیث روایت کرنے کا ذکر خود امام اعظم نے بھی کیا ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے، ”میں رسول کریم ﷺ کے سات صحابہ سے ملا ہوں اور میں نے ان سے احادیث سنی ہیں۔“ (مناقب للموفق: ۶۰)

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کو سات صحابہ کرام سے براہ راست احادیث سننے کا شرف حاصل ہے۔

درمختار میں ہے کہ امام اعظم نے بیس (۲۰) صحابہ کرام کا دیدار کیا ہے۔ خلاصہ اکمال فی اسماء الرجال میں ہے کہ آپ نے چھبیس (۲۶) صحابہ کرام کو دیکھا ہے۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ۶۲ از شاہ ابوالحسن زید فاروقی)

اگر امام اعظم رضی اللہ عنہ کا سن ولادت ۸۰ھ مان لیا جائے تو اس وقت مندرجہ ذیل صحابہ کرام مختلف شہروں میں موجود تھے۔

۱..... حضرت عبدالرحمن بن عبدالقاری رضی اللہ عنہ متوفی ۸۱ھ۔

۲..... حضرت طارق بن شہاب کوئی رضی اللہ عنہ متوفی ۸۲ھ۔

۳..... حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ متوفی ۸۳ھ۔

۴..... حضرت وائلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ متوفی ۸۳ھ یا ۸۵ھ یا ۸۶ھ۔

- ۵ ... حضرت عبداللہ بن جزاء رضی اللہ عنہ متوفی ۸۵ھ۔
- ۶ ... حضرت عمرو بن حریت رضی اللہ عنہ متوفی ۸۵ھ۔
- ۷ ... حضرت ابوامامہ بابلی رضی اللہ عنہ متوفی ۸۶ھ۔
- ۸ ... حضرت قبصہ بن ذویب رضی اللہ عنہ متوفی ۸۶ھ۔
- ۹ ... حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ متوفی ۸۷ھ یا ۸۸ھ۔
- ۱۰ ... حضرت عتبہ بن عبدالمسلمی رضی اللہ عنہ متوفی ۸۷ھ۔
- ۱۱ ... حضرت مقدم بن معدیکرب رضی اللہ عنہ متوفی ۸۷ھ۔
- ۱۲ ... حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ متوفی ۸۸ھ یا ۹۱ھ۔
- ۱۳ ... حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ متوفی ۸۸ھ یا ۹۶ھ۔
- ۱۴ ... حضرت عبداللہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ متوفی ۸۹ھ۔
- ۱۵ ... حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ متوفی ۹۱ھ۔
- ۱۶ ... حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ متوفی ۹۱ھ یا ۹۲ھ یا ۹۴ھ۔
- ۱۷ ... حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ متوفی ۹۱ھ یا ۹۹ھ۔
- ۱۸ ... حضرت مالک بن اوس رضی اللہ عنہ متوفی ۹۲ھ۔
- ۱۹ ... حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ متوفی ۹۲ھ یا ۹۳ھ یا ۹۵ھ۔
- ۲۰ ... حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ متوفی ۹۳ھ۔
- ۲۱ ... حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ متوفی ۹۶ھ۔
- ۲۲ ... حضرت ابوامامہ انصاری رضی اللہ عنہ متوفی ۱۰۰ھ۔
- ۲۳ ... حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ متوفی ۱۰۲ھ یا ۱۱۰ھ۔
- ۲۴ ... حضرت ابوالبداح رضی اللہ عنہ متوفی ۱۱۷ھ۔
- اب اگر امام سیوطی رحمہ اللہ کی تحریر کردہ فہرست سے بقیہ نام (حضرت جابر بن عبداللہ،

حضرت معقل بن یسار، حضرت عبداللہ بن انیس، حضرت عائشہ بنت عجر رضی اللہ عنہم) بھی اس فہرست میں شامل کر لیے جائیں تو صحابہ کرام کی یہ تعداد 28 تک پہنچ جاتی ہے۔ چونکہ محققین علماء کے نزدیک امام اعظم کی ولادت ۷۰ھ میں ہوئی ہے اس لیے انہیں مزید ان 16 صحابہ کرام کا زمانہ بھی نصیب ہوا۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ متوفی ۷۳ھ..... ۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۷۳ھ..... ۳۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ متوفی ۷۳ھ..... ۴۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ متوفی ۷۳ھ..... ۵۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴ھ..... ۶۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴ھ..... ۷۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴ھ یا ۷۹ھ..... ۸۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ متوفی ۷۵ھ..... ۹۔ حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ متوفی ۷۵ھ..... ۱۰۔ حضرت سائب بن خباب رضی اللہ عنہ متوفی ۷۷ھ..... ۱۱۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ متوفی ۸۰ھ..... ۱۲۔ حضرت عبداللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ متوفی ۸۰ھ..... ۱۳۔ حضرت محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴ھ..... ۱۴۔ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴ھ..... ۱۵۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴ھ..... ۱۶۔ زید بن خالد رضی اللہ عنہ متوفی ۷۸ھ۔

آخر الذکر چار صحابہ کرام کا ہصال کوفہ میں ہوا ہے اس لیے سن پیدائش ۷۰ھ ہونے کی صورت میں سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے یقینی طور پر ان صحابہ کرام کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہوگا۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی عمر میں پچپن (۵۵) حج کیے ہیں۔ حضور ﷺ کے مشہور صحابی حضرت ابوالطفیل عامر بن وائل رضی اللہ عنہ جن کا وصال ۱۰۲ھ میں یا دوسری روایت کے مطابق ۱۱۰ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوا جبکہ امام اعظم نے پہلا حج امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی مشہور روایت کے مطابق سولہ سال کی عمر میں ۹۳ھ

میں اور علامہ کوثری مصری رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق ۸۷ھ میں کیا۔
 اگر ہم آپ کا سن ولادت ۷۷ھ لیں تو امام اعظم نے حضرت عامر بن وائلہ رضی اللہ عنہ
 کی حیات میں دس حج کیے اور دوسری روایت کے مطابق (اگر ان کا سن وصال ۱۱۰ھ
 مانیں تو) اٹھارہ حج کیے۔

اگر ہم صرف ان صحابی کی مثال لیں کہ جن کی زیارت و ملاقات سے تابعی ہونے کا
 شرف مل رہا ہو اور اس سعادت کا حصول مشکل بھی نہ ہو تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ امام
 اعظم دس یا اٹھارہ بار کوفہ سے حج کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لائے ہوں اور ایک مرتبہ بھی
 حضرت عامر بن وائلہ رضی اللہ عنہ کی زیارت کی سعادت حاصل نہ کی ہو جبکہ اُس زمانے
 میں صحابی کی زیارت کے لیے لوگ دوسرے شہروں کا سفر کیا کرتے تھے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی ثابت ہو چکی کہ ۷۷ھ کی پیدائش کے لحاظ سے آپ کی عمر کے
 آٹھویں سال تک (جبکہ ۷۰ھ کی پیدائش کے لحاظ سے آپ کی عمر کے پندرہویں سال
 تک) حضرت عمرو بن حرث رضی اللہ عنہ (متوفی ۸۵ھ) اور آپ کی عمر کے دسویں سال
 تک (جبکہ ۷۰ھ کی پیدائش کے لحاظ سے سترہویں سال تک) حضرت عبداللہ بن ابی
 اوفی رضی اللہ عنہ (متوفی ۸۷ھ) آپ ہی کے شہر کوفہ میں موجود تھے۔ چنانچہ اُس زمانے
 کے دستور کے مطابق لامحالہ آپ کے گھر والے آپ کو ان صحابہ کرام کی دعائے برکت
 کے حصول کے لیے انکی بارگاہ میں لے گئے ہونگے۔

آپ کے شرفِ تابعیت کے لیے اتنا ہی کافی ہے لیکن یہ حقیقت بھی ثابت شدہ ہے کہ
 آپ نے نہ صرف متعدد صحابہ کرام کی زیارت کی بلکہ ان سے احادیث بھی روایت
 کیں جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی شافعی، امام ابن حجر کی شافعی اور علامہ علاؤ الدین
 ہکفی رحمہم اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تابعی ہیں اور ان احادیثِ رسول ﷺ

کے مصداق ہیں۔

☆ ”میری امت میں سب سے بہتر میرے زمانے والے ہیں پھر وہ جوان کے بعد ہیں پھر وہ جوان کے بعد ہیں۔“ (بخاری، مسلم)

☆ ”اس مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا۔“ (ترمذی، مشکوٰۃ)

علم کی طرف رغبت:

امام اعظم رحمہ اللہ ابتدائی دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد تجارت کی طرف متوجہ ہو گئے۔ آپ فرماتے ہیں، میں ایک دن بازار جا رہا تھا کہ کوفہ کے مشہور امام شعی رحمہ اللہ سے ملاقات ہو گئی۔ انھوں نے مجھ سے کہا، بیٹا کیا کام کرتے ہو؟ میں نے عرض کی، بازار میں کاروبار کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا، تم علماء کی مجلس میں بیٹھا کرو، مجھے تمہاری پیشانی پر علم و فضل اور دانشمندی کے آثار نظر آرہے ہیں۔ ان کے اس ارشاد نے مجھے بہت متاثر کیا اور میں نے علم دین کے حصول کا راستہ اختیار کیا۔ (مناقب للموفق: ۸۴)

امام اعظم رحمہ اللہ نے علم کلام کا گہرا مطالعہ کر کے اس میں کمال حاصل کیا اور ایک عرصہ تک اس علم کے ذریعہ بحث و مناظرہ میں مشغول رہے۔ پھر انھیں الہام ہوا کہ صحابہ اور تابعین کرام ایسا نہ کرتے تھے حالانکہ وہ علم کلام کو زیادہ جاننے والے تھے۔ وہ شرعی اور فقہی مسائل کے حصول اور ان کی تعلیم میں مشغول رہتے تھے۔ چنانچہ آپ کی توجہ مناظروں سے ہٹنے لگی۔ آپ کے اس خیال کو مزید تقویت یوں ہوئی کہ آپ امام حماد رحمہ اللہ کے حلقہ درس کے قریب رہتے تھے کہ آپ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے پوچھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو سنت کے مطابق طلاق دینا چاہتا ہے وہ کیا طریقہ اختیار کرے؟ آپ نے اسے حضرت حماد رحمہ اللہ کی خدمت میں بھیج دیا اور فرمایا کہ وہ جو جواب دیں مجھے بتا کر جانا۔ امام حماد رحمہ اللہ نے فرمایا، وہ شخص عورت کو اس طہر میں

طلاق دے جس میں جماع نہ کیا ہو اور پھر اس سے علیحدہ رہے یہاں تک کہ تین حیض گزر جائیں۔ تیسرے حیض کے اختتام پر وہ عورت غسل کرے گی اور نکاح کے لئے آزاد ہوگی۔ یہ جواب سن کر امام اعظم رحمہ اللہ اسی وقت اٹھے اور امام حماد رحمہ اللہ کے حلقہ درس میں شریک ہو گئے۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں حضرت حماد رحمہ اللہ کی گفتگو اکثر یاد کر لیا کرتا اور مجھے ان کے اسباق مکمل طور پر حفظ ہو جاتے۔ آپ کے شاگرد جب کوئی مسئلہ بیان کرتے تو میں ان کی غلطیوں کی نشاندہی کرتا چنانچہ استاد گرامی حضرت حماد رحمہ اللہ نے میری ذہانت اور لگن کو دیکھ کر فرمایا، ”ابو حنیفہ میرے سامنے صفِ اول میں بیٹھا کرے۔ اس دریائے علم سے سیراب ہونے کا یہ سلسلہ دس سال تک جاری رہا۔“

(مناقب للموفق: ۸۸، الخیرات الحسان: ۸۷)

امام اعظم اپنے استاد کی نظر میں:

امام حماد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی عادت تھی کہ محفل میں آتے تو نہایت خاموش بیٹھتے، اپنے وقار اور آداب محفل کو ملحوظِ خاطر رکھتے۔ ہم ان کی نشست و برخاست کو بھی علمی تربیت کا حصہ تصور کرتے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ مشکل سوالات کرنے لگے۔ بعض اوقات مجھے ان کے حل کرنے میں دقت محسوس ہوتی اور مجھے خوف آتا کہ اگر ان کے استفسارات کا تسلی بخش جواب نہ ملا تو وہ مایوس نہ ہو جائیں۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ سارے کوفہ کے لوگوں میں ان کی شناخت ایک فقیہ کی حیثیت سے ہونے لگی۔

وہ بڑے ذہین اور جلدی سمجھنے والے طالب علم تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ عنقریب ایک وقت آنے والا ہے کہ عالم اسلام کے اہل علم و فضل ان کے دسترخوانِ علم سے استفادہ کرنے آنے لگیں گے اور مجھے محسوس ہوا کہ نعمان ایک ایسا آفتاب ہے جو بطنِ گیمتی کی

تاریکیوں کو چیرتا ہوا کائنات کو روشن کرے گا۔ (مناقب للموفق: ۸۷)

ایک حیران کن خواب:

آپ نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ آپ نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کھول کر آپ کے جسم اقدس کی ہڈیاں اپنے سینے سے لگا رہے ہیں۔ یہ خواب دیکھ کر آپ پر سخت گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ خوابوں کی تعبیر کے بہت بڑے عالم، جلیل القدر تابعی امام محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ سے اس خواب کی تعبیر پوچھی گئی تو انھوں نے فرمایا: ”اس خواب کا دیکھنے والا حضور ﷺ کی احادیث اور سنتوں کو دنیا میں پھیلانے کا اور ان سے ایسے مسائل بیان کرے گا جن کی طرف کسی کا ذہن منتقل نہیں ہوا۔“

اس اشارہ نبی سے امام اعظم رضی اللہ عنہ کو اطمینان اور خوشی حاصل ہوئی اور اس خواب کی تعبیر اس طرح عملی طور پر سامنے آئی کہ آپ نے سارے عالم اسلام کو احادیث نبوی کے معارف سے آگاہ فرمایا اور ایسے مسائل بیان کئے جن سے عقل حیران ہوئی۔ (الخیرات الحسان: ۹۳، مناقب للموفق: ۹۱)

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، شروع میں امام اعظم رضی اللہ عنہ نے گوشہ نشین ہونے کا ارادہ فرمالیا تھا کہ دوسری بار پھر امام اعظم رضی اللہ عنہ، آقا و مولیٰ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ نور مجسم ﷺ نے فرمایا،

”اے ابو حنیفہ! تیری زندگی احیائے سنت کے لیے ہے تو گوشہ نشینی کا ارادہ ترک کر دے۔“ آقا و مولیٰ ﷺ کا یہ فرمان عالیشان سن کر آپ نے گوشہ نشین ہونے کا ارادہ ترک فرمادیا۔ (کشف المحجوب: ۱۶۲)

تدریس کی ابتدا:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کو امام حماد رضی اللہ عنہ کے حلقہ درس میں ہمیشہ نمایاں مقام حاصل

رہا۔ کچھ عرصہ بعد آپ کو خیال آیا کہ اپنا حلقہ درس علیحدہ قائم کریں۔ جس دن آپ نے حلقہ قائم کرنے کا ارادہ کیا اسی رات کو آپ حضرت حماد رحمہ اللہ کے پاس بیٹھے تھے کہ اچانک ان کو اطلاع ملی کہ ان کے قریبی رشتہ دار کا انتقال ہو گیا ہے چنانچہ وہ سفر پر روانہ ہو گئے اور آپ کو اپنا خلیفہ بنا گئے۔

ان کی غیر موجودگی میں آپ نے ساٹھ ایسے مسائل پر فتوے دیے جن کے متعلق آپ نے استاد سے نہ سنا تھا۔ بعد میں آپ نے وہ جواب استاد کو دکھائے تو انہوں نے چالیس مسائل سے اتفاق کیا اور بیس مسائل میں اصلاح کی۔ اس وقت امام اعظم رحمہ اللہ نے قسم کھائی کہ جب تک زندگی ہے، امام حماد رحمہ اللہ کی مجلس کو نہیں چھوڑیں گے۔

(الخیرات الحسان: ۸۷)

جب آپ کے استاد امام حماد رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو لوگوں نے ان کے بیٹے سے استدعا کی کہ وہ اپنے والد کی مسند پر تشریف لائیں مگر وہ اس عظیم ذمہ داری کے لئے راضی نہ ہوئے۔ آخر کار امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گزارش کی گئی تو آپ نے فرمایا، میں نہیں چاہتا کہ علم مٹ جائے اور ہم دیکھتے رہ جائیں۔ چنانچہ آپ اپنے استاد مکرم کی مسند پر بیٹھے۔ اہل علم کا ایک بڑا حلقہ آپ کے گرد جمع ہونے لگا۔

آپ نے اپنے شاگردوں کے لئے علم و فضل کے دروازے کھول دیے، محبت و شفقت کے دامن پھیلا دیے، احسان و کرم کی مثالیں قائم کر دیں اور اپنے شاگردوں کو اس طرح زیورِ علم سے آراستہ کیا کہ یہ لوگ مستقبل میں آسمانِ علم و فضل کے آفتاب و مہتاب بن کر چمکتے رہیں۔ (مناقب للموفق: ۹۵)



باب دوم (2)

اخلاق و کردار:

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ میانہ قد، خوبصورت، خوش گفتار اور شیریں لہجے والے تھے۔ آپ کی گفتگو فصیح و بلیغ اور واضح ہوتی۔

ابو نعیم رحمہ اللہ کہتے ہیں، ”امام اعظم رحمہ اللہ کا چہرہ اچھا، کپڑے اچھے، خوشبو اچھی اور مجلس اچھی ہوتی۔ آپ بہت کرم کرنے والے اور رفیقوں کے بڑے غم خوار تھے۔“

عمر بن حماد رحمہ اللہ کہتے ہیں، ”آپ خوبصورت اور خوش لباس تھے، کثرت سے خوشبو استعمال کرتے تھے، جب سامنے سے آتے یا گھر سے نکلتے تو آپ کے پہنچنے سے پہلے آپ کی خوشبو پہنچ جاتی۔“ (خطیب بغدادی ج ۱۳: ۳۳۰)

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے سفیان ثوری رحمہ اللہ سے کہا، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ غیبت کرنے سے کوسوں دور تھے۔ میں نے کبھی نہیں سنا کہ انہوں نے اپنے کسی مخالف کی غیبت کی ہو۔ سفیان رحمہ اللہ نے فرمایا، اللہ کی قسم! وہ بہت عقلمند تھے، وہ اپنی نیکیوں پر کوئی ایسا عمل مسلط نہیں کرنا چاہتے تھے جو انکی نیکیوں کو ضائع کر دے۔

شریک رحمہ اللہ نے کہا، امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نہایت خاموش طبع، بہت عقلمند اور ذہین، لوگوں سے کم بحث کرنے والے اور کم بولنے والے تھے۔

ضمیرہ رحمہ اللہ کے بقول لوگوں کا اتفاق ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ درست زبان تھے، انہوں نے کبھی کسی کا ذکر برائی سے نہ کیا اور جب ان سے کہا گیا، لوگ آپ پر اعتراض کرتے ہیں اور آپ کسی پر اعتراض نہیں کرتے؟ تو آپ نے فرمایا، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جس کو چاہے عطا کرے۔

بکیر بن معروف رحمہ اللہ نے فرمایا، امت محمدیہ ﷺ میں کوئی شخص، میں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے بہتر نہیں دیکھا۔ (الخیرات الحسان: ۱۳۲)

ایک مرتبہ خلیفہ بارون الرشید نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے کہا، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے اخلاق بیان کرو۔ انہوں نے فرمایا،

”امام اعظم رضی اللہ عنہ حرام چیزوں سے خود بھی بچتے اور دوسروں کو بھی بچانے کی شدید کوشش کرتے۔ بغیر علم کے دین میں کوئی بات کہنے سے بہت ڈرتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں انتہائی مجاہدہ کرتے۔ وہ دنیا داروں سے دور رہتے اور کبھی کسی کی خوشامد نہ کرتے۔ وہ اکثر خاموش رہتے اور دینی مسائل میں غور و فکر کیا کرتے۔ علم و عمل میں بلند رتبہ ہونے کے باوجود عاجزی و انکساری کا پیکر تھے۔

جب ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو قرآن و سنت کی طرف رجوع کرتے اگر قرآن و سنت میں اس کی نظیر نہ ملتی تو حق طریقہ پر قیاس کرتے۔ اپنے نفس اور دین کی حفاظت کرتے اور راہِ خدا میں علم اور مال و دولت خوب خرچ کرتے۔ انکا نفس تمام لوگوں سے بے نیاز تھا، لالچ اور حرص کی طرف ان کا میلان نہ تھا۔ وہ غیبت کرنے سے بہت دور تھے، اگر کسی کا ذکر کرتے تو بھلائی سے کرتے۔“

یہ سن کر خلیفہ نے کہا، ”صالحین کے اخلاق ایسے ہی ہوتے ہیں۔“ پھر اس نے کاتب کو یہ اوصاف لکھنے کا حکم دیا اور اپنے بیٹے سے کہا، ان اوصاف کو یاد کر لو۔

(سوانح بے بہائے امام اعظم: ۷۶)

امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”مجھے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیس سال سے زائد مدت گزارنے کی سعادت ملی، میں نے آپ سے زیادہ لوگوں کا خیر خواہ، ہمدرد اور شفقت کرنے والا نہیں دیکھا۔ آپ اہل علم کو دل و جان سے چاہتے۔ آپ کے شب و روز اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے وقف تھے۔ سارا دن تعلیم و تدریس میں گزرتا۔ باہر سے آنے والے مسائل کا جواب لکھتے۔ بالمشافہ مسائل پوچھنے والوں کی راہنمائی فرماتے۔ مجلس میں بیٹھتے تو وہ درس و تدریس کی مجلس ہوتی اور باہر نکلتے تو مریضوں کی

عبادت، جنازوں میں شرکت، فقراء و مساکین کی خدمت، رشتہ داروں کی خبر گیری اور آنے والوں کی حاجت روائی میں مشغول ہو جاتے۔ رات عبادت میں گزارتے اور قرآن مجید کی بہترین انداز میں تلاوت کرتے۔ یہی معمولات زندگی بھر قائم رہے یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ (مناقب للموفق: ۲۰۰)

معانی بن عمران الموصلی رحمہ اللہ کہتے ہیں، ”امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ میں دس صفات ایسی تھیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی کسی میں موجود ہو تو وہ اپنی قوم کا سردار بن جاتا ہے۔ پرہیز گاری، سچائی، فقہی مہارت، عوام کی خاطر مدارات اور سخاوت، پر خلوص ہمدردی، لوگوں کو نفع پہنچانے میں سبقت، طویل خاموشی (فضول گفتگو سے پرہیز)، گفتگو میں حق بات کہنا اور مظلوم کی معاونت خواہ دشمن ہو یا دوست۔“ (ایضاً: ۲۲۴)

حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”میں بیس سال تک امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی خدمت میں رہا۔ اس مدت میں، میں نے انہیں خلوت اور جلوت میں ننگے سر اور پاؤں پھیلائے ہوئے نہیں دیکھا۔ ایک بار میں نے ان سے عرض کی۔ استاذ محترم! اگر آپ خلوت میں پاؤں دراز کر لیا کریں تو اس میں کیا مضائقہ ہے؟ فرمایا، خلوت میں ادب ملحوظ رکھنا جلوت کے بہ نسبت بہتر اور زیادہ اولیٰ ہے۔ (حدائق الحنفیہ: ۷۲)

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ علم و فضل کی دنیا میں فقہ پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ آپ اپنے احباب کے لئے بے پناہ فکر مند رہتے، علمی حاجات پوری کرنے میں بڑی توجہ اور قابلیت سے حصہ لیتے، جسے پڑھاتے اس کے دکھ درد میں شریک ہوتے۔ غریب و مساکین شاگردوں کا خاص خیال کرتے۔ آپ بعض اوقات لوگوں کو اتنا دیتے کہ وہ خوشحال ہو جاتے۔ آپ کے پاس عقل و بصیرت کے خزانے تھے، اس کے باوجود آپ مناظروں سے اجتناب فرماتے۔ آپ لوگوں سے بہت کم گفتگو فرماتے اور ان سے مسائل میں الجھتے نہیں تھے بلکہ خاموشی اختیار کرتے۔ (مناقب للموفق: ۲۷۶)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حسن اخلاق کے بارے میں بے شمار واقعات کتب کثیرہ میں موجود ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جس طرح علم و عمل میں بے مثل و بے مثال شان رکھتے ہیں اسی طرح حسن و اخلاق اور سیرت و کردار میں بھی انکا کوئی ثانی نہیں۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے تو گویا سمندر کو کوزے میں سمو کر رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا،

”اللہ تعالیٰ نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو علم و عمل، سخاوت و ایثار اور دیگر قرآنی اخلاق سے مزین کر دیا تھا۔“ (الخیرات الحسان: ۱۳۶)

امام اعظم بحیثیت تاجر:

ریشمی کپڑے کے تاجر کو عربی میں الخزاز کہتے ہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ ریشمی کپڑے کا تجارت کیا کرتے تھے۔ آپ کی تجارت بہت وسیع تھی۔ لاکھوں کالین دین تھا۔ اکثر شہروں میں کارندے مقرر تھے۔ بڑے بڑے سوداگروں سے معاملہ رہتا تھا۔ اتنے وسیع کاروبار کے باوجود دیانت اور احتیاط کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ ناجائز طور پر ایک آنہ بھی انکی آمدنی میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ چار صفات کی وجہ سے ایک کامل اور ماہر تاجر ہوئے۔

1۔ آپ کا نفس غنی تھا، لالچ کا اثر کسی وقت بھی آپ پر ظاہر نہ ہوا۔

2۔ آپ نہایت درجہ امانت دار تھے۔

3۔ آپ معاف اور درگزر کرنے والے تھے۔

4۔ آپ شریعت کے احکام پر سختی سے عمل پیرا تھے۔

ان اوصاف عالیہ کا اجتماعی طور پر جو اثر آپ کے تجارتی معاملات پر ہوا، اُسکی وجہ سے آپ تاجروں کے طبقہ میں انوکھے تاجر ہوئے اور بیشتر افراد نے آپکی تجارت کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تجارت سے تشبیہ دی ہے، گویا آپ حضرت ابو بکر

صدیق رضی اللہ عنہ کی تجارت کی ایک مثال پیش کر رہے ہیں اور آپ ان طریقوں پر چل رہے ہیں جن پر سلف صالحین کا عمل تھا۔ آپ مال خریدتے وقت بھی اسی طرح امانت داری کے طریقے پر عامل رہتے تھے جس طرح بیچنے کے وقت عامل رہا کرتے تھے۔

(سوانح بے بہائے امام اعظم: ۶۹)

ایک دن ایک عورت آپ کے پاس ریشمی کپڑے کا تھان بیچنے کے لیے لائی۔ آپ نے اس سے دام پوچھے، اس نے ایک سو بتائے۔ آپ نے فرمایا، یہ کم ہیں، کپڑا زیادہ قیمتی ہے۔ اس عورت نے دو سو بتائے۔ آپ نے پھر کہا، یہ دام کم ہیں۔ اس نے پھر سو اور بڑھائے حتیٰ کہ چار سو تک پہنچ گئی۔ آپ نے فرمایا، یہ چار سو سے زیادہ کا ہے۔ وہ بولی، تم مجھ سے مذاق کرتے ہو؟ آپ نے ۲ سے پانچ سو دیکر وہ کپڑا خرید لیا۔ اس تقویٰ اور دیانت نے آپ کے کاروبار کو بجائے نقصان پہنچانے کے اور چمکا دیا۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے کبھی کسی بیچنے والے کی غفلت اور لاعلمی سے فائدہ نہیں اٹھایا، بلکہ آپ ان کی بھلائی کے لیے ان کی بہترین راہنمائی فرماتے تھے۔ آپ اپنے احباب سے یا کسی غریب خریدار سے نفع بھی نہیں لیا کرتے تھے۔ بلکہ اپنے نفع میں سے بھی اس کو دے دیا کرتے۔

ایک بوڑھی عورت آپ کے پاس آئی اور اس نے کہا، (میری زیادہ استطاعت نہیں، اس لیے) یہ کپڑا جتنے میں آپ کو پڑا ہے اس دام پر میرے ہاتھ فروخت کر دیں۔ آپ نے فرمایا، تم چار درہم میں لے لو۔ وہ بولی، میں ایک بوڑھی عورت ہوں، میرا مذاق کیوں اڑاتے ہو (کیونکہ یہ قیمت بہت کم ہے)؟ آپ نے فرمایا،

”میں نے دو کپڑے خریدے تھے اور ان میں سے ایک کپڑے کو دونوں کی قیمت خرید سے چار درہم کم پر فروخت کر چکا ہوں، اب یہ دوسرا کپڑا ہے جو مجھے چار درہم میں پڑا ہے، تم چار درہم میں اسے لے لو۔“

ایک مرتبہ آپ نے اپنے کاروباری شریک کو بیچنے کے لیے کپڑے کے تھان بھیجے جن میں سے ایک تھان میں کوئی نقص اور عیب تھا۔ اس سے فرمایا، جب اس تھان کو فروخت کرنا تو اس کا عیب بھی بتا دینا۔ اس نے تھان فروخت کر دیے لیکن گاہک سے اس تھان کا عیب بیان کرنا بھول گئے۔ اور یہ بھی نہ یاد رہا کہ وہ عیب دار تھان کس گاہک کو فروخت کیا تھا۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے ان تمام تھانوں کی قیمت تیس ہزار درہم صدقہ کر دی اور اس شریک کو علیحدہ کر دیا۔ (الخیرات الحسان: ۱۴۰)

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی زندگی بھر یہ کوشش رہی کہ وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر زندگی بسر کریں اور آپ کے اقوال، افعال اور خصائل کی پیروی کریں، کیونکہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام سے افضل تھے۔ حضور ﷺ سے قربت اس لیے تھی کہ وہ مزاج شناس عادات رسول ﷺ تھے۔ صحابہ کرام میں سب سے بڑھ کر عالم، فقیہ، متقی، پرہیزگار، عبادت گزار، نخی، جواد اور جاں نثار آپ ہی تھے۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ تابعین میں سب سے زائد علم والے، سب سے زائد متقی، سب سے زیادہ نخی اور سب سے زیادہ جواد تھے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مکہ میں دوکانداری کرتے تھے، کپڑے کا کاروبار تھا۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں کپڑے کی تجارت کی اور حضور ﷺ کی سنتوں کی معرفت اور دین کی سمجھ بھی حاصل کی۔ اس طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ایک ایک لمحہ آپ نے اپنی زندگی میں شامل کر لیا۔ (مناقب للموفق: ۱۰۴)

سخاوت:

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی وسیع تجارت کا مقصد محض دولت کمانا نہیں تھا بلکہ آپ کا مقصد لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانا تھا۔ جتنے احباب اور ملنے والے تھے سب

کے وظیفے مقرر کر رکھے تھے۔ شیوخ اور محدثین کے لیے تجارت کا ایک حصہ مخصوص کر دیا تھا کہ اس سے جو نفع ہوتا تھا، سال کے سال ان لوگوں کو پہنچا دیا جاتا تھا۔

آپ کا عام معمول تھا کہ گھر والوں کے لیے کوئی چیز خریدتے تو اسی قدر محدثین اور علماء کے پاس بھجواتے۔ اگر کوئی شخص ملنے آتا تو اس کا حال پوچھتے اور حاجت مند ہوتا تو حاجت روائی کرتے۔ شاگردوں میں جس کو تنگ دنت دیکھتے انکی گھریلو ضروریات کی کفالت کرتے تاکہ وہ اطمینان سے علم کی تکمیل کر سکے۔ بہت سے لوگ جو مفلسی کی وجہ سے علم حاصل نہیں کر سکتے تھے، آپ ہی کی دستگیری کی بدولت بڑے بڑے رتبوں پر پہنچے۔ ان میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا نام بہت نمایاں ہے۔

”امام اعظم رضی اللہ عنہ تجارت کے نفع کو سال بھر جمع کرتے اور پھر اس سے اساتذہ اور محدثین کرام کی ضروریات مثلاً خوراک اور لباس وغیرہ خرید کر ان کی خدمت میں پیش کر دیا کرتے۔ اور جو روپیہ نقد باقی رہ جاتا وہ ان حضرات کی خدمت میں بطور مذرانہ پیش کر کے فرماتے، میں نے اپنے مال میں سے کچھ نہیں دیا۔ یہ سب مال اللہ تعالیٰ کا ہے اور اس نے اپنے فضل و کرم سے آپ حضرات کے لیے یہ مال مجھے عطا فرمایا ہے جو میں آپکی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔“ (مناقب للموفق: ۲۷۶)

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کثرت سے صدقہ دیا کرتے تھے، ان کو جو بھی نفع ہوتا وہ دے دیا کرتے تھے۔ مجھ کو اس کثرت سے تحفے ارسال کیے کہ مجھ کو وحشت ہونے لگی۔ میں نے ان کے بعض اصحاب سے اس کا شکوہ کیا تو انہوں نے کہا، اگر تم ان تحفوں کو دیکھتے جو انہوں نے سعید بن ابی عروبہ رحمہ اللہ کو بھیجے ہیں تو حیران رہ جاتے۔ امام اعظم نے محدثین میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑا کہ جس کے ساتھ بھلائی نہ کی ہو۔ (الخیرات الحسان: ۱۳۵)

امام مسعر رحمہ اللہ کہتے ہیں، ”امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ جب بھی اپنے لیے یا اپنے گھر والوں

کے لیے کپڑا یا میوہ خریدتے تو پہلے اسی مقدار میں کپڑا یا میوہ علماء و مشائخ کے لیے خریدتے۔“ (ایضاً: ۱۳۶)

شریک رحمہ اللہ نے کہا، جو شخص آپ سے پڑھتا تو آپ اس کو نان و نفقہ کی طرف سے بے نیاز کر دیا کرتے بلکہ اس کے گھر والوں پر بھی خرچ کرتے تھے اور جب وہ علم پڑھ لیتا تو اس سے فرماتے، ”اب تم کو بہت بڑی دولت مل گئی ہے کیونکہ تم کو حلال و حرام کی پہچان ہو گئی ہے۔“ (ایضاً: ۱۳۷)

امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے بیان کیا، ”آپ نے بیس سال تک میرا اور میرے گھر والوں کا خرچہ برداشت کیا اور میں جب بھی آپ سے کہتا کہ میں نے آپ سے زائد دینے والا نہیں دیکھا تو آپ فرماتے، اگر تم میرے استاد امام حماد رحمہ اللہ کو دیکھ لیتے تو ایسا نہ کہتے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا، اگر آپ کسی کو کچھ دیا کرتے تھے اور وہ آپ کا شکریہ ادا کرتا تو آپ کو بڑا ملال ہوتا تھا۔ آپ اس سے فرماتے، ”شکر اللہ تعالیٰ کا ادا کرو کہ اس نے یہ روزی تم کو دی ہے۔“ (ایضاً: ۱۳۶)

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں، ”امام اعظم رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ اپنے اصحاب اور ہم نشینوں کی غم خواری اور ان کا اکرام کرنے والے تھے۔ اسی لیے آپ محتاجوں کا نکاح کر دیتے اور تمام اخراجات خود برداشت کرتے تھے۔ آپ ہر شخص کی طرف اسکے مرتبے کے مطابق خرچ بھیجتے تھے۔“

ایک بار آپ نے ایک شخص کو اپنی مجلس میں پھٹے پرانے کپڑے پہنے دیکھا تو جب لوگ جانے لگے آپ نے اسے فرمایا، تم ذرا ٹھہر جاؤ۔ پھر فرمایا، میرے جاء نماز کے بچے جو کچھ ہے وہ لے لو اور اس سے اپنی حالت سنوارو۔ اس نے جاء نماز اٹھا کر دیکھا تو وہاں ہزار درہم تھے۔ اس نے عرض کی، میں دولت مند ہوں مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ تو آپ نے فرمایا، تم نے یہ حدیث نہیں سنی کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنی نعمتوں کا اثر

دیکھنا چاہتا ہے لہذا تم اپنی حالت بدلو، تاکہ تمہیں دیکھ کر کسی کو تمہارے محتاج ہونے کا شبہ نہ ہو، اور تمہارے دوست تمہاری خوشحالی سے خوش ہوں۔ (ایضاً: ۱۳۳)

ایک مرتبہ آپ کسی بیمار کی عیادت کو جا رہے تھے کہ راستے میں ایک شخص آتا دکھائی دیا جو آپ کا مقروض تھا۔ اس نے دور سے آپ کو دیکھ لیا اور منہ چھپا کر دوسری طرف جانے لگا۔ آپ نے اسے دیکھ لیا اور نام لیکر اس کو پکارا وہ کھڑا ہو گیا۔ آپ نے قریب پہنچ کر فرمایا، تم نے مجھے دیکھ کر راستہ کیوں بدلا؟ اس نے عرض کی، میں نے آپ کا دس ہزار درہم قرض ادا کرنا ہے، اس شرمندگی کی وجہ سے آپ کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

آپ نے فرمایا، سبحان اللہ! میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے سارا قرض معاف کر دیا، تم آئندہ مجھ سے منہ نہ چھپانا اور میری وجہ سے جو تمہیں ندامت اور پریشانی ہوئی اس کے لیے میں معذرت خواہ ہوں۔

یہ روایت بیان کر کے شقیق رحمہ اللہ فرماتے ہیں، آپ کا یہ حسن سلوک دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ آپ سے بڑھ کر شاید ہی کوئی زاہد اور مروت کرنے والا ہو۔ (ایضاً: ۱۳۶)

ایک بار حج کے سفر میں عبداللہ بن بکر سہمی رحمہ اللہ کا کسی بدوی سے جھگڑا ہو گیا۔ وہ انہیں امام صاحب کی خدمت میں لے آیا کہ یہ میری رقم ادا نہیں کر رہا۔ انہوں نے انکار کیا۔ آپ نے بدوی سے فرمایا، ”تم مجھے بتاؤ تمہارے کتنے درہم بنتے ہیں؟ اس نے کہا، چالیس درہم۔ آپ نے فرمایا، تعجب ہے کہ لوگوں کے دلوں سے مروت و حمیت کا جذبہ ختم ہو گیا۔ اتنی سی رقم پر جھگڑا۔ مجھے تو شرم محسوس ہوتی ہے۔ پھر آپ نے اپنے پاس سے چالیس درہم اس بدوی کو ادا کر دیے۔ (مناقب للموفق: ۲۷۲)

جب آپ کے صاحبزادے حماد رحمہ اللہ نے استاد سے سورہ فاتحہ پڑھی تو آپ نے ان کے استاد کو ایک ہزار درہم نذرانہ پیش کیا۔ وہ کہنے لگے، حضور میں نے کون سا اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ آپ اتنی زیادہ رقم کا نذرانہ دے رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا

آپ نے میرے بیٹے کو جو دولت عنایت کی ہے اس کے سامنے تو یہ نذرانہ بہت حقیر ہے۔ بخدا اگر میرے پاس اس سے زیادہ ہوتا تو وہ بھی پیش کر دیتا۔“ (ایضاً: ۲۷۰)

وکیع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے مجھ سے فرمایا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد گرامی ہے، چار ہزار یا اس سے کچھ کم نفقہ ہے یعنی سال بھر کے لیے اتنا خرچ کافی ہے۔ اس ارشاد گرامی کی وجہ سے چالیس سال سے میں کبھی چار ہزار درہم کا مالک نہیں ہوا۔ جب بھی میرے پاس چار ہزار درہم سے زائد مال آتا ہے، میں وہ زائد مال راہِ خدا میں خرچ کر دیتا ہوں۔ اور اگر مجھے یہ ڈرنے ہوتا کہ میں لوگوں کا محتاج ہو جاؤں گا تو ایک درہم بھی اپنے پاس نہ رکھتا۔ (الخیرات الحسان: ۱۳۴)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جس خلوص و فراخ دلی سے عوام اور علماء کرام کی خدمت کی، اسکی مثال نہیں ملتی۔ جو لوگ آپ کی مجلس میں یونہی چند لمحے سستانے کے لیے بیٹھ جاتے، وہ بھی آپ کی سخاوت سے فیضیاب ہوتے۔ آپ ان سے بھی انکی ضروریات کے متعلق پوچھتے۔ اگر کوئی بھوکا ہوتا تو اسے کھانا کھلاتے، بیمار ہوتا تو علاج کے لیے رقم دیتے، کوئی حاجت مند ہوتا تو اسکی حاجت ردائی کرتے۔ اگر کوئی زبان سے حاجت بیان نہ کرتا تو اسکے کہے بغیر فراستِ باطنی سے اسکا مدعا جان لیتے۔

اس حوالے سے ایک واقعہ پیش خدمت ہے جسے علامہ موفق بن احمد مکی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ کوفہ میں ایک مالدار شخص تھا۔ بڑا خوددار اور حیا دار تھا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ وہ غریب اور محتاج ہو گیا۔ وہ بازار جا کر مزدوری کرتا، مشقت اٹھاتا اور صبر کرتا۔ ایک دن اسکی بچی نے بازار میں گلڑی دیکھی۔ گھر آ کر ماں سے گلڑی لینے کے لیے پیسے مانگے مگر ماں اس کی خواہش پوری نہ کر سکی۔ گھر کا سامان پہلے ہی بک چکا تھا۔ بچی رونے لگی۔ اس شخص نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے امداد لینے کا ارادہ کیا۔ وہ آپ کی مجلس میں آ کر بیٹھا مگر شرم و حیا اور خودداری کے باعث اسکی زبان نہ کھل سکی۔

امام اعظم رحمہ اللہ نے اپنی فراست سے بھانپ لیا کہ اس شخص کو کوئی حاجت ہے۔ مگر حیا کے باعث یہ سوال نہیں کر رہا۔ جب وہ شخص اٹھ کر وہاں سے جانے لگا تو آپ نے ایک آدمی اس کے پیچھے روانہ کر دیا۔ اس شخص نے گھر جا کر اپنی بیوی کو بتایا کہ میں شرم کے باعث اس بابرکت مجلس میں کچھ نہ مانگ سکا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بھیجے ہوئے آدمی نے واپس جا کر یہ سب احوال امام صاحب کے گوش گزار کر دیا۔

جب رات کا ایک حصہ گزر گیا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ پانچ ہزار درہم کی تھیلی لے کر اس شخص کے گھر پہنچ گئے اور دروازہ کھٹکھٹا کر فرمایا، ”میں تمہارے دروازے پر ایک چیز رکھے جا رہا ہوں اسے لے لو“۔ یہ فرما کر آپ واپس آ گئے۔ اسکے گھر والوں نے تھیلی کھولی تو اس میں پانچ ہزار درہم تھے اور ایک کاغذ کے پرزے پر یہ تحریر تھا، ”تمہارے دروازے پر ابوحنیفہ یہ تھوڑی سی رقم لے کر آیا تھا یہ اسکی حلال کی کمائی ہے اسے استعمال میں لاؤ اور واپس نہ کرنا“۔ (مناقب للموفق: ۲۸۱)

امانت داری:

حکم بن ہشام رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ لوگوں میں بہت بڑے امانت دار تھے۔ جب خلیفہ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اسکے خزانے کے متولی اور نگران بن جائیں ورنہ وہ انہیں سزا دے گا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے عذاب کی بجائے خلیفہ کی ایذا رسانی کو قبول فرمالیا“۔ (الخیرات الحسان: ۱۳۵)

کیونکہ اکثر بادشاہ اور حکام سرکاری خزانے کا بیجا استعمال کرتے ہیں اور آپ انکے اس ناجائز کام میں حصہ دار نہیں بننا چاہتے تھے۔

حضرت وکیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”خدا کی قسم! امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بہت بڑے امانت دار تھے۔ انکے دل میں اللہ تعالیٰ کی شان اور اسکا خوف جلوہ گر تھا۔ اور وہ اسکی رضا پر کسی

چیز کو ترجیح نہیں دیتے تھے۔“ (مناقب للموفق: ۲۳۳)

عبدالعزیز صنعانی رحمہ اللہ جنہوں نے آپ سے فقہ پڑھی تھی، فرماتے ہیں، جب میں حج پر گیا تو اپنی ایک حسین کنیر امام اعظم رحمہ اللہ کے پاس بطور امانت چھوڑ گیا۔ ایک عرصہ بعد جب میں آپ کے پاس حاضر ہوا تو میں نے دریافت کیا، حضور! میری کنیر نے آپ کی کیسی خدمت کی؟ آپ نے فرمایا، میں نے اس سے کبھی کوئی کام نہ لیا اور نہ ہی اسے آنکھ اٹھا کر دیکھا کیونکہ یہ آپ کی امانت تھی۔ (ایضاً: ۲۳۵)

ایک دیہاتی نے آپ کے پاس ایک لاکھ ستر ہزار درہم بطور امانت رکھے مگر وہ فوت ہو گیا۔ اس نے کسی کو بتایا بھی نہ تھا کہ میں نے اس قدر رقم امام اعظم کے پاس بطور امانت رکھوائی ہے، اسکے چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ جب وہ بالغ ہوئے تو امام اعظم رحمہ اللہ نے انہیں اپنے پاس بلایا اور انکے والد کی ساری رقم لوٹادی اور فرمایا، یہ تمہارے والد کی امانت تھی۔ آپ نے یہ امانت خفیہ طور پر لوٹائی تاکہ لوگوں کو اتنی بڑی رقم کا علم نہ ہو اور وہ انہیں تنگ نہ کریں۔ (ایضاً: ۲۳۷)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا تقویٰ اور امانت و دیانت کے باعث علماء اور عوام آپ کی بے حد عزت کیا کرتے تھے جبکہ مخالفین و حاسدین حسد کی آگ میں جلتے رہتے اور مختلف حربے استعمال کر کے آپ کے مقام و مرتبے کو گھٹانے کی مذموم کوشش کرتے۔ ایک بار ایک شخص کے ذریعے آپ کے پاس ایک تھیلی امانت رکھوائی گئی جس پر سرکاری مہر بھی لگی ہوئی تھی۔ حاسدوں کی بدگمانی یہ تھی کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کچھ عرصہ بعد یقیناً اس رقم کو کاروبار میں استعمال کر لیں گے اور اسی پر گرفت کی جائے گی۔

چنانچہ اس منصوبہ بندی کے ساتھ ایک شخص نے کوفہ کے قاضی ابن ابی لیلیٰ کے پاس دعویٰ دائر کیا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فلاں شخص کا مال تجارت کے لیے اپنے بیٹے کو دے دیا ہے حالانکہ یہ مال امانت کے طور پر رکھوایا تھا۔ چنانچہ امام صاحب کو طلب کیا گیا اور بتایا گیا کہ آپ پر الزام ہے کہ آپ نے فلاں شخص کی امانت اپنے کاروبار میں

لگادی ہے۔ آپ نے فرمایا، یہ الزام بالکل غلط ہے۔ اسکی امانت جوں کی توں میرے پاس محفوظ ہے۔ اگر آپ چاہیں تو سرکاری نمائندہ بھیج کر تصدیق کر لیں۔ جب وہ لوگ آئے تو آپ کے مال خانے میں وہ امانت ویسی ہی موجود پائی جس پر سرکاری مہر لگی ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر سب کو ندامت ہوئی۔ (ایضاً: ۲۳۳)

انکے لیے ندامت اور حیرت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس اتنی کثیر امانتیں جمع تھیں جو انکے وہم و گمان میں بھی نہیں تھیں۔ محمد بن الفضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں، جب امام اعظم کا وصال ہوا تو آپ کے پاس لوگوں کی پانچ کروڑ کی امانتیں تھیں جنہیں آپکے بیٹے حضرت حماد رحمہ اللہ نے لوگوں کو لوٹایا۔ (ایضاً: ۲۳۵)

یہ بات غور طلب ہے کہ یہ وہ رقم ہے جو آپ کے وصال کے بعد موجود تھی جبکہ آخری عمر میں خلیفہ کی مخالفت کے باعث آپکے لیے جیل کی قید اور دیگر سزاؤں کا امکان بہت بڑھ چکا تھا۔ لہذا آپ کے تقویٰ اور بصیرت کے باعث یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ آپ نے اس زمانے میں ان امانتوں کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کی کوشش میں کوئی کسر نہ چھوڑی ہوگی لیکن لوگوں کی امانتوں کا سلسلہ اس قدر وسیع تھا کہ اسے سمیٹتے سمیٹتے بھی پانچ کروڑ کی امانتیں بچ گئیں جو بعد میں آپکے فرزند نے ان لوگوں تک پہنچائیں۔

اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی امانتوں کی حفاظت کا ایک عظیم نظام قائم کیا ہوا تھا۔ دفتر، مال خانہ، ملازم، کھاتہ رجسٹر اور حساب کتاب کرنے والے حساب داں یقیناً اس نظام کا حصہ ہوں گے۔ اس بناء پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ لوگوں کے اموال و رقوم کی حفاظت اور انکی اصل مالکوں کو واپسی یقینی بنانے کے لیے امام اعظم رضی اللہ عنہ منصوبہ بندی اور عملی اقدامات کر کے سود سے پاک خالص اسلامی بینک کا واضح تصور پیش کر چکے ہیں۔

صبر و حلم:

امام اعظم رضی اللہ عنہ جلالتِ شان کے باوجود نہایت حلیم و نبرد بار اور متواضع انسان تھے۔ آپ عظیم قوتِ برداشت اور بے پناہ صبر و تحمل کا پیکر تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے مناظرے کے دوران گستاخانہ گفتگو شروع کی اور آپ کو بدعتی اور زندیق کہہ کر مخاطب کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا، ”اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت کرے، وہ خوب جانتا ہے میرے بارے میں جو تم نے کہا وہ سچ نہیں ہے۔ میں تمہارے عقیدے سے اتفاق نہیں کرتا۔ جب سے میں نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا ہے اسکے برابر کسی کو نہ جانا۔ میں اسکی بخشش کا امیدوار ہوں اور میں اسکے عذاب سے ڈرتا ہوں۔“

یہ کہتے ہوئے آپ رو پڑے اور روتے روتے بیہوش ہو کر گر پڑے پھر ہوش آیا تو اس شخص نے کہا، مجھے معاف کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا، ”جس جاہل نے بھی میرے بارے میں کچھ کہا وہ معاف ہے اور جو علم کے باوجود مجھ میں عیب بتائے تو وہ قصور وار ہے۔ (الخیرات الحسان: ۱۳۰)

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ آپ بہت باوقار انسان تھے، جب گفتگو فرماتے تو کسی کے جواب کے لیے ہی فرماتے اور بیکار و لغو باتوں پر غور نہ کرتے اور نہ ہی ایسی باتیں سنتے۔ جب آپ کے پاس کوئی شخص آکر کہتا کہ فلاں نے ایسی بات کہی ہے تو آپ فرماتے، یہ بات چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ فلاں معاملہ میں کیا کہتے ہو۔ یہ کہہ کر اسکی بات منقطع فرماتے اور ارشاد فرماتے، ایسی باتیں کہنے سے بچو جنہیں لوگ ناپسند کرتے ہوں۔ (ایضاً: ۱۳۱)

ایک دفعہ آپ مسجد خیف میں تشریف فرما تھے، شاگردوں اور ارادتمندوں کا حلقہ تھا۔ ایک شخص نے مسئلہ پوچھا، آپ نے مناسب جواب دیا۔ اس نے کہا، مگر حسن بصری نے اسکے خلاف بتایا ہے، آپ نے فرمایا، حسن بصری رحمہ اللہ سے اس مسئلہ میں اجتہادی

غلطی ہوئی ہے۔ ایک شخص کھڑا ہوا جس نے کپڑے سے منہ چھپایا ہوا تھا۔ وہ کہنے لگا، ”اے زانیہ کے بیٹے، تم حسن بصری کو خطا کار اور غلط کہتے ہو۔“ اس بیہودہ گوئی پر لوگ مشتعل ہو گئے اور اسے مارنا چاہا مگر امام اعظم رضی اللہ عنہ نے انہیں روک دیا اور سب کو خاموش کر کے بٹھا دیا۔ اور اس شخص سے نہایت تحمل اور وقار کے ساتھ فرمایا، ”ہاں حسن بصری رضی اللہ عنہ سے غلطی ہوئی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں جو حضور ﷺ سے روایت کی ہے وہ صحیح ہے۔“ (مناقب للموفق: ۲۹۸)

امام اعظم رضی اللہ عنہ ایک دن مسجد میں درس دے رہے تھے کہ ایک شخص جو آپ سے بغض و عناد رکھتا تھا، آکر آپ کی شان میں برے الفاظ کہنے لگا۔ آپ نے توجہ نہ کی اور اسی طرح درس میں مشغول رہے اور شاگردوں کو اس کی طرف توجہ کرنے سے منع فرما دیا۔ جب آپ درس کے بعد گھر کی طرف چلے تو وہ شخص بھی گالیاں بکتا ہوا پیچھے پیچھے چلا۔ آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا بلکہ خاموشی اور وقار سے سر جھکائے اپنے گھر میں داخل ہو گئے۔ وہ آپ کے دروازے پر سر مارنے لگا اور بولا، تم مجھے کتا سمجھتے ہو کہ میں بھونک رہا ہوں اور تم جواب بھی نہیں دیتے۔

اس قسم کا ایک اور واقعہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب امام اعظم رحمہ اللہ اپنے گھر کے قریب پہنچے تو کھڑے ہو گئے اور اس گالیاں بکنے والے سے فرمایا، یہ میرے گھر کا دروازہ ہے اور میں اندر جانا چاہتا ہوں اس لیے تم جتنی گالیاں دینا چاہو دے لو تا کہ تمہیں کچھ حسرت باقی نہ رہے۔ وہ شخص شرم سے سر جھکا کر بولا، آپ کی برداشت کی انتہا ہے آپ مجھے معاف کر دیں۔ آپ نے فرمایا، جاؤ تمہیں معاف کر دیا۔ (ایضاً: ۲۸۶)

بقول امام ابو یوسف رحمہ اللہ، ”امام اعظم رضی اللہ عنہ مال میں سخاوت کرنے والے اور علم سکھانے میں صبر کر نیوالے تھے۔ آپ بہت برہاری سے اپنے متعلق کیے جانے والے اعتراضات کو سنتے تھے اور غصہ سے کوسوں دور تھے۔“ (الخیرات الحسان: ۱۱۹)

عبادت و ریاضت:

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ”امام ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا پوری رات عبادت کرنا اور تہجد پڑھنا تو اترے ثابت ہے اور یہی وجہ ہے کہ کثرتِ قیام کی وجہ سے آپ کو وتد یعنی میخ (کیل) کہا جاتا تھا۔ آپ میں سال تک ایک رکعت میں مکمل قرآن پڑھتے رہے اور آپ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز چالیس سال تک پڑھی۔“ (الخیرات الحسان: ۱۱۷)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تمام رات عبادت کرنے کا باعث یہ واقعہ ہوا کہ ایک بار آپ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں آپ نے کسی شخص کو یہ کہتے سنا، ”یہ امام ابو حنیفہ ہیں جو تمام رات اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور سوتے نہیں۔“ آپ نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے فرمایا، سبحان اللہ! کیا تم خدا کی شان نہیں دیکھتے کہ اس نے ہمارے لیے اس قسم کا چرچا کر دیا، اور کیا یہ بری بات نہیں کہ لوگ ہمارے متعلق وہ بات کہیں جو ہم میں نہ ہو، لہذا ہمیں لوگوں کے گمان کے مطابق بننا چاہیے۔ خدا کی قسم! میرے بارے میں لوگ وہ بات نہیں کہیں گے جو میں نہیں کرتا۔ چنانچہ آپ تمام رات عبادت و دعا اور آہ و زاری میں گزارنے لگے۔ (ایضاً: ۱۱۸)

مسعر بن کدام رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میں امام اعظم رحمہ اللہ کی مسجد میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ نے فجر کی نماز پڑھی اور لوگوں کو علم سکھانے میں مشغول ہو گئے، یہاں تک کہ آپ نے نمازِ ظہر ادا کی پھر لوگوں کو عصر تک علم دین سکھاتے رہے پھر عصر ادا فرمائی۔ اسی طرح عصر سے مغرب اور مغرب سے عشاء تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔ پھر عشاء پڑھ کر گھر تشریف لے گئے۔ آپ کا یہ معمول دیکھ کر میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ جب آپ کی تدریسی مصروفیات اس قدر ہیں تو آپ نفل عبادات کیسے کرتے ہوں گے۔ چنانچہ میں ضرور آپ پر نگاہ رکھوں گا۔

جب لوگ عشاء پڑھ کر گھروں کو جا چکے تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ آپ گھر سے صاف ستھرا لباس پہن کر مسجد میں تشریف لائے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا آپ دولہا ہیں۔ آپ نفل نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ صبح صادق طلوع ہو گئی۔ پھر آپ گھر تشریف لے گئے۔ جب کچھ دیر بعد واپس تشریف لائے تو لباس بدلا ہوا تھا۔ آپ نے فجر کی نماز باجماعت ادا کی اور پھر حسب سابق وہی درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوا جو عشاء تک جاری رہا۔ میں نے خیال کیا کہ آج رات یہ ضرور آرام کریں گے۔ مگر دوسری رات بھی وہی معمول دیکھا جو پہلی رات کا تھا۔ میں نے یہ گمان کیا اب تیسری رات تو ضرور آرام کریں گے مگر تیسری رات بھی وہی معمول دیکھا۔ تو میں نے یہ فیصلہ کیا کہ جب تک میں زندہ ہوں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا لہذا میں نے مستقل انکی خدمت میں رہنے اور انکی شاگردی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

امام مسعر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میں نے امام اعظم رحمہ اللہ کو دن میں کبھی بغیر روزہ کے نہیں دیکھا اور نہ ہی کبھی رات میں سوتے ہوئے پایا البتہ ظہر سے قبل آپ کچھ دیر آرام کر لیا کرتے تھے، آپ کا ہمیشہ یہی معمول رہا۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، مسعر بن کدام رحمہ اللہ بھی بڑے خوش نصیب تھے کہ انکا وصال امام اعظم رحمہ اللہ کی مسجد میں ایسی حالت میں ہوا جب وہ سجدہ کی حالت میں اپنی جبین نیاز، بارگاہ بے نیاز میں جھکا چکے تھے۔ (ایضاً: ۱۱۹)

ابو حفص رحمہ اللہ نے بھی امام اعظم رحمہ اللہ کا یہ معمول بیان کیا ہے کہ آپ روزانہ عشاء کے بعد گھر تشریف لے جاتے اور پھر کچھ وقت گزار کر مسجد میں آتے اور اسی طرح رات بھر عبادت کرتے اور اذان فجر سے قبل گھر چلے جاتے اور پھر فجر کی نماز کے لیے دوبارہ آتے اور اس طرح عام لوگوں کو یہ تاثر دیتے کہ وہ ساری رات گھر میں رہے ہیں۔ (منائب للموفق: ۲۶۰) خارجہ بن مصعب رحمہ اللہ نے فرمایا، قرآن مجید کو ایک

اعت میں شروع سے ختم تک چار حضرات نے پڑھا ہے اور وہ ہیں، حضرت عثمان غنی،
 عیسیٰ داری، سعید بن جبیر، اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم۔ (اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ: ۴۵)

امام ابن حجر شافعی رحمہ اللہ ایک رکعت میں پورا قرآن تلاوت کرنے سے متعلق اعتراض
 کے جواب میں فرماتے ہیں، ”آپ کا ایک رکعت میں قرآن ختم کرنا اس حدیث کے
 ثانی نہیں کہ ”جس نے قرآن کو تین رات سے کم میں ختم کیا وہ فقیہ نہ ہوا“ کیونکہ یہ
 سکے لیے ہے جو صاحب کرامت نہ ہو، یاد کرنے میں اور آسانی میں اور وقت کی
 رعیت میں۔ اس لیے بہت سے صحابہ و تابعین سے منقول ہے کہ وہ ایک رکعت میں
 تم کرتے تھے بلکہ بعض نے تو مغرب و عشاء کے درمیان چار مرتبہ ختم کیا اور یہ سب
 کرامت کے طور پر ہے اس لیے قابل اعتراض نہیں۔“ (الخیرات: ۱۲۴)

امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں، امام اعظم رضی اللہ عنہ رات کے وقت ایک قرآن پاک
 اقل میں ختم کیا کرتے تھے۔ رمضان المبارک میں ایک قرآن صبح اور ایک قرآن
 عصر کے وقت ختم فرمایا کرتے تھے اور عام طور پر رمضان کے دوران باسٹھ (۶۲) بار
 قرآن مجید ختم کر لیا کرتے تھے۔ (مناقب للموفق: ۲۴۹)

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے بچپن (۵۵) حج کیے۔ آخری حج میں کعبہ شریف کے مجاوروں
 سے اجازت لے کر کعبہ کے اندر چلے گئے اور وہاں آپ نے دو رکعت میں پورا قرآن
 اس طرح تلاوت کیا کہ پہلی رکعت میں دائیں پاؤں پر زور رکھا اور بائیں پاؤں پر دباؤ
 نہیں دیا۔ اس حال میں نصف قرآن تلاوت کیا پھر دوسری رکعت میں بائیں پاؤں پر
 زور رکھا اگرچہ دوسرا پاؤں بھی زمین پر تھا مگر اس پر وزن نہیں دیا۔ اس طرح آپ نے
 بقیہ نصف قرآن کی تلاوت مکمل کی۔

نماز کے بعد روتے ہوئے بارگاہ الہی میں عرض کی، ”اے میرے رب! میں نے تجھے
 پہچانا ہے جیسا کہ پہچاننے کا حق ہے لیکن میں تیری ایسی عبادت نہ کر سکا جیسا کہ

عبادت کا حق تھا، مولا تو میری خدمت کی کمی کو معرفت کے کمال کی وجہ سے بخش دے۔ تو غیب سے آواز آئی، ”اے ابوحنیفہ! تم نے ہماری معرفت حاصل کی اور خدمت میں خلوص کا مظاہرہ کیا اس لیے ہم نے تمہیں بخش دیا اور قیامت تک تمہارے مذہب پر چلنے والوں کو بھی بخش دیا۔“ سبحان اللہ! (الخیرات: ۱۲۲، شامی ج ۱: ۳۸)

خشیت الہی:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الخیرات الحسان میں آپ کے خوفِ خدا اور مراقبہ کے عنوان سے ایک باب تحریر کیا ہے۔ آپ رقمطراز ہیں، ”اسد بن عمرو رحمہ اللہ نے فرمایا، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے رونے کی آوازیں سنیں جتنی جاتی تھی یہاں تک کہ آپ کے پڑوسی آپ پر ترس کھاتے۔ وکیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں، بخدا آپ بہت دیانت دار تھے اور خدا کی جلالت اور کبریائی آپ کے قلب میں راسخ تھی۔ آپ اپنے رب کی خوشنودی کو ہر چیز پر ترجیح دیتے اور چاہے تلواریں سے ان کے ٹکڑے کر دیے جاتے وہ اپنے رب کی رضا نہ چھوڑتے۔ آپ کا رب آپ سے ایسا راضی ہوا جیسے ابرار سے ہوتا ہے اور امام اعظم رضی اللہ عنہ واقعی ابرار میں سے تھے۔“ (صفحہ ۱۲۵)

یزید بن لیث رحمہ اللہ کہتے ہیں، امام اعظم رضی اللہ عنہ تعالیٰ کے برگزیدہ لوگوں میں سے تھے۔ امام نے نمازِ عشاء میں سورۃ زلزال تلاوت کی۔ جب نماز ختم ہوئی تو میں نے دیکھا کہ امام اعظم متفکر بیٹھے ہیں اور لمبی لمبی سانسیں لے رہے ہیں۔ میں وہاں سے چلا آیا اور چراغ جس میں تیل کم ہی تھا، وہیں چھوڑ دیا کہ کہیں انکا دھیان نہ بٹے۔ صبح صادق کے وقت میں مسجد آیا تو دیکھا کہ آپ اپنی داڑھی پکڑے ہوئے ہیں اور فرما رہے ہیں، ”اے وہ ذات جو ذرہ بھر برائی کے بدلے سزا دیتا ہے، اگر نعمان کی جزیرے پاس جہنم یا اس سے قریب ہے تو اسے تو اپنی رحمت میں داخل فرما۔“ راوی کہتے ہیں، جب میں پہنچا تو چراغ ٹھنسا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا، کیا چراغ لینے آئے ہو؟

میں نے عرض کی، حضور! فجر کی اذان ہو چکی ہے۔ آپ نے فرمایا، جو تم نے دیکھا اسے چھپانا۔ پھر آپ نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرمائی۔ (ایضاً: ۱۲۶)

ابوالاحوص رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”اگر امام اعظم رحمہ اللہ سے یہ کہا جاتا کہ آپ تین دن تک انتقال کر جائیں گے تو بھی آپ اپنے معمول کے اعمال سے کچھ زیادہ نیکی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ اس قدر نیکیاں کرتے تھے کہ اس میں اضافہ ممکن ہی نہ تھا۔“ (ایضاً: ۱۲۷)

امام ابو یحییٰ نیشاپوری رحمہ اللہ کہتے ہیں، میں نے ساری رات امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو نماز پڑھتے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑ گڑاتے دیکھا۔ میں دیکھتا کہ آپ کے آنسو مصلے پر بارش کے قطروں کی طرح ٹپک رہے ہیں۔ (مناقب للموفق: ۲۵۶)

امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے تھے، ”اگر لوگ اپنے معاملات میں درست رہتے تو میں کسی کو فتویٰ نہ دیتا۔ مجھے اس سے بڑھ کر کوئی خوف نہیں کہ میں اپنے کسی فتویٰ کی وجہ سے کہیں دوزخ میں نہ چلا جاؤں۔ اس لیے میں فتویٰ دینے سے پہلے ہزار بار سوچتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈرتا ہوں۔“ (ایضاً: ۲۲۱)

ایک روز امام اعظم رحمہ اللہ کہیں جا رہے تھے کہ لاعلمی میں آپ کا پاؤں ایک لڑکے کے پاؤں پر آ گیا۔ اس لڑکے نے کہا، اے شیخ! کیا تم قیامت کے روز خدا کے انتقام سے نہیں ڈرتے؟ آپ نے یہ بات سنی تو غش کھا کر گر گئے۔ کچھ دیر بعد ہوش آیا تو مسعر بن کدام رحمہ اللہ نے عرض کی، اس لڑکے کی بات نے آپ کے دل پر اتنا عظیم اثر کیا؟ آپ نے فرمایا، ”کیا عجب کہ اس کی آواز غیبی ہدایت ہو۔“ (الخیرات الحسان: ۱۲۸)

آپ کے دل میں خوفِ خدا اس قدر تھا کہ ایک مرتبہ کسی شخص سے گفتگو فرما رہے تھے کہ اس شخص نے کہا، خدا سے ڈرو۔ یہ سننا تھا کہ امام اعظم رحمہ اللہ کا چہرہ زرد پڑ گیا، سر جھکا لیا اور فرمایا، خدا تمہیں جزا دے، ہر وقت لوگوں کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ کوئی انہیں خدا کی یاد دلائے۔ (سوانح امام اعظم: ۲۲۲)

ایک روز امام نے فجر کی نماز میں یہ آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے، ”اور ہرگز اللہ کو بے خبر نہ جانتا ظالموں کے کام سے“ (ابراہیم: ۳۱) تو آپ لرز گئے اور کپکپی طاری ہو گئی۔ آپ کی اس کیفیت کو لوگوں نے محسوس کر لیا۔ امام اعظم رحمہ اللہ کو جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ فرماتے، یہ مشکل میرے کسی گناہ کی وجہ سے ہے تو آپ اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتے اور وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرتے اور استغفار کرتے تو مسئلہ حل ہو جاتا۔ آپ فرماتے، مجھے خوشی ہوئی کیونکہ مجھے امید ہے کہ رب تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے گا۔ اس بات کی اطلاع حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کو ہوئی تو بہت روئے اور فرمایا، ”اللہ تعالیٰ امام ابو حنیفہ پر رحم فرمائے، یہ بصیرت انکے گناہوں کی کمی کی وجہ سے ہے جبکہ دوسرے لوگوں کو یہ بیداری حاصل نہیں ہوتی کیونکہ وہ گناہوں میں مستغرق ہوتے ہیں۔“ (الخیرات الحسان: ۱۲۸)

فضیل بن دکین رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”میں نے تابعین وغیرہ کی ایک جماعت کو دیکھا تو کسی کو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اچھی طرح نماز پڑھتے ہوئے نہ پایا۔ آپ نماز شروع کرنے سے پہلے رو پڑتے اور دعا فرماتے تو دیکھنے والا کہتا، واقعی خدا سے ڈرنے والے یہی ہیں۔“

امام ابن حجر شافعی رحمہ اللہ اپنی طویل گفتگو کے اختتام پر فرماتے ہیں، ”رات کو جب آپ نماز ادا فرماتے تو چٹائی پر آپکے آنسوؤں کے گرنے کی آواز اس طرح آتی جس طرح بارش کے قطرے گرتے ہیں۔ رونے کا اثر آپ کی آنکھوں اور رخساروں پر نظر آتا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے اور ان سے راضی ہو۔“ (ایضاً: ۱۲۹)

زہد و تقویٰ:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”میں نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے زائد متقی کسی کو نہ دیکھا۔ تم ایسے شخص کی کیا بات کرتے ہو جس کے سامنے کثیر مال پیش کیا

گیا اور اس نے اس مال کو نگاہ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔ اس پر اسے کوڑوں سے مارا گیا مگر اس نے صبر کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر مصائب کو برداشت کیا مگر مال و متاع قبول نہ کیا بلکہ دوسروں کی طرح (جاہ و مال دنیا کی) کبھی تمنا اور آرزو بھی نہ کی حالانکہ لوگ ان چیزوں کے لیے سو سو جتن اور حیلے کرتے ہیں۔ بخدا آپ ان تمام علماء کے برعکس تھے جنہیں ہم مال و انعام کے لیے دوڑتا دیکھتے ہیں۔ یہ لوگ دنیا کے طالب ہیں اور دنیا ان سے بھاگتی ہے۔ جبکہ امام اعظم رحمہ اللہ وہ تھے کہ دنیا ان کے پیچھے آتی تھی اور آپ اس سے دور بھاگتے تھے۔ (مناقب للموفق: ۲۲۸)

مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ نے فرمایا، میں کوفہ والوں کے ساتھ رہا ہوں لیکن میں نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے زیادہ متقی کوئی نہ دیکھا۔

حسن بن صالح رحمہ اللہ کہتے ہیں، آپ سخت پرہیزگار تھے، حرام سے ڈرتے تھے اور شبہ کی وجہ سے کئی حلال چیزیں بھی چھوڑ دیتے تھے۔ میں نے کوئی فقیہ ایسا نہ دیکھا جو اپنے نفس اور علم کی حفاظت آپ سے زیادہ کرتا ہو، وہ آخری عمر تک جہاد کرتے رہے۔

یزید بن ہارون رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میں نے ایک ہزار شیوخ سے علم حاصل کیا مگر میں نے ان میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے زائد نہ تو کسی کو متقی پایا اور نہ اپنی زبان کا حفاظت کرنے والا۔ آپ کو زبان کی حفاظت کا اس قدر شدید احساس تھا کہ وکیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں، آپ نے یہ عہد کر رکھا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی سچی قسم کھائی تو ایک درہم صدقہ کریں گے۔ چنانچہ ایک بار قسم کھائی تو ایک درہم صدقہ کیا پھر عہد کیا کہ اگر اب قسم کھائی تو ایک دینار صدقہ کریں گے۔ (الخیرات الحسان: ۱۴۰)

آپ کے کاروباری شریک حفص رحمہ اللہ کہتے ہیں،

میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ تیس سال تک رہا لیکن میں نے کبھی نہ دیکھا کہ آپ نے اس چیز کے خلاف ظاہر کیا ہو جو آپ کے دل میں ہو۔ جب آپ کو کسی چیز کے بارے

میں شبہ پیدا ہوتا تو آپ اپنے دل سے اسکو نکال دیتے تھے اگرچہ اس کی خاطر اپنا تمام مال ہی کیوں نہ خرچ کرنا پڑے۔ (ایضاً: ۱۴۱)

اسکی مثال وہ واقعہ ہے کہ آپ کے ایک کاروباری شریک نے کپڑے کا عیب ظاہر کیے بغیر اسے بیچ دیا تو آپ نے اس دن کی ساری کمائی تمیں ہزار درہم خیرات کر دی۔ یہ واقعہ ”امام اعظم بحیثیت تاجر“ کے عنوان کے تحت بیان ہو چکا ہے۔

کسی نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے عرض کی، آپ کو دنیا کا مال و اسباب پیش کیا جاتا ہے مگر آپ اسے قبول نہیں فرماتے حالانکہ آپ ایماندار ہیں اور یہ آپ کا حق ہے۔ آپ نے فرمایا، میں نے اپنے اہل و عیال کو اللہ کے سپرد کر رکھا ہے۔ وہ انکا خود کفیل ہے۔ میرا ذاتی خرچ دو درہم ماہانہ ہے، تو میں اپنی ضرورت سے بڑھ کر کیوں جمع کروں۔ (مناقب للموفق: ۲۲۸)

جب آپ کو بغداد میں قید کر دیا گیا تو اپنے بیٹے حماد رحمہ اللہ کو پیغام بھیجا، اے میرے بیٹے! میرا خرچ دو درہم ماہانہ ہے کبھی ستو کے لیے اور کبھی روٹی کے لیے۔ اور اب میں یہاں قید میں ہوں تو جلد خرچ بھیج دو۔ یہ تقویٰ تھا کہ جیل میں بھی حکومت کا کھانا نہیں کھاتے تھے۔ (ایضاً: ۲۱۲)

شقیق بن ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ہم ایک دن امام اعظم رحمہ اللہ کے پاس مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک چھت سے ایک سانپ آپ کے سر پر ٹکتا دکھائی دیا۔ سانپ دیکھ کر لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی، سانپ سانپ کہہ کر سب بھاگے۔ مگر امام اعظم رحمہ اللہ نہ تو اپنی جگہ سے اٹھے اور نہ ہی ان کے چہرے پر کوئی پریشانی کے آثار نظر آئے۔ ادھر سانپ سیدھا امام اعظم رحمہ اللہ کی گود میں آگرا۔ آپ نے ہاتھ سے جھٹک کر اسے ایک طرف پھینک دیا مگر خود اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ اس دن سے مجھے یقین ہو گیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل یقین اور پختہ اعتماد ہے۔ (ایضاً: ۲۸۳)

بکیر بن معروف رحمہ اللہ کہتے ہیں، میں نے ایک دن امام اعظم رحمہ اللہ سے عرض کی، حضور میں نے آپ جیسا کوئی دوسرا نہیں دیکھا، آپ کے مخالفین آپ کا گلہ کرتے ہیں، آپ کی غیبت کرتے ہیں مگر آپ جب بھی کسی کا ذکر کرتے ہیں تو اسکی خوبیاں ہی بیان کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، میں نے کبھی کسی کے عیب تلاش نہیں کیے اور کبھی برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیا۔ (ایضاً: ۲۱۳)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بے مثال تقویٰ کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ ایک بار کوفہ میں کچھ بکریاں چوری ہو گئیں تو آپ نے دریافت کیا، بکری زیادہ سے زیادہ کتنے سال زندہ رہتی ہے؟ لوگوں نے بتایا، سات سال، تو آپ نے سات سال تک بکری کا گوشت نہیں کھایا (کہ کہیں چوری کی بکری کا گوشت جسم میں نہ چلا جائے)۔

انہی دنوں آپ نے ایک فوجی کو دیکھا کہ اس نے گوشت کھا کر اس کا فضلہ کوفہ کی نہر میں پھینک دیا تو آپ نے مچھلی کی طبعی عمر کے بارے میں دریافت کیا اور پھر اتنے سال تک مچھلی کے گوشت سے پرہیز کیا۔ (الخیرات الحسان: ۱۴۳)

کسی نے یزید بن ہارون رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ انسان فتویٰ دینے کے قابل کب ہوتا ہے؟ فرمایا، جب وہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقام کو پہنچ جائے۔ راوی کہتے ہیں، میں نے یہ سن کر کہا، ابو خالد آپ بھی ایسا کہتے ہیں؟ (یزید بن ہارون رحمہ اللہ پہلے امام اعظم رحمہ اللہ کے علم و فضل کے قابل نہیں تھے اس لیے انہیں حیرانی ہوئی) آپ نے فرمایا، میرے پاس اس سے بڑھ کر الفاظ نہیں ورنہ انکا مقام تو اس سے بھی بلند ہے۔ دنیائے اسلام میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ جیسا فقیہ ہے نہ متقی۔ میں نے انکو ایک دن تیز دھوپ میں ایک شخص کے مکان کے پاس کھڑے دیکھا۔ میں نے عرض کی، آپ اس دیوار کے سائے میں آجائیں۔ امام اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا، یہ گھر والا میرا مقروض ہے،

میں نے اس سے کچھ درہم لینے ہیں اور میں پسند نہیں کرتا کہ اسکے گھر کے سائے میں بیٹھوں۔ اس سے بڑھ کر احتیاط اور تقویٰ کیا ہو سکتا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا، میں نے اس گھر والے سے قرض واپس لینا ہے، اگر میں اس کی دیوار کے سائے میں کھڑے ہو کر فائدہ اٹھاؤں تو یہ ایک قسم کا سود ہے۔ یہ فتویٰ عوام کے لیے نہیں ہے لیکن عالم کو اس سے زیادہ عمل کرنا چاہیے جس نیکی کی طرف وہ لوگوں کو بلاتا ہے۔ (ایضاً: ۱۴۳، مناقب للموفق: ۲۰۵)

امام رازی شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ایک مرتبہ امام اعظم رحمہ اللہ کہیں جا رہے تھے راستہ میں اتفاقاً آپکی جوتی کو کچھ نجاست لگ گئی۔ آپ نے نجاست دور کرنے کے لیے جوتی کو جھاڑا تو کچھ نجاست اڑ کر ایک مکان کی دیوار سے لگ گئی۔ آپ پریشان ہو گئے کہ اگر نجاست یونہی چھوڑ دی جائے تو اسکی دیوار خراب ہوتی ہے اور اگر اسے کرید کر دیوار صاف کی جائے تو دیوار کی مٹی بھی اتر آئے گی اور اس سے مالک مکان کو نقصان ہے۔ چنانچہ آپ نے دروازہ کھٹکھٹایا، صاحب خانہ باہر آیا۔ اتفاق سے وہ شخص مجوسی تھا اور آپکا مقروض تھا۔ وہ یہ سمجھا کہ آپ قرض واپس لینے آئے ہیں۔ پریشان ہو کر عذر پیش کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا، قرض کو چھوڑو میں تو اس الجھن میں ہوں کہ تمہاری دیوار کیسے صاف کروں۔ پھر سارا واقعہ بتا دیا۔ وہ مجوسی آپ کا تقویٰ اور کمال احتیاط دیکھ کر بے ساختہ بولا، آپ دیوار بعد میں صاف کیجیے گا، پہلے کلمہ پڑھا کر میرا دل صاف کر دیں، چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا۔ (تفسیر کبیر زیر آیت مالک یوم الدین)

حق گوئی:

علامہ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں پچیسویں فصل کا عنوان یہ تحریر کیا ہے، ”اپنی کمائی سے کھانا اور عطیات کا رد کرنا“۔ وہ اسکے تحت لکھتے ہیں، ”خدا کی قسم! امام اعظم رحمہ اللہ نے کبھی کسی خلیفہ یا امیر کا کوئی تحفہ یا انعام قبول نہیں کیا۔“

ایک بار عباسی خلیفہ نے دوسو دینار کا تحفہ پیش کیا تو آپ نے یہ کہہ کر رد فرما دیا کہ ”ان پر میرا کوئی حق نہیں“۔ ایک مرتبہ امیر المومنین نے ایک خوبصورت لونڈی بھیجی مگر آپ نے قبول نہ کی اور فرمایا، ”میں اپنے کام اپنے ہاتھ سے کر لیتا ہوں اس لیے مجھے کنیز کی حاجت نہیں“۔ (مناقب للموفق ص ۲۲۷)

امام اعظم رضی اللہ عنہ امراء اور حکام کے تحائف اور نذرانوں کے اس لیے مخالف تھے کہ جو کسی کا احسان مند ہو جاتا ہے وہ اسکے خلاف حق بات کہنے سے رک جاتا ہے بقول شخصے، ”جو کسی کا کھاتا ہے وہ اس سے شرماتا ہے“۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ حق گوئی و بیباکی کے علمبردار تھے اس لئے آپ نے کبھی کسی دنیا دار کا تحفہ یا نذرانہ قبول نہ فرمایا۔

بنو امیہ کے دور حکومت میں ابن ہبیرہ کوفہ کا گورنر تھا۔ اس نے ایک بار اپنے اور خوارج کے مابین ایک دستاویز لکھنے کے لئے ابن شبرمہ اور ابن ابی لیلیٰ سے کہا۔ دونوں نے ایک ماہ کا وقت لیکر مضمون لکھا جو اسے پسند نہ آیا۔ انکے بتانے پر ابن ہبیرہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو بلوایا اور یہ مسئلہ پیش کیا۔ امام اعظم رحمہ اللہ نے اسی وقت مضمون لکھوا دیا جو گورنر اور علماء سب کو پسند آیا۔ (ایضاً: ۳۱۲)

گورنر نے درخواست کی، ”حضور! کبھی کبھی ہمارے پاس آیا کریں تو ہمیں فائدہ ہو“۔ آپ نے بیباکی سے فرمایا، ”میں تم سے مل کر کیا کروں گا۔ تم مہربانی سے پیش آؤ گے تو تمہارے دام میں آ جاؤں گا اور اگر ناراض ہوئے اور مجھے قرب کے بعد دور کر دیا تو اس میں میری ذلت ہے۔ نیز تمہارے پاس جو مال ہے اسکی مجھے حاجت نہیں اور جو دولت (علم) میرے پاس ہے اسے کوئی چھین نہیں سکتا“۔

ابن ہبیرہ نے کئی مشہور علماء کو حکومتی عہدے دیے تو امام اعظم رحمہ اللہ کو بلا کر بیت المال کی نظامت کا منصب پیش کیا۔ آپ نے انکار کیا۔ اس پر گورنر غضبناک ہو گیا اور اس نے کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ آپ نے کوڑوں کی سزا برداشت کر لی مگر یہ منصب قبول

نہ کیا۔ پھر گورنر نے آپ کو کوفہ کا قاضی مقرر کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا: ”خدا کی قسم میں اپنے آپ کو کبھی حکومت میں شریک نہیں کروں گا۔“

گورنر نے غصہ میں قسم کھائی، اگر عہدہ قضا کو بھی امام ابوحنیفہ نے قبول نہ کیا تو انکے سر پر تیس کوڑے ماریں جائیں گے اور جیل میں ڈال دوں گا۔ آپ نے فرمایا: ”کوڑے تو ہلکی سزا ہے اگر وہ مجھے قتل بھی کر دے تو میں یہ عہدہ قبول نہ کروں گا۔“ ایک اور روایت میں ہے۔ ”اگر گورنر مجھے مسجد کے دروازے گننے کا حکم دے تو میں گورنر کے حکم سے یہ کام بھی نہیں کروں گا اور گورنر یہ حکم دے کہ فلاں کی گردن اڑا دو، فلاں کو قید کر دو تو میں بے گناہوں کی سزاؤں پر مہریں کیوں لگاؤں؟“۔ یہ جواب سن کر گورنر آگ بگولہ ہو گیا۔ چنانچہ اس کے حکم سے آپ کو کوڑے مارے گئے اور جیل میں ڈال دیا گیا۔

ایک رات ابن ہبیرہ کو خواب میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا، تم میرے امتی کو بلا وجہ سزا دے رہے ہو، شرم کرو۔ اس دن ابن ہبیرہ نے آپ کو جیل سے رہا کر دیا۔ آپ کوفہ سے مکہ مکرمہ چلے گئے۔ یہ واقعہ ۱۳۰ھ کا ہے۔ جب بنو امیہ کی حکومت ختم ہو گئی تو عباسی حکومت کے دور میں آپ کوفہ واپس آ گئے۔ (ایضاً: ۳۱۵)

ایک بار عباسی خلیفہ منصور اور اسکی بیوی میں اختلاف ہو گیا۔ خلیفہ نے کہا، کسی کو منصف بنا لو۔ اس نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ چنانچہ آپ کو بلایا گیا اور خلیفہ کی بیوی پر دے کے پیچھے بیٹھی تاکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا فیصلہ خود سنے۔ منصور نے آپ سے پوچھا، کتنی عورتوں سے نکاح جائز ہے؟ آپ نے فرمایا، چار عورتوں سے۔ منصور نے اپنی بیوی سے کہا، غور سے سن لو۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے خلیفہ سے کہا، امیر المؤمنین! چار بیویوں کی اجازت اس کے لیے سے جو ان میں عدل کر سکے، ورنہ ایک نکاح کا حکم ہے۔ یہ سن کر خلیفہ خاموش ہو گیا۔

جب امام اعظم رضی اللہ عنہ گھر تشریف لے آئے تو کچھ دیر میں ایک خادم پچاس ہزار

درہم اور دیگر تحائف لیے ہوئے آیا کہ خلیفہ کی بیوی نے بھجوائے ہیں۔ آپ نے اس خادم سے کہا، یہ سب واپس لے جاؤ اور اپنی مالکہ سے کہو کہ میں نے جو کچھ کہا محض رضائے الہی کے لیے کہا، یہ میرا دینی فرض تھا۔“ (ایضاً: ۲۲۷)

عباسی خلیفہ منصور نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کو بغداد بلا کر چیف جسٹس کا عہدہ قبول کرنے کا حکم دیا تو آپ نے انکار کر دیا۔ آپ کے انکار پر خلیفہ نے قسم کھائی کہ میں ضرور ایسا کروں گا۔ اس پر امام اعظم رحمہ اللہ نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ خلیفہ کے وزیر نے کہا، آپ امیر المومنین کی قسم پر قسم کھاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، ہاں کیونکہ امیر المومنین مجھ سے زیادہ آسانی سے اپنی قسم کا کفارہ ادا کر سکتے ہیں۔ خلیفہ کے دربار میں قاضی القضاۃ یعنی چیف جسٹس کا منصب قبول کرنے پر بڑی بحث ہوئی۔ امام اعظم رحمہ اللہ نے یہ تک فرما دیا، تم تو ایسے شخص کو قریب لایا کرتے ہو جو تمہاری ہاں میں ہاں ملائے اور ہر حال میں تمہاری تکریم کرے اور میں اس کام کے لیے بالکل موزوں نہیں۔ (تبیض الصحیفہ: ۳۷)

جب کوئی عذر قبول نہ ہوا تو آپ نے خلیفہ سے کہا، بات یہ ہے کہ میں اس منصب کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ خلیفہ نے کہا، آپ جھوٹ بولتے ہیں۔ آپ یقیناً اسکی اہلیت و صلاحیت رکھتے ہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے استغناء اور بے نیازی کے ساتھ جواب دیا، ”اب تم خود اپنے دل سے فیصلہ کر لو کہ ایک جھوٹا شخص چیف جسٹس کیونکر مقرر کیا جاسکتا ہے۔“ یہ سن کر خلیفہ منصور لا جواب ہو گیا اور اس نے آپ کو کورے لگوائے۔ (مناقب للموفق: ۴۳۱)

بنو امیہ کے دور میں کوفہ کا گورنر خالد بن عبداللہ جمعہ کے خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھا تو تقریر میں ایسا لگن ہوا کہ ظہر کا آخری وقت آ گیا اور عصر کا وقت نہایت قریب ہو گیا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے گورنر کی طرف کنکریاں پھینکتے ہوئے کہا، الصلوٰۃ الصلوٰۃ۔ نماز تو

پڑھ لی گئی مگر اس گستاخی پر آپکو گرفتار کر لیا گیا۔ گورنر نے پوچھا، آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا، نماز کسی کا انتظار نہیں کرتی، اللہ کی کتاب اور شریعت کے احکام پر عمل کرنے کا آپ پر زیادہ حق ہے۔ اگر آپ ہی اسے پامال کرتے رہے تو عوام کا کیا بنے گا۔ (ایضاً: ۱۳۱)

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رو باہی
والدین سے حسنِ سلوک:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے والد گرامی آپکے بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے جبکہ آپکی والدہ ایک مدت تک زندہ رہیں۔ آپ اپنی والدہ سے بے حد محبت کرتے اور انکی خوب خدمت کرتے۔ آپکی والدہ شکی مزاج تھیں اور عام عورتوں کی طرح انہیں بھی واعظوں اور قصہ گوئی کرنے والے خطیبوں سے عقیدت تھی۔

کوفہ کے مشہور واعظ عمرو بن ذر اور قاضی زرعہ پر انہیں زیادہ یقین تھا اسلیے کوئی مسئلہ پوچھنا ہوتا تو امام اعظم رحمہ اللہ کو حکم دیتیں کہ عمرو بن ذر سے پوچھ آؤ۔ آپ اپنی والدہ ماجدہ کے ارشاد کی تعمیل کے لیے انکے پاس جاتے۔

وہ بیچارے سراپا عذر بن کر عرض کرتے، حضور! آپ کے سامنے میں کیسے زبان کھول سکتا ہوں۔ اور اکثر ایسا ہوتا کہ عمرو کو کوئی مسئلہ کا جواب نہ آتا تو امام اعظم رحمہ اللہ سے درخواست کرتے، ”آپ مجھ کو جواب بتا دیں تاکہ میں اسی کو آپ کے سامنے دہرا دوں۔“ آپ جواب دیتے تو وہ اسے آپکے سامنے دہرا دیتے اور پھر وہی جواب امام اعظم رحمہ اللہ اپنی والدہ کو آکر بتا دیتے۔ (الخیرات الحسان: ۱۹۶)

آپکی والدہ کبھی کبھی اصرار کرتیں کہ میں خود چل کر پوچھوں گی چنانچہ وہ خچر پر سوار ہوتیں اور امام اعظم رضی اللہ عنہ پیدل ساتھ جاتے حالانکہ آپ کا گھر وہاں سے کئی میل دور تھا۔ وہ خود مسئلہ بیان کرتیں اور اپنے کانوں سے جواب سن لیتیں تب اطمینان

ہوتا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ایک دن میں نے دیکھا کہ امام اعظم رحمہ اللہ اپنی والدہ کو خچر پر بٹھائے عمرو بن ذر کے پاس جا رہے تھے تاکہ آپ سے کسی مسئلہ پر گفتگو کر سکیں۔ آپ اپنی والدہ کی خواہش پر لے جا رہے تھے ورنہ آپ کو معلوم تھا کہ عمرو بن ذر کا کیا مقام ہے۔ یہ سب اپنی والدہ کی خواہش کے احترام کے پیش نظر تھا۔
(مناقب للموفق: ۲۹۳)

ایک بار آپ کی والدہ نے آپ سے فتویٰ پوچھا۔ آپ نے فتویٰ تحریر فرمادیا۔ وہ بولیں، میں تو وہی فتویٰ قبول کروں گی جو زرعہ لکھیں گے۔ چنانچہ آپ اپنی والدہ کی دلجوئی کے لیے زرعہ کے پاس گئے اور فرمایا، میری والدہ آپ سے یہ فتویٰ پوچھتی ہیں۔ تو انہوں نے کہا، آپ زیادہ بڑے فقیہ ہیں آپ فتویٰ دیجئے۔ آپ نے فرمایا، میں نے یہ فتویٰ دیا ہے لیکن وہ آپ سے تصدیق چاہتی ہیں تو زرعہ نے لکھ کر کہا، فتویٰ وہی صحیح ہے جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے دیا تھا۔ اس تحریر سے وہ مطمئن ہو گئیں۔ (ایضاً)

جب امام اعظم رضی اللہ عنہ کو عباسی خلیفہ نے چیف جسٹس مقرر کرنا چاہا تو آپ نے انکار کیا۔ اس پر آپ کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ جلا دروزانہ جیل سے نکال کر آپ کو لوگوں کے سامنے کوڑے مارتے اور کہتے کہ چیف جسٹس کا منصب قبول کر لیں مگر آپ انکار کرتے۔ ایک دن کوڑے کھاتے کھاتے رو پڑے۔ وجہ پوچھی گئی تو فرمایا، میں اپنی تکلیف کی وجہ سے نہیں رویا مجھے اپنی والدہ یاد آ گئیں کہ وہ میری جدائی میں کس قدر مغموم ہو گئی۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب میری والدہ میرے خون آلود چہرے کو دیکھیں گی تو انہیں کتنا دکھ ہوگا۔ (ایضاً)

امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جب مجھے کوڑے لگائے جاتے تھے تو میری والدہ مجھے کہا کرتی تھیں، ابو حنیفہ! تجھے علم نے اس قوت برداشت تک پہنچا دیا ہے۔ تم اس علم کو چھوڑو اور عام دنیا والوں کی طرح کام کرتے جاؤ۔ میں نے کہا، امی جان! اگر میں علم

چھوڑ دوں تو اللہ تعالیٰ کی رضا کس طرح حاصل کروں گا۔“

آپ فرماتے تھے، میں اپنے والدین کے ایصالِ ثواب کے لیے ہر جمعہ کے دن بیس درہم خیرات کرتا ہوں، اور اس بات کی میں نے منت مانی ہوئی ہے۔ دس درہم والد اور دس درہم والدہ کے لیے خیرات کرتا ہوں۔ ان مقررہ درہموں کے علاوہ آپ اپنے والدین کے لیے فقراء و مساکین میں اور بھی چیزیں صدقہ کرتے تھے۔ (ایضاً: ۲۹۴)

پڑوسیوں سے حسن سلوک:

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے پڑوس میں ایک موچی رہتا تھا، جو دن میں محنت مزدوری کرتا اور شام کو بازار سے گوشت اور شراب لیکر آتا۔ گوشت بھون کر کھاتا اور شراب پیتا۔ جب شراب کے نشے میں دھست ہو جاتا تو خوب غل مچاتا اور بلند آواز سے یہ شعر پڑھتا رہتا، ترجمہ: ”لوگوں نے مجھ کو ضائع کر دیا اور کتنے بڑے باکمال نوجوان کو کھو دیا جوڑائی اور صف بندی کے دن کام آتا۔“

امام صاحب روزانہ اسکی آواز سنا کرتے اور خود تمام رات عبادت میں مشغول رہتے۔ ایک رات آپ نے اسکی آواز نہ سنی تو صبح لوگوں سے اس کے متعلق پوچھا۔ بتایا گیا کہ اسے کل رات سپاہیوں نے پکڑ لیا ہے اور وہ قید میں ہے۔ امام صاحب نماز فجر کے بعد گورنر کے پاس پہنچے۔ گورنر نے بڑے ادب سے عرض کی، حضور آپ یہاں کیسے تشریف لائے؟ آپ نے فرمایا، میرے پڑوسی کو کل رات آپ کے سپاہیوں نے پکڑ لیا ہے، اسے چھوڑ دیجئے۔ گورنر نے حکم دیا، وہ قیدی اور اسکے ساتھ کے تمام قیدی چھوڑ دیے جائیں۔ پھر قیدیوں سے کہا، تم سب کو امام ابو حنیفہ کی وجہ سے رہائی مل رہی ہے۔

امام اعظم رحمہ اللہ نے اپنے پڑوسی نوجوان سے فرمایا، ”ہم نے تم کو ضائع تو نہیں کیا۔“ آپ کا اشارہ اسکے شعر کی طرف تھا، اس نے عرض کی، نہیں بلکہ آپ نے میری حفاظت فرمائی اور میری سفارش کی، اللہ تعالیٰ آپ کو جزا دے، آپ نے ہمسایہ کے حق

کی رعایت فرمائی، پھر اس نے توبہ کر لی اور نیک بن گیا۔ (تبیض الصغیرہ: ۳۹)

امام اعظم رضی اللہ عنہ اپنے پڑوسیوں سے حسن سلوک اور رواداری میں بے مثال تھے۔ آپ کی ہمیشہ یہ خواہش رہتی تھی کہ آپ سے سب لوگوں کو نفع ہو۔ آپ ایک بار کوفہ کے گورنر کے پاس تشریف لے گئے وہاں دیکھا کہ ایک شخص کو گورنر قتل کی دھمکیاں دے رہا ہے۔ اس شخص نے دیکھا کہ گورنر نے امام صاحب رحمہ اللہ کی بڑی عزت کی ہے تو کہنے لگا، یہ صاحب مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ گورنر نے پوچھا، کیا آپ اس شخص کو جانتے ہیں؟ اگرچہ آپ اسے نہیں جانتے تھے مگر آپ نے فرمایا، یہ تو وہی ہے جو اذان دیتے ہوئے آواز نکھینچ کر کہتا ہے لا الہ الا اللہ۔ اس نے عرض کی، جی میں وہی ہوں۔ آپ نے فرمایا، اچھا مجھے اذان تو بناؤ تا کہ میں تمہاری آواز پہچان لوں۔ اس نے پوری اذان سنائی۔ تو امام اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا، یہ اچھا آدمی ہے اسے چھوڑ دو۔ گورنر نے اسے رہا کر دیا۔

اس واقعہ سے امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کی بے پناہ ذہانت واضح ہوتی ہے۔ آپ نے اذان اس لیے سنی تا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی شہادت کی گواہی دے۔ اور یوں آپ نے اس شہادت کی برکت اور اپنی ذہانت سے ایک بے گناہ کو قتل سے بچا لیا۔

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک سے متعلق علامہ موفق رحمہ اللہ نے چند اشعار تحریر کیے ہیں جن میں۔

”ارکا ترجمہ یہ ہے، ”امام اعظم رحمہ اللہ کا ہمسایہ ہمیشہ خوشحال رہتا ہے کیونکہ آپ سے اسے حقوق اچھی طرح ادا کرتے ہیں۔ آپ اپنے احسان و کرم کے لیے کسی خاص ہمسائے سے ہی حسن سلوک نہیں کرتے تھے بلکہ ہر ہمسایہ آپ کے سایہ کرم میں رہتا تھا۔“ (مناقب: ۲۴۴)

اساتذہ کا ادب:

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، جب سے میرے استاد امام حماد رحمہ اللہ کا وصال

ہوا ہے، میں ہر نماز کے بعد انکے لیے دعائے مغفرت کرتا ہوں اور میں نے کبھی انکے گھر کی طرف اپنے پاؤں نہیں پھیلانے حالانکہ میرے اور انکے گھر کے درمیان کئی گلیاں ہیں۔ (الخیرات الحسان: ۱۹۷)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا، میں اپنے استاد حماد رحمہ اللہ اور اپنے والد رحمہ اللہ کے لیے استغفار کرتا ہوں، بلکہ میں اپنے ہر استاد کے لیے استغفار کرتا ہوں جس نے مجھے ایک لفظ بھی پڑھایا۔ اسی طرح اپنے ہر شاگرد کے لیے بھی استغفار کرتا ہوں۔ (مناقب للموفق: ۲۹۵)

علامہ موفق رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”امام اعظم رحمہ اللہ جب کسی کے لیے دعا کرتے تو حضرت حماد رحمہ اللہ کا نام سب سے پہلے لیتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے، والدین بچے کو جہنم دیتے ہیں مگر استاد اسے علم و فضل کے خزانے دیتا ہے۔“ (ایضاً: ۲۹۶)

یہ آپ کے حسن تربیت کا نتیجہ تھا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے تھے، میں اپنے والدین سے پہلے اپنے استاد امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے لیے ہر نماز کے بعد استغفار کرتا واجب جانتا ہوں کیونکہ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے والدین کے ساتھ اپنے استاد کے لیے بھی بلا ناغہ استغفار کرتا ہوں۔ (ایضاً)

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے اساتذہ اور شیوخ کی تعداد چار ہزار بیان ہوئی ہے۔ آپ اپنے اساتذہ کرام کا محبت و عقیدت سے ذکر فرماتے اور اکثر کی خدمت میں ہدیے اور تحائف بھیجتے۔ آپ کے اساتذہ اور شیوخ بھی آپ سے بہت محبت فرماتے۔ آپ کو اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم سے خاص محبت تھی۔ آپ نے امام محمد بن علی بن حسین بن علی المعروف امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے بھی اکتساب فیض کیا۔ ایک بار انکی خدمت میں حاضر ہوئے تو امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ابو حنیفہ! ہم سے کچھ پوچھیے۔ آپ نے چند سوالات دریافت کیے اور پھر اجازت لے کر وہاں سے رخصت ہوئے تو

امام باقر رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے فرمایا۔ ”ابو حنیفہ کے پاس ظاہری علوم کے خزانے ہیں اور ہمارے پاس باطنی و روحانی علوم کے ذخائر ہیں۔“ (ایضاً: ۱۹۲)

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ امام باقر رضی اللہ عنہ سے علمی گفتگو کر کے رخصت ہوئے تو امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ”ان کا طریقہ اور انداز کتنا اچھا ہے اور انکی فقہ کتنی زیادہ ہے۔“ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ۱۹۵)

امام اعظم رحمہ اللہ مسجد حرام میں بیٹھے تھے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ امام اعظم نے آپ کو پہلے نہیں دیکھا تھا مگر سمجھ گئے کہ یہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ہیں۔ تعظیم کے لیے آگے بڑھے اور عرض کی، اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ آرہے ہیں تو میں پہلے ہی سے استقبال کے لیے کھڑا رہتا۔ اب جب تک آپ تشریف فرما رہیں گے میں تعظیماً کھڑا رہوں گا۔ آپ نے فرمایا، ”بیٹھ جائیے اور لوگوں کے مسائل کا جواب دیجیے۔“ اس خاص تعظیم کی وجہ محبت اہلبیت تھی۔ (مناقب للموفق: ۳۶۵)

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے زمانے میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو فقیہ نہیں دیکھا۔ ایک بار جب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ ابو جعفر منصور کے دربار میں بلایا گیا تو آپ نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو بھی دربار میں بلوایا تاکہ سوال و جواب کی صورت میں علمی گفتگو کے ذریعے خلیفہ کی اصلاح کی جائے۔ آپ نے 40 سوالات کیے جن کے مدلل جوابات امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمائے۔ (ایضاً: ۱۳۳)

آپ نے طریقت کے مراحل امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے دو سال میں طے کیے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا ہے، ”اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتا۔“ (مقدمہ سوانح بے بہائے امام اعظم: ۴۱)



باب سوم (3)

امام اعظم کی عقل و ذہانت:

عقل و دانائی اور ذہانت و تدبیر امام اعظم رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے وہ نمایاں اوصاف ہیں جن کا موافق و مخالف بھی نے اقرار کیا ہے۔ مجدد دین و ملت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ، امام ابن حجر رحمہ اللہ کے حوالے سے فرماتے ہیں،

امام علی بن عاصم رحمہ اللہ کا قول ہے، اگر روئے زمین کے آدھے انسانوں کے ساتھ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی عقل کو تولا جائے تو امام اعظم کی عقل وزنی نکلے گی۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا، کسی عورت نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ جیسا کوئی نہ جانا۔

بکر بن حبیش رحمہ اللہ نے فرمایا، اگر امام اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے تمام معاصرین کی عقلوں کا موازنہ کیا جائے تو امام اعظم کا پلہ بھاری رہے گا۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱: ۱۲۳، مطبوعہ لاہور)

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ذہانت سے متعلق چند واقعات امام موفق بن احمد کی رحمہ اللہ کی کتاب ”مناقب الامام“ اور امام ابن حجر کی رحمہ اللہ کی کتاب ”الخیرات الحسان“ سے پیش خدمت ہیں:-

01۔ پانی گرایا تو طلاق:

ایک شخص کا اپنی بیوی سے جھگڑا ہو گیا۔ اس کی بیوی پانی کا پیالہ اٹھائے آرہی تھی، اس شخص نے کہا کہ اگر تم نے اس پیالے سے پانی پیا تو تجھے تین طلاق، اگر اسے زمین پر گرایا تو تجھے تین طلاق، اور اگر اسے کسی اور کو پینے کے لیے دیا تو بھی تجھے تین طلاق۔ جب غصہ رفو ہوا تو خوب پچھتایا اور علماء کے پاس دوڑا۔ علماء نے اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی مگر کوئی جواب نہ بن پڑا۔ آخر کار امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا، اس پیالہ میں کپڑا ڈال کر بھگولو، اس طرح تمہاری شرط

بھی پوری ہو جائے گی اور عورت طلاق سے بچ جائے گی۔

02۔ روشندان ناجائز اور دیوار توڑ نا؟

ایک شخص نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ میں اپنے ہمسائے کے گھر کی طرف روشندان کھولنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا، روشندان کھول لو۔ روشندان کھل گیا تو اس کا ہمسایہ قاضی ابن ابی لیلیٰ کے پاس لے گیا، قاضی نے کہا، تم بند کر دو، اسے روشندان کھولنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ وہ شخص امام اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور صورتحال سے آگاہ کیا۔ آپ نے فرمایا، کوئی بات نہیں۔ اب جس دیوار پر روشندان ہے اس کو توڑ دو، اس کی قیمت میں ادا کر دوں گا۔ وہ دیوار اس کی تھی اس لیے وہ اسے توڑنے لگا۔ اسے حق پہنچتا تھا کہ اپنی دیوار توڑ دے اور کوئی دوسرا اسے روک نہیں سکتا تھا۔ اب اس کا مخالف ہمسایہ دوڑا دوڑا قاضی کے پاس پہنچا اور واقعہ بیان کیا۔

ابن ابی لیلیٰ نے کہا، دیوار اس کی ہے وہ اپنی دیوار توڑنے اور مرمت کرنے کا حق رکھتا ہے اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ اس شخص نے کہا، آپ نے تو پہلے دریچہ کھولنے سے روکا تھا جو ایک معمولی بات تھی، مگر پوری دیوار توڑنے پر آپ اسے جائز قرار دے رہے تھے۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا، بات یہ ہے کہ تمہارا ہمسایہ اس شخص کے پاس جاتا ہے جو میرے فیصلوں کو غلط ثابت کرنے میں کمال رکھتا ہے۔ یہاں ابن ابی لیلیٰ نے نہ صرف امام اعظم رضی اللہ عنہ کی علمی برتری کا اعتراف کیا بلکہ اپنی غلطی کا اعتراف بھی کر لیا۔

03۔ رافضی اور یہودی کا رشتہ:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے شہر کوفہ میں ایک رافضی رئیس تھا۔ بڑا مال و دولت رکھتا تھا، مگر وہ اپنی مجالس میں برملا کہتا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہودی تھے (معاذ اللہ)۔ آپ اس کے ہاں تشریف لے گئے، وہ امام صاحب کے علمی اور معاشرتی مقام سے واقف تھا۔ باتوں باتوں میں آپ نے اس رافضی کو کہا، آج میں تمہاری بیٹی کے لیے ایک رشتہ لایا ہوں، وہ

سید زادہ ہے اور بڑا دولت مند ہے۔ کتاب اللہ کا حافظ ہے اور رات کو اکثر حصہ بیدار رہ کر نوافل ادا کرتا ہے۔ وہ شب بھر میں سارا قرآن ختم کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈرتا ہے، رافضی نے کہا، حضور ایسا رشتہ پھر ملنا مشکل ہے آپ جلدی کیجئے، اس میں رکاوٹ کوئی ہے، مجھے ایسے داماد کی بے حد ضرورت ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اس میں ایک خصلت ایسی ہے جسے آپ ناپسند کریں گے۔ اس نے پوچھا، وہ کوئی خصلت ہے؟ فرمایا کہ وہ مذہباً یہودی ہے۔ رافضی نے کہا کہ آپ عالم ہو کر مجھے یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ میں ایک یہودی سے اپنی بیٹی بیاہ دوں۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم ایک امیر اور شریف یہودی سے اپنی بیٹی بیاہنا پسند نہیں کرتے تو کیا نبی کریم ﷺ ایسے شخص سے اپنی دو بیٹیاں بیاہ سکتے تھے جو یہودی تھا۔ اس نے آپ کی باتیں سن کر توبہ کی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق اپنے اعتقاد سے رجوع کیا۔

04۔ چور کا نام بتانے پر طلاق:

ایک دن امام اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس ایک نہایت مغموم اور پریشان شخص حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ حضرت اِبرات کے وقت میرے گھر میں چور داخل ہو گئے، ان سے جس قدر مال اٹھایا جاسکتا تھا وہ اٹھا کر لے گئے۔ چوروں میں سے ایک کو میں نے پہچان لیا۔ وہ میرے محلے کا رہائشی تھا۔ اس کا مصلیٰ میری مسجد میں ہے اور وہ باقاعدہ نماز پڑھتا ہے۔ اس چور کو بھی معلوم ہو گیا کہ میں نے اسے پہچان لیا ہے، وہ آگے بڑھا اور مجھے رسیوں سے جکڑ لیا۔ اور مجھ سے قسم لی کہ اگر تم نے میرا نام افشاء کیا تو تیری بیوی کو تین طلاقیں ہوگی۔ پھر اس بات پر بھی حلف لیا کہ اگر تم نے میرا نام بتایا تو میرے گھر کا تمام مال اور سامان غربائے شہر کو تقسیم کرنا ہوگا، پھر اس نے کہا کہ میں اس کا نام بھی زبان سے نہ نکالوں، نہ اشارہ کروں، نہ صراحت کروں۔ مجھے ڈر ہے کہ اس قسم اور حلف کے بعد میں نے اگر اس کا نام کسی پر بھی ظاہر کیا تو میری بیوی کو طلاق ہو

جائے گی۔ میں اس واقعہ کا اللہ کو گواہ بنا کر سچ کہہ رہا ہوں۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اب تم جاؤ اور میرے پاس ایسے شخص کو بھیجو جس پر تمہیں پورا پورا اعتماد ہو۔ اس نے جا کر اپنے بھائی کو بھیجا۔ امام صاحب نے اس کے بھائی سے فرمایا کہ تم حاکم وقت کے پاس جاؤ اور سارا قصہ بیان کرو اور اپنے بھائی کی پریشانی اور مجبوری کا بھی ذکر کرو اور کہو کہ وہ پولیس بھیج دیں۔ پولیس حکم دے کہ مسجد کے دروازے سے تمام نمازی ایک ایک کر کے گزرتے جائیں۔ تم اپنے بھائی کو دروازے پر کھڑا کر دو، ہر ایک آدمی گزرتا جائے اور پولیس پوچھتی جائے کہ یہ تمہارا چور ہے؟ تمہارا بھائی ”نہیں“ کہتا جائے لیکن جب اصل چور گزرے تو تمہارا بھائی بالکل خاموش رہے۔ کوئی بات نہ کرے، کوئی اشارہ بھی نہ کرے، اس شخص کو پولیس گرفتار کرے اور حاکم کے سامنے پیش کرے۔ اس طرح امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ذہانت سے اسکی بیوی کو طلاق ہوئے بغیر چور پکڑا گیا اور اسکا چوری شدہ مال بھی واپس مل گیا۔

05۔ سیڑھی پر چڑھی یا اتری تو طلاق:

ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں یہ سوال کیا گیا کہ ایک شخص کی بیوی سیڑھی پر کھڑی ہے۔ اسکے شوہر نے جھگڑے کے دوران اس سے کہا، اگر تو اوپر چڑھی تو تجھے طلاق ہے اور اگر نیچے اتری تو تجھے طلاق ہے۔ تو اب آپ فرمائیے کہ اس مسئلہ کا کیا حل ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا، اس عورت سمیت سیڑھی اٹھالی جائے اور زمین پر رکھ دی جائے۔ اب عورت جہاں چاہے چلے پھرے، طلاق نہ ہوگی۔

06۔ اہل کوفہ کو قتل عام سے بچا لیا:

ضحاک بن قیس شیبانی حروری خارجیوں کا کمانڈر تھا۔ وہ عراق کے مختلف شہروں پر حملہ کرتا تو مسلمانوں کا قتل عام کر دیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ اپنے سپاہیوں کو لے کر کوفہ میں بھی آ پہنچا اور جامع مسجد کوفہ میں بیٹھ گیا اور ایک فرمان جاری کیا کہ کوفہ کے تمام

مردوں کو قتل کر دیا جائے اور بچوں کو قید کر لیا جائے۔ اس وقت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ چادر اور قمیض پہنے مسجد میں تشریف لائے اور ضحاک سے کہا، میں تم سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔ ضحاک نے پوچھا، کیا بات ہے؟ آپ نے پوچھا، تم لوگوں کو کیوں قتل کرنا چاہتے ہو اور بچوں کو قید کرنے کا حکم کیوں دے رہے ہو؟ اس نے کہا، یہ سب مرتد ہیں ان کے ارتداد کی یہی سزا ہے۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ارتداد تو ایک دین سے دوسرے دین کے اختیار کرنے کا نام ہے۔ تم بتاؤ وہ پہلے کس دین پر تھے اور اب کس دین میں شامل ہوئے ہیں، کیا اب وہ اپنے پہلے دین میں نہیں رہے؟ ضحاک نے کہا، اپنے سوال کو پھر دہرائیے۔ آپ نے فرمایا، یہ لوگ پہلے کس دین پر تھے جسے چھوڑ کر اب دوسرے دین کو اختیار کر رہے ہیں؟ ضحاک نے کہا، واقعی یہ میری غلطی ہے۔ اس نے لشکر کو حکم دیا کہ تلواریں میانوں میں کر لو اور کسی کو قتل نہ کیا جائے۔ یہ تھی امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ذہانت جس نے سارے کوفہ والوں کو قتل ہونے سے بچالیا۔

07۔ بیوی نہ بولی تو طلاق:

ایک مرتبہ امام اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی کا آدمی رات کے وقت جھگڑا ہو گیا تھا، آپ نے اپنی بیوی کو برا بھلا کہا اور سرزنش کی۔ جواب میں ناراضگی کے طور پر انکی بیوی نے ان سے بات کرنا چھوڑ دی۔ وہ گفتگو کرتے تو چپ رہتی اور کوئی جواب نہ دیتی۔ صبح ہوئی تو عورت کا رویہ وہی رہا۔ امام اعظم رحمہ اللہ نے غصہ میں کہا، اگر آج رات ختم ہونے تک تم نے مجھ سے بات نہ کی تو تمہیں طلاق ہے۔ وہ بھی بڑی ضدی تھی سارا دن بات نہ کی۔ رات ہوئی تو ان کی بیٹی نے کہا، ابا جان سے کوئی بات کرو تاکہ یہ مصیبت ٹل جائے مگر اس نے پھر بھی بات نہ کی اور خاموش رہی۔ اب امام اعظم رحمہ اللہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ منہموم بھی ہوئے۔ وقت گزرنے پر ان کی

پریشانی بڑھی کہ انکی بیوی دن طلوع ہونے پر مطلقہ ہو جائے گی۔ اسی فکر میں خیال آیا، کیوں نہ اپنی اس غلطی اور پریشانی کا حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا جائے۔ چنانچہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ سنا کر فرمایا، اگر وہ صبح تک میرے ساتھ نہ بولی تو اسے طلاق ہو جائے گی۔ وہ اس طریقہ سے مجھے چھوڑ دینا چاہتی ہے۔ ہم ایک طویل عرصے سے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں اور صاحب اولاد ہیں، آپ ایسا حل بتائیں جس سے معاملہ درست ہو جائے۔ آپ نے فرمایا، تسلی رکھیں آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا اور آپ مشکل سے نکل آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ آسانی پیدا فرمائے گا۔ آپ نے ایک آدمی کو بلایا اور اسے کہا کہ تم ان کے گھر کے پاس والی مسجد میں طلوع سحر سے پہلے اذان دے آنا۔ اس کے بعد امام اعظم رحمہ اللہ گھر چلے گئے اور مؤذن نے قبل از وقت اذان دے دی۔ عورت نے اذان سن کر کہا، شکر ہے، اس بداخلاق شخص سے جان چھوٹی۔ امام اعظم رحمہ اللہ نے کہا، تم مجھ سے علیحدہ نہیں ہوئی، ابھی صبح ہونے میں کافی وقت ہے۔ یہ تو ایک حیلہ تھا جس سے تم بات کرنے پر رضامند ہو گئی اب تم سے میرا رشتہ قائم رہے گا۔

08۔ قیمتی چیز بھول گیا:

ایک شخص نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی، حضور میں نے ایک قیمتی چیز گھر میں رکھی تھی مگر بھول گیا ہوں اس کے لیے بڑا پریشان ہوں، آپ کوئی تدبیر کریں۔ آپ نے فرمایا، یہ کوئی شرعی مسئلہ تو نہیں، میں کیا کروں۔ وہ شخص آپ کی بات سن کر رونے لگا اور عرض کی، حضور کوئی تدبیر نکالیں۔ تمام رفقاء آپ کے ساتھ اس شخص کے گھر گئے۔ آپ نے فرمایا، تم لوگ بھی اپنی قیمتی چیزیں چھپا کر رکھتے ہو۔ بتاؤ اگر یہ گھر تمہارا ہو تو کس حصہ میں چیز چھپاؤ گے۔ کسی نے کوئی جگہ بتائی، کسی نے کوئی جگہ بتائی، کسی نے ایک جگہ نشان بنایا، کسی نے ایک جگہ لگایا۔ آپ نے بھی ایک جگہ

نشان لگایا اور اسے کھودنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہیں سے اس شخص کی قیمتی چیز برآمد ہو گئی۔

09۔ بھولی چیز یاد آنے کا نسخہ:

اسی طرح ایک مرتبہ ایک شخص امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی، میں نے کچھ رقم ایک جگہ احتیاط سے رکھ دی تھی۔ اب مجھے سخت ضرورت ہے لیکن مجھے یاد نہیں آ رہا کہ کس جگہ رکھی تھی۔ آپ کوئی تدبیر فرمائیے۔ آپ نے فرمایا، تم آج ساری رات نماز پڑھو۔ اس نے جا کر نماز پڑھنی شروع کی تو تھوڑی ہی دیر بعد اسے یاد آ گیا کہ فلاں جگہ رقم رکھی تھی۔ چنانچہ اس نے رقم نکال لی۔ اگلے دن امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور عرض کی، حضور! آپ کی تدبیر سے مجھے رقم مل گئی۔ آپ نے فرمایا، شیطان کو یہ کب گوارا تھا کہ تم ساری رات نماز پڑھو اس لیے اس نے جلد یاد دلایا لیکن تمہارے لیے مناسب یہی تھا کہ تم رب تعالیٰ کے شکرے میں ساری رات نماز پڑھتے۔

10۔ انڈانہ کھانے کی قسم:

آپ کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا کہ ایک شخص نے یہ قسم کھائی تھی کہ وہ کبھی انڈانہ کھائے گا۔ پھر ایک دن اس نے یہ قسم کھالی کہ فلاں شخص کی جیب میں جو چیز ہے وہ ضرور کھائے گا پھر جب دیکھا تو اس شخص کی جیب میں سے انڈا نکلا، اب وہ اپنی قسم کیسے پوری کرے؟ اس پر امام اعظم نے فرمایا، اسے چاہیے کہ وہ انڈا مرغی کے نیچے رکھ دے اور جب چوزہ نکل آئے تو اسے پکا کر کھالے۔ اسکی قسم نہیں ٹوٹے گی۔

11۔ چور پکڑا گیا:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ایک پڑوسی کا پالتو مور چوری ہو گیا تو اس نے آپ سے شکایت کی اور اس سلسلے میں مدد کی درخواست بھی کی۔ اسے محلے ہی کے کسی شخص پر شبہ تھا۔

آپ نے فرمایا، تم خاموش رہو، میں کوئی تدبیر کرتا ہوں۔ آپ صبح کو مسجد تشریف لے گئے اور فرمایا، اس شخص کو شرم نہیں آتی جو اپنے پڑوسی کا مورچرا کر پھر نماز پڑھنے آتا ہے حالانکہ اس کے سر میں اس مور کا پر لگا ہوا ہوتا ہے۔ یہ سنتے ہی ایک شخص اپنا سر صاف کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا، اے بھائی! اس شخص کا مور اس کو واپس کر دو، چنانچہ اس نے وہ مور واپس کر دیا۔

12۔ ایک درہم کی تقسیم:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے ابن شہرمہ رحمہ اللہ سے دریافت کیا، ایک شخص کے پاس کسی کا ایک درہم اور دوسرے شخص کے دو درہم تھے۔ ان تین درہموں میں سے دو درہم اس سے گم ہو گئے۔ اب اس ایک درہم کا کیا کیا جائے؟ انہوں نے کہا، اس درہم کو دونوں میں مساوی طور پر نصف نصف تقسیم کر دیا جائے۔ ابن مبارک نے پھر یہ مسئلہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا۔

آپ نے فرمایا، ابن شہرمہ کا جواب درست نہیں کیونکہ تین درہم جب یکجا کر دیے گئے تو دونوں افراد کی شراکت ہو گئی۔ اب ضائع ہونے والے درہم دونوں کے ہیں یعنی ایک کا دو تہائی حصہ ضائع ہوا اور دوسرے کا ایک تہائی حصہ ضائع ہوا۔ پس باقی رہنے والے ایک درہم کے تین حصے کر دیے جائیں، دو تہائی دو درہم والے کو دیے جائیں اور ایک تہائی ایک درہم والے کو دیا جائے۔

13۔ کعبہ دیکھو تو یہ دعا مانگو:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ کعبۃ اللہ پر جب پہلی نظر پڑے تو جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔ اس موقع پر ہر شخص متردد ہوتا ہے کہ کون سی دعا مانگے اور کس دعا کو دوسری دعاؤں پر فوقیت دے۔ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی بے مثل ذہانت سے اس مسئلہ کا بھی نہایت شاندار حل بتایا ہے۔ جب امام اعظم رضی اللہ عنہ پہلی بار بیت اللہ شریف کی حاضری کے لیے گئے اور آپ کی پہلی نظر کعبہ شریف پر پڑی تو آپ نے یہ

ہونے کے متعلق کوئی پیغام دیا تو ان تمام صورتوں میں تمہیں طلاق۔ ان کی بیوی حیران رہ گئی کہ انہوں نے کیا کہہ دیا ہے۔ وہ سوچنے لگی کہ اب کیا کیا جائے۔ اسے کسی نے مشورہ دیا کہ اس مشکل سے صرف امام اعظم رضی اللہ عنہ ہی نکال سکتے ہیں تم ان کے پاس جا کر سارا واقعہ بیان کرو۔ چنانچہ وہ ان کے پاس آ گئی اور تمام واقعہ سنایا۔

آپ نے فرمایا کہ اس میں کیا مشکل ہے اس کا حل تو بہت ہی آسان ہے۔ تم رات کے وقت ان کے ازار بند کے ساتھ آٹے کا خالی تھیلا باندھ دینا وہ خود ہی محسوس کریں گے کہ آٹا ختم ہو گیا ہے۔ چنانچہ صبح کے اندھیرے میں جب وہ شلوار پہننے لگے تو انہیں ازار بند کے ساتھ کچھ چیز لپٹی ہوئی محسوس ہوئی جب دیکھا تو وہ آٹے کا خالی تھیلا تھا۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ گھر میں آٹا ختم ہو گیا ہے۔ یہ کیفیت دیکھ کر کہنے لگے، بخدا یہ ترکیب امام اعظم رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کو نہیں سوجھ سکتی۔ جب تک وہ زندہ ہے ہمیں شرمندہ کرتا رہے گا۔

19۔ قاضی صاحب کی چھ غلطیاں:

کوفہ کے قاضی ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ ایک دن عدالت سے فارغ ہو کر کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں انہوں نے دیکھا کہ ایک پاگل عورت کسی شخص سے جھگڑ رہی ہے اور گفتگو کے دوران اس نے اس شخص کو ”اے زانی اور زانیہ کے بیٹے“ کہہ دیا۔ قاضی صاحب نے اس عورت کو گرفتار کرنے کا حکم دیا اور پھر مجلس قضا میں واپس آ کر حکم دیا کہ اس عورت کو مسجد میں کھڑی کر کے درے لگائیں اور دو حدیں ماریں۔ یہ بات جب امام اعظم رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا، ابن ابی لیلیٰ نے اپنے فتویٰ میں کئی غلطیاں کی ہیں۔

وہ مجلس قضا سے اٹھ کر واپس آئے اور دوبارہ عدالت لگائی یہ آئین عدالت کے خلاف ہے۔ اس شخص کے ماں باپ کو گالیوں پر حدیں جاری کیں حالانکہ مدعی وہ شخص

نہیں بلکہ اس کے والدین ہونے چاہیے تھے۔ ایک ساتھ دو حدیں نافذ کی گئیں حالانکہ ایک ساتھ دو حدیں نافذ نہیں ہو سکتیں۔ عورت کو کھڑا کر کے حد قائم کی گئی حالانکہ عورت کو کھڑا کر کے حد نافذ نہیں کی جاسکتی۔ پاگل عورت پر حد قائم نہیں کی جاسکتی ہے کیونکہ وہ مرفوع العقل اور مرفوع العلم ہوتی ہے۔ مسجد میں حد قائم کی حالانکہ مسجد میں حد قائم نہیں کی جاسکتی۔ علی بن عیسیٰ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی فقہی بصیرت سے ہم حیران رہ گئے۔

20۔ بیویاں تبدیل ہو گئیں:

کوفہ میں ایک امیر شخص نے بڑی دھوم دھام سے اپنی دو بیٹیوں کا دو سکے بھائیوں سے نکاح کیا۔ رات کو غلطی سے وہیں بدل گئیں یعنی ایک بھائی کی منکوحہ دوسرے کے پاس اور دوسرے کی منکوحہ پہلے کے پاس چلی گئی۔ دونوں نے شب باشی کی۔ صبح ہوئی تو یہ راز فاش ہوا اور ہر ایک کو سخت پریشانی ہوئی۔ ولیمہ کی دعوت میں اکابر علماء مدعو تھے۔ میزبان نے یہ مسئلہ علماء کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے کہا، ”ہر شخص نے جس سے وطی کی ہے اسے مہر دے اور پھر اپنی زوجہ واپس لے لے اور دوسری مرتبہ اسے مہر دے۔ اس سے انکے نکاح میں کچھ فرق نہیں آیا۔“ امام مسعر بن کدام رحمہ اللہ، امام اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اس مسئلہ کا حل پوچھا۔

آپ نے ان دونوں بھائیوں کو جن کا نکاح ہوا تھا علیحدہ علیحدہ بلایا اور ان سے پوچھا کہ رات جوڑ کی تمہارے ساتھ رہی، اگر وہی تمہارے نکاح میں رہے تو کیا تمہیں پسند ہے؟ ہر ایک نے کہا، ہاں مجھے پسند ہے۔ تو آپ نے فرمایا، تم دونوں اپنی اپنی بیوی کو یعنی جس سے تمہارا نکاح ہوا، اسے طلاق دید اور پھر جس سے وطی کی ہے اس سے نکاح کر لو۔ شرعاً مسئلہ کا وہ حل بھی ٹھیک تھا جو سفیان ثوری رحمہ اللہ نے بتایا مگر اس سے کئی خرابیاں پیدا ہوتیں۔ ایک تو دل میں اس سے تعلق برقرار رہتا جس سے وطی کی اور دوم

یہ بات غیرت و حمیت کے خلاف ہوتی اور اس طرح ازدواجی رشتہ مستحکم بنیاد پر قائم نہ ہوتا۔ امام اعظم نے مصلحت و حکمت پر مبنی حل بتایا جس سے لوگ عیش و عشرت سے باز آئے۔
 امام مسعر رحمہ اللہ نے اٹھ کر امام اعظم کی پیشانی چوم لی اور فرمایا، ”لوگو! مجھے اس شخص کی محبت میں ملامت کرتے ہو مگر آج اس شخص نے مجھے اور سفیان، ثوری، ربیعہ اللہ کو بھی مطمئن کر دیا ہے، اللہ اسے خوش رکھے۔“

امام اعظم کی حاضر جوابی:

علامہ ذہبی شافعی، امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی ذہانت کے متعلق فرماتے ہیں، کان من اذکباء بنی آدم۔ یعنی ”اولادِ آدم میں جو لوگ نہایت عقلمند گزرے ہیں، امام اعظم انہیں میں سے ایک ذہین ترین شخص تھے۔“

کسی حاسد کی سازش کو اپنی عقل و دانش سے ناکام بنا دینا یا فوری طور پر کسی معاملہ کی تہہ تک پہنچ جانا یا اپنی حاضر جوابی سے کسی کو ہدایت کا راستہ دکھا دینا، یہ سب امام اعظم رضی اللہ عنہ ہی کی عقل و دانش کے جلوے ہیں۔

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی حاضر جوابی سے متعلق چند واقعات امام موفق بن احمد مکی رحمہ اللہ کی کتاب ”مناقب الامام“ اور امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ کی کتاب ”الخیرات الحسان“ سے پیش خدمت ہیں:-

21۔ حق معلوم ہو جائے تو مان لو:

امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دن امام اعظم رضی اللہ عنہ اور ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ ایک جگہ بیٹھے تھے، امام اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مسئلہ میں ایسی گفتگو شروع کی کہ ابن ابی لیلیٰ کو مزید بات کرنے کی گنجائش نہ ملی، مگر وہ اپنے علم کی گرمی میں کہتے رہے، میں اپنے نظریے سے رجوع نہیں کروں گا۔ آپ نے فرمایا، اگر اس مسئلے میں خطا یا غلطی سامنے آئے تو بھی رجوع نہیں کرو گے؟ ابن ابی لیلیٰ نے کہا، یہ تو میں نے نہیں

کہتا۔ پھر امام صاحب نے فرمایا، آپ اپنی غلطی تسلیم کریں یا نہ کریں مگر میں نے آپ کی غلطی واضح کر دی ہے۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا، مجھے پھر سوچنے دو۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حق و صواب معلوم کر لینے کے بعد مزید سوچنے کی گنجائش نہیں رہتی۔

22۔ حق کی تعمیل میں پوچھنا کیوں؟

ابوالعباس طوسی، امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مخالفین میں سے تھا۔ امام بھی جانتے تھے کہ اس کے خیالات کیا ہیں۔ ایک دن حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ عباسی خلیفہ کے دربار میں بیٹھے تھے اور بھی بیٹھا لوگ موجود تھے۔ طوسی نے کہا کہ آج میں ابو حنیفہ کو قتل کرادوں گا۔ وہ امام اعظم رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوا، امیر المومنین کبھی ہم میں سے کسی کو حکم دیتے ہیں کہ وہ کسی کو قتل کر دے۔ اور ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ وہ واقعی مجرم ہے یا نہیں۔ ایسی صورت میں ہمیں خلیفہ کا حکم ماننا چاہیے یا نہیں؟ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے ابوالعباس! امیر المومنین حق کا حکم دیتے ہیں یا باطل کا؟ اس نے مجبوراً کہا، جوتاکا۔ آپ نے فرمایا، پھر حق کی تعمیل میں پوچھنا کیوں؟ طوسی، امام اعظم رضی اللہ عنہ کو جس جال میں پھنسانا چاہ رہا تھا آپ کی حاضر جوابی سے خود اسی جال میں پھنس گیا۔

23۔ آپ کے شاگردوں کی حاضر جوابی:

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کو فے کے قاضی تھے۔ کوفہ میں ان کا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی طرح کا اثر قائم نہ ہو سکا تو کہا کرتے تھے، ”تعجب ہے کہ کوفہ والے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے اشاروں پر کیوں حرکت کرتے ہیں؟“۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد بھیجے جن میں امام زفر اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما بھی تھے۔ انھوں نے قاضی صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کی رائے اس شخص کے بارے میں کیا ہے جو دو اشخاص کا مشترکہ غلام ہو اور ایک نے اسے آزاد کر دیا ہو۔ قاضی صاحب نے کہا، ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں دوسرے شریک کو نقصان پہنچا ہے جس کی حدیث میں ممانعت ہے۔

انہوں نے دریافت کیا، اگر دوسرا شریک آزاد کر دے تو؟ قاضی صاحب نے کہا، یہ جائز ہے اب غلام آزاد ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا، آپ نے خود اپنے قول کی مخالفت کر دی۔ کیونکہ جب ایک شریک نے آزاد کیا تو آپ کے نزدیک اس کا آزاد کرنا بیکار تھا چنانچہ وہ غلام ہی رہا۔ اب دوسرے نے اس کو بحالت غلامی آزاد کیا تو صرف اس کے آزاد کرنے سے وہ کیونکر آزاد ہو سکتا ہے؟ قاضی صاحب یہ سن کر خاموش ہو گئے۔

24۔ قبر میں کیا کہو گے؟

ایک دن عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ کے پاس لوگوں کا مجمع تھا اور وہاں امام اعظم رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما تھے۔ ایک شخص نے ایمان کے بارے میں گفتگو کا آغاز کیا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا، کیا تو مومن ہے؟ اس نے کہا، مجھے امید ہے کہ میں مومن ہوں۔ (اس دور میں بعض لوگ خود کو قطعی طور پر اور یقین سے مومن نہیں کہتے تھے) آپ نے فرمایا، اگر قبر میں منکر نکیر نے تمہارے ایمان کے بارے میں سوال کیا تو کیا وہاں بھی یہی کہو گے؟ وہ شخص حیران ہو گیا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے کس قدر آسان طریقے سے یہ علمی مسئلہ حل کر دیا ہے۔

25۔ خلیفہ کی بیعت مؤثر نہیں:

ایک دن خلیفہ منصور عباسی نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کو دربار میں بلایا۔ منصور کا پرسنل سیکریٹری ربیع آپ کا مخالف تھا اور آپ کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتا تھا۔ اس نے منصور سے کہا، یہی وہ شخص ہے جو آپ کے جد امجد (عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما) کی مخالفت کرتا ہے۔ آپ کے دادا فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص قسم کھا کر استثناء کرے یعنی ایک یا دو دنوں کے بعد انشاء اللہ کہہ لے تو وہ قسم میں داخل سمجھا جائے گا اور قسم کا پورا کرنا ضروری نہ ہوگا، مگر ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ انشاء اللہ کا لفظ قسم کے ساتھ ہو تو قسم کا حصہ ہے ورنہ بیکار و بے اثر ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، امیر المومنین! ربیع کا یہ خیال ہے کہ آپ کے تمام لشکر کی بیعت آپ کے ساتھ مؤثر نہیں۔ خلیفہ نے کہا، وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا، انکا خیال ہے کہ لوگ آپ کے ہاں بیعت کی قسم تو کھاتے ہیں مگر بعد میں گھروں میں جا کر استثناء کر لیتے ہیں یعنی انشاء اللہ کہہ لیتے ہیں، اس طرح ان کی قسمیں بے اثر ہو جاتی ہیں اور ان پر شرعاً کچھ مؤاخذہ نہیں رہتا۔ یہ سن کر خلیفہ منصور ہنس پڑا اور ربیع سے مخاطب ہو کر کہنے لگا، تم امام ابوحنیفہ کو نہ چھیڑا کرو، ان پر تمہارا ارادہ نہیں چل سکتا۔ جب دونوں باہر آئے تو ربیع کہنے لگا، آج تو آپ میری جان ہی لے چلے تھے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یہ تو تمہارا ارادہ تھا، میں نے تو صرف مدافعت کی ہے۔

26۔ طلاق میں شک ہو تو:

ایک شخص کو اپنی بیوی کی طلاق میں شک واقع ہوا تو اس نے قاضی شریک رحمہ اللہ سے مسئلہ دریافت کیا۔ جواب ملا، اُس کو طلاق دے کر رجوع کر لو۔ پھر اس نے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا، یہ کہہ دو کہ اگر میں نے تجھ کو طلاق دی ہے تو میں نے تجھ سے رجوع کیا، اور پھر امام زفر رحمہ اللہ سے دریافت کیا تو انھوں نے کہا، جب تک تمہیں طلاق کا یقین نہ ہو وہ تمہاری بیوی ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ سے ان تینوں جوابات کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا، ثوری نے تمہیں درع اور تقویٰ کی بات بتائی اور زفر نے ٹھیک فقہ کی بات کہی اور شریک، تو ان کی مثال ایسے شخص کی ہے جس سے کوئی پوچھے کہ مجھے پتہ نہیں کہ میرے کپڑے پر نجاست ہے یا نہیں تو وہ کہہ دے کہ کپڑے پر نجاست ہے آپ دھولیں۔

27۔ ایک رافضی سے مکالمہ:

کوفہ میں ایک بوڑھا رافضی تھا جو ہر وقت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دل آزاری اور طعن و تشنیع کرتا تھا۔ وہ ”شیطان الطاق“ کے نام سے مشہور تھا۔ بڑا باتونی اور بات سے

بات نکالنے والا تھا۔ ایک دن امام اعظم رضی اللہ عنہ حمام میں داخل ہوئے اور یہ رافضی وہاں پہنچ گیا اور کہنے لگا، ابوحنیفہ! تمہارے استاد فوت ہو گئے ہیں، شکر ہے ہم نے اس شخص سے نجات پائی۔ (حضرت امام حماد رضی اللہ عنہ کو فوت ہوئے ایک ماہ گزرا تھا) آپ نے فرمایا، ہمارے استاد تو فوت ہوتے رہیں گے مگر تمہارا استاد ہمیشہ زندہ رہے گا کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے مِنَ الْمُنْظَرِينَ کہہ کر مہلت دی ہے، وہ قیامت تک نہیں مرے گا۔ یہ بات سن کر وہ شیطان جس غسل خانے میں امام اعظم رضی اللہ عنہ نہا رہے تھے، ننگا ہو کر داخل ہو گیا۔ امام صاحب نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس نے کہا ابوحنیفہ! تم کب سے اندھے ہوئے ہو؟ فرمایا، جس دن سے اللہ تعالیٰ نے تیری غیرت اور حیا کو ختم کر دیا ہے۔ پھر آپ نے منہ پھیر لیا اور یہ شعر پڑھا،

ترجمہ: ”میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں اور میری نصیحت میں حکمت و دانائی ہے۔ میں ایسی کوئی بات نہیں کہوں گا جس میں بڑائی ہو۔ اے اللہ کے بندو! اپنے اللہ سے ڈرو، حمام میں ننگے نہ آ جایا کرو بلکہ کپڑا باندھ کر آ یا کرو۔“

28۔ قرأت خلف الامام پر مناظرہ:

ایک دن بہت سے لوگ جمع ہو کر آئے کہ وہ امام اعظم رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے پر مناظرہ کریں۔ آپ نے فرمایا، میں اتنے آدمیوں سے تو بیک وقت بات نہیں کر سکتا نہ ہی ہر ایک کی بات کا جواب دے سکتا ہوں۔ آپ ایسا کریں کہ سب کی طرف سے ایک سمجھ دار عالم مقرر کر لیں جو اکیلا مجھ سے بات کرے۔ انھوں نے ایک بڑا عالم منتخب کیا جو آپ سے بات کرے۔ آپ نے سب سے فرمایا، کیا یہ عالم جو بات کرے گا وہ آپ سب کی طرف سے ہوگی اور کیا اس کی ہارجیت آپ کی ہارجیت ہوگی؟ ان سب نے کہا، ہاں! ہم سب اس بات پر متفق ہیں۔ آپ نے فرمایا، جب تم نے یہ بات مان لی تو پھر تمہارا مسئلہ حل ہو گیا۔ تم نے میرے

موقف کو تسلیم کرتے ہوئے حجت قائم کر دی ہے۔ کہنے لگے، وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا، ”تم نے خود اپنی طرف سے ایک آدمی منتخب کیا اور فیصلہ کیا کہ اس کی ہر بات تمہاری بات ہوگی، اس کی ہر جیت تمہاری ہار جیت ہوگی، ہم بھی نماز کے دوران اپنا امام منتخب کرتے ہیں۔ اس کی قرأت ہماری قرأت ہوتی ہے، وہ بارگاہِ خداوندی میں ہم سب کی طرف سے نمائندہ ہوتا ہے۔“ انہوں نے آپ کی دلیل کو تسلیم کیا اور اپنے موقف سے دستبردار ہو گئے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے جو مسئلہ عقلی طور پر سمجھایا وہ دراصل اس حدیث کی تشریح ہے، ”جو امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت ہی اس کی قرأت ہے۔“ اس عنوان پر تفصیلی گفتگو نمازِ حنفی کے عنوان کے تحت کی جائے گی۔

29۔ طاقتور ترین صحابی کون؟

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کوفہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک رافضی مسجد میں آ گیا، جو کوفہ میں شیطان طاق (باتونی شیطان) کے نام سے مشہور تھا۔ اس نے آتے ہی پوچھا! ابو حنیفہ! تمام لوگوں میں طاقتور ترین انسان کون ہے؟ آپ نے فرمایا، ہمارے عقیدہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور تمہارے عقیدہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ۔ رافضی نے کہا، یہ تو آپ نے الٹی بات کہہ دی۔

آپ نے فرمایا، الٹی بات تو نہیں کہی، سچی بات کہی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس لیے سخت کہتا ہوں کہ انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اعلانِ خلافت کے بعد انہیں حقدارِ خلافت تسلیم کر کے ان سے برضا و رغبت بیعت کر لی۔ تم شیعہ کہتے ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور ساتھ ہی یہ کہتے ہو کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کا حق چھین لیا تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ اپنا حق لیتے۔ اس طرح تمہارے نزدیک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ زیادہ طاقتور تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ

پر غالب رہے۔ رافضی آپ کا جواب سن کر ہکا بکا رہ گیا اور مسجد سے کھسک گیا۔

30۔ دہریوں کو وجودِ خدا کا ثبوت دیا:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جہاں خارجی، رافضی اور دوسرے بدعتیہ لوگ موجود تھے وہاں بے دین، دہریے اور ملحد بھی موجود تھے۔ وہ چاہتے تھے جب بھی موقع ملے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیں۔ ایک دن آپ مسجد میں اکیلے تشریف فرما تھے۔ اچانک خارجیوں کا ایک گروہ اندر آ گیا اور آتے ہی آپ کے سامنے تلواریں اور چھریوں کی نمائش کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا، ٹھہر جاؤ پہلے میرے ایک سوال کا جواب دو پھر جو جی میں آئے کر لینا۔ آپ نے فرمایا،

مجھے بتاؤ، اس کشتی کے متعلق تم کیا کہو گے جو سامان سے لدی ہوئی دریا میں چل رہی تھی، اس کشتی کو طوفانی ہواؤں اور موجوں نے گھیر لیا مگر وہ اس کے باوجود اپنے راستے پر چلتی رہی حالانکہ اس کا کوئی ملاح یا چلانے والا نہیں تھا۔ اس پر ایسا کوئی آدمی بھی نہیں تھا جو کشتی کا رخ پھیر کر طوفانوں کی زد سے کسی دوسری طرف لے جائے۔ کیا تمہاری عقل یہ تسلیم کرتی ہے کہ اس کے باوجود کشتی طوفانوں کے درمیان سیدھی منزل کی طرف چلتی جائے۔ ان سب نے کہا، عقل نہیں مانتی۔ آپ نے فرمایا، جب تمہاری عقل یہ تسلیم نہیں کرتی، کہ ایک کشتی کسی چلانے والے یا ملاح کے بغیر طوفانوں میں اپنا راستہ خود نہیں بنا سکتی تو اتنی بڑی کائنات جس میں مختلف اقسام کے تغیرات اور طوفان ہیں، وہ کسی چلانے والے کے بغیر کس طرح قائم رہ سکتی ہے؟

آپ کی بات سن کر دہریے جو آپ کو قتل کرنے آئے تھے، لا جواب ہو گئے اور انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کے سامنے اپنے عقائد سے توبہ کر لی۔

31۔ خارجیوں کی توبہ:

ایک وقت آیا کہ خارجیوں نے کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ ان کے ایک دستے نے سب سے

پہلے امام اعظم رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر لیا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ کو فہ کے امام الائمہ ہیں۔ اگر آپ قابو آ گئے تو کسی دوسرے کو علمی مزاحمت کی جرأت نہ ہوگی۔ خارجیوں کا ایک عقیدہ یہ تھا کہ جو ان کے عقیدہ پر یقین نہیں رکھتا وہ مسلمان نہیں رہتا۔ انہوں نے کہا، تم کفر سے توبہ کرو۔ آپ نے فرمایا، میں ہر قسم کے کفر سے توبہ کرتا ہوں۔ انہوں نے آپ کو چھوڑ دیا۔ بعد میں چند لوگوں نے کہا، امام اعظم تمہیں جُل دے کر چھوٹ گئے وہ تو تمہیں کافر سمجھتے ہیں اور انہوں نے تمہارے کفر سے توبہ کی ہے۔

خارجیوں نے آپ کو گھر سے پھر گرفتار کر لیا اور پوچھا، آپ نے تو ان عقائد سے توبہ کی ہے جن پر ہم ہیں۔ آپ نے ان سے پوچھا، یہ بات تم نے لوگوں کے بھڑکانے پر گمان سے کہہ دی ہے یا ایمان اور یقین سے؟ انہوں نے کہا، ہم گمان سے کہہ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ تو ان بعض الظن اثم فرماتا ہے یعنی بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تم نے تو گناہ کیا ہے کہ مجھ پر بدگمانی کی اور تمہارا عقیدہ ہے کہ ہر گناہ کفر ہے پہلے تم اس کفر سے توبہ کرو۔

خارجیوں کے سردار نے کہا، اے شیخ آپ صحیح کہہ رہے ہیں ہم کفر سے توبہ کرتے ہیں مگر آپ بھی کفر سے توبہ کریں۔ آپ نے اعلان کیا، میں ہر کفر سے توبہ کرتا ہوں۔ اس پر خوارج نے آپ کو پھر چھوڑ دیا۔

آپ کے دوسری بار توبہ کرنے پر خارجی سمجھے کہ آپ نے اپنے کفریہ عقیدہ سے توبہ کا اعلان کیا ہے حالانکہ آپ نے تو دوبارہ بھی انہی کے کفریہ عقائد سے توبہ فرمائی تھی۔

32۔ خصی کے تین سوال:

ابو جعفر منصور عباسی خلیفہ کا ایک خادم امام اعظم رضی اللہ عنہ سے بغض اور کینہ رکھتا تھا اور جہاں بیٹھتا آپ کے خلاف گفتگو کرتا۔ خلیفہ کے منع کرنے پر بھی وہ باز نہ آیا۔ ایک دن اس نے منصور سے کہا کہ میں آپ کے سامنے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے تین سوال

کرنا چاہتا ہوں اگر انہوں نے صحیح جواب دے دیئے تو آئندہ انکی برائی نہیں کروں گا۔
منصور نے امام صاحب کو بلایا اور خادم کو کہا کہ سوال کرو۔ پہلا سوال یہ تھا کہ دنیا کا
درمیان (محور) کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا، وہ جگہ یہی ہے جہاں تو بیٹھا ہوا ہے۔ اس
نے دوسرا سوال کیا، دنیا میں سروں والی مخلوق زیادہ ہے یا پاؤں والی؟ آپ نے فرمایا،
سروں والی مخلوق زیادہ ہے۔ تیسرا سوال یہ کیا کہ اس کائنات پر مرد زیادہ ہیں یا عورتیں؟
آپ نے فرمایا، دونوں زیادہ ہیں مگر تم بتاؤ کہ تم مرد ہو یا عورت؟ تم کس جنس سے تعلق
رکھتے ہو؟ کیونکہ خصی (نامرد) بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ یہ سن کر وہ خادم مبہوت ہو کر
رہ گیا (کیونکہ اس کا خصی ہونا لوگوں کو معلوم نہ تھا)۔

33۔ سیاہ بال چن لو:

علی بن عاصم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اس
وقت ایک حجام آپ کی حجامت بنا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا، سفید بال چن لے۔ حجام
نے کہا کہ آپ ایسا نہ کریں کیونکہ جہاں سے سفید بال چنے جاتے ہیں وہاں کئی اور
سفید بال آگ آتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اچھا پھر سیاہ بال چن لے تاکہ سیاہ بالوں کا
غلبہ ہو جائے اور سفید ختم ہو جائیں۔ یہ بات اگرچہ مزاحیہ تھی۔ مگر جب قاضی شریک
رحمہ اللہ کو یہ لطیفہ سنایا گیا تو انہوں نے ہنس کر فرمایا، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے تو حجام کو بھی
اپنے قیاس سے لا جواب کر دیا۔

امام اعظم کا علمی تبصر:

امام اعظم رضی اللہ عنہ علم کا ایک بہت بڑا خزانہ تھے۔ مشکل اور پیچیدہ مسائل میں آپ کا
ذہن اس تیزی کے ساتھ صحیح نتیجہ تک پہنچ جاتا کہ دوسرے لوگ حیران رہ جاتے بلکہ
حقیقت یہ ہے کہ جو مسائل کسی سے حل نہیں ہو سکتے، وہ آپ نہایت آسانی سے حل فرما
دیا کرتے۔ آپ مناظرے اور مباحثے میں اپنے مد مقابل پر چھا جاتے اور اسے

لا جواب کر دیتے تھے۔

علامہ موفق مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، امام اعظم رضی اللہ عنہ اگرچہ دین کے مسائل حل کرنے میں علماء وقت کے سردار تھے مگر بعض نکات اور بعض مشکل سوالات کے فوری اور فی البدیہہ جواب دے کر انہوں نے ذہانت کے جھنڈے گاڑ دیئے۔

ذیل میں امام موفق بن احمد مکی رحمہ اللہ کی کتاب ”مناقب الامام“ اور امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ کی کتاب ”الخیرات الحسان“ سے چند واقعات تحریر کیے جا رہے ہیں جن سے سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے علمی تبحر کا ہلکا سا اندازہ کیا جاسکتا ہے:-

34۔ یہ مومن ہے یا کافر:

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا، ایک شخص کہتا ہے کہ مجھے جنت کی کوئی امید نہیں، میں اللہ سے نہیں ڈرتا، مجھے دوزخ کی کوئی پروا نہیں، مردار کھاتا ہوں، نماز میں رکوع و سجود نہیں کرتا۔ میں اس چیز کی گواہی دیتا ہوں جسے میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ میں حق سے نفرت کرتا ہوں اور فتنے سے محبت کرتا ہوں۔

آپ نے اپنے شاگردوں کی طرف دیکھا اور متوجہ ہو کر فرمایا، اس شخص کی ان باتوں کا کیا جواب ہے؟ بعض شاگردوں نے کہا، ایسا شخص تو کافر ہو گیا، بعض خاموش رہے۔ آپ نے اس گفتگو کو اس انداز میں سلجھایا اور فرمایا،

یہ شخص جنت کی امید نہیں رکھتا صرف اللہ کی ذات کی امید رکھتا ہے۔ جنت سے اللہ کی محبت اور امید بڑھ کر ہے۔

وہ مردار کھاتا ہے یعنی مچھلی ذبح کیے بغیر کھاتا ہے اور بغیر رکوع اور سجود کے نماز ادا کرتا ہے یعنی نماز جنازہ۔

وہ بلادیکھے گواہی دیتا ہے، اس نے اللہ کو نہیں دیکھا مگر اس کی ذات کی گواہی دیتا ہے۔ یہ اس قیامت کی بھی گواہی دیتا ہے جسے اس نے نہیں دیکھا۔

وہ حق سے نفرت کرتا ہے، موت حق ہے اور وہ موت سے نفرت کرتا ہے۔
 وہ فتنے سے محبت کرتا ہے، یعنی اسے اپنی اولاد سے محبت ہے جو ایک فتنہ ہے۔
 امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی باتیں سن کر وہ شخص اٹھا اور آپ کے سر کو چوما اور کہا،
 ”میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک آپ علم کے سمندر ہیں، ذہانت کے دریا ہیں۔ میں
 آپ سے متعلق جو خیالات رکھتا تھا، ان سے توبہ کرتا ہوں۔“

35۔ حضرت قتادہ سے مذاکرہ:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کوفہ میں آئے تو لوگوں کو جمع کیا اور درس کی ایک مجلس منعقد کی۔
 عظیم مجمع ہو گیا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ بھی وہاں تشریف لے آئے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ نے
 کہا، مجھ سے فقہ کا کوئی سوال پوچھیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا،
 اے ابوالخطاب! جو شخص سفر پر جائے اور پھر اسکی کوئی خبر نہ ملے اسکی بیوی کے بارے
 میں آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا، وہ عورت چار سال تک انتظار کرے اور اس
 کا شوہر واپس آ جائے تو بہتر ورنہ عدت گزار کر کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لے۔
 آپ نے پوچھا، اگر اسکا خاوند چار سال کے بعد آ جائے اور اپنی بیوی کو کہے، اے
 زانیہ تو نے کیوں نکاح کر لیا جب کہ میں ابھی زندہ ہوں؟ پھر اس کا دوسرا شوہر کھڑا
 ہو کر کہے کہ اے زانیہ تو نے کیوں نکاح کیا جبکہ تیرا شوہر سامنے کھڑا ہے؟ بتائیے یہ
 عورت کیا کرے گی اور کس کی منکوحہ ٹھہرے گی اور اس کے ساتھ کون لعان کرے گا؟
 قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا، کیا یہ صورت پیش بھی آئی ہے؟ آپ نے فرمایا، نہیں لیکن علماء کو
 پہلے سے تیار رہنا چاہیے تاکہ وقت پر تردد نہ ہو۔

یہ سن کر قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ان مسائل کو چھوڑو اور مجھ سے قرآن کریم کی کسی
 آیت کی تفسیر کے متعلق سوال کرو۔ آپ پھر کھڑے ہوئے اور کہا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قال الذی عنده علم من الكتاب انا اتيك به قبل ان يرتد اليك طرفك

”اس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے حضور میں حاضر کر دوں گا ایک پل مارنے سے پہلے“۔ اس آیت میں کون شخص مراد ہے؟ قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا، آصف بن برخیا جو اسم اعظم جانتے تھے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا، کیا سلیمان علیہ السلام اسم اعظم جانتے تھے؟ فرمایا، نہیں۔ آپ نے فرمایا، کیا ایک نبی کے دربار میں ان کا امتی ان سے بڑھ کر کتاب کا علم رکھتا تھا؟ یہ سن کر قتادہ رضی اللہ عنہ ناراض ہو گئے اور کہا، مجھ سے علم کلام کے بارے میں سوال کریں۔

آپ نے پھر کھڑے ہو کر کہا، کیا آپ مومن ہیں؟ انہوں نے فرمایا، انشاء اللہ، میں مومن ہوں۔ (اکثر محدثین احتیاط کے طور پر اپنے آپ کو قطعی مومن نہیں کہتے تھے) آپ نے پوچھا، آپ نے یہ قید کیوں لگائی؟ (کہ ایمان تو یقین کا نام ہے) انہوں نے جواب میں فرمایا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا: والذی اطمع ان یغفر لی خطیبتی یوم الدین۔ ”مجھ کو امید ہے کہ خدا قیامت کے دن میرے گناہوں کو معاف فرمادے گا“۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا تھا، اولم تؤمن۔ ”کیا آپ اس پر ایمان نہیں رکھتے؟“۔ تو انہوں نے جواب میں ہلکی کہا تھا یعنی ہاں میں مومن ہوں۔ آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کی تقلید کیوں نہ کی؟ قتادہ رضی اللہ عنہ اس بات پر لا جواب ہو گئے اور مجلس چھوڑ کر اپنے گھر چلے گئے۔

36۔ خارجیوں سے طویل مناظرہ:

حضرت حماد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد گرامی امام اعظم رضی اللہ عنہ کے علمی ادراک کی خبر جب خوارج کو پہنچی اور انہیں یہ معلوم ہوا کہ آپ فسق کی وجہ سے اہل قبلہ پر کفر کا فتویٰ نہیں دیتے تو ان کے ستر آدمی ایک وفد کی صورت میں آپ کے پاس آئے۔ اس وقت آپ کے پاس لوگوں کا بہت بڑا ہجوم تھا اور آپ کے پاس بیٹھنے کی

کوئی گنجائش نہیں تھی۔ انہوں نے چلا کر کہا، حضرت ہم ایک ملت پر ہیں، آپ اپنے لوگوں کو کہیں کہ وہ ہمیں ملاقات کے لیے قریب آنے کا موقع دیں۔

جب یہ لوگ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قریب پہنچے تو سب نے میانوں سے تلواریں نکال لیں اور کہا، تم اس امت کے دشمن ہو، تم اس امت کے شیطان ہو۔ ہمارے نزدیک ستر آدمیوں کے قتل کرنے سے تم جیسے تنہا شخص کو قتل کر دینا بہتر ہے لیکن ہم قتل کرتے وقت ظلم نہیں کریں گے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم مجھے انصاف دینا چاہتے ہو؟ اگر یہ بات درست ہے تو پہلے اپنی تلواریں میانوں میں کرلو۔ وہ کہنے لگے، ہم انہیں میانوں میں کیوں کر لیں ہم تو انہیں آپ کے خون سے رنگین کرنے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا، چلو تم اپنا سوال کرو۔ وہ کہنے لگے، مسجد کے دروازے پر دو جنازے آئے ہیں، ایک ایسا شخص ہے جس نے شراب کے نشے میں دھت ہو کر جان دی۔ دوسری ایک عورت کی لاش ہے جس نے زنا کر دیا اور اس کے پیٹ میں حرام کی اولاد ہے اس نے شرمساری سے بچنے کے لئے خودکشی کر لی۔ کیا آپ ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے؟

آپ نے پوچھا، کیا وہ دونوں مرنے والے یہودی تھے؟ کہا، نہیں۔ فرمایا، کیا وہ نصرانی تھے؟ کہا، نہیں۔ فرمایا، کیا وہ مجوسی تھے؟ کہا، نہیں۔ فرمایا، تو وہ کس دین اور کس مذہب پر تھے؟ کہنے لگے، اس دین پر جس کی تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

امام اعظم نے فرمایا، تم خود گواہی دے رہے ہو کہ وہ ملت اسلام پر تھے، اب یہ بتاؤ کہ ان کا ایمان تہائی تھا یا چوتھائی یا پانچواں حصہ تھا؟ وہ کہنے لگے، ایمان کی کوئی مقدار نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا، عجیب بات ہے جب تم خود ہی اقراری ہو کہ وہ مومن تھے پھر پوچھتے ہو کہ ان کی نماز پڑھی جائے یا نہیں۔ انہوں نے جھینپ کر کہا، ہمارا سوال یہ ہے

کہ وہ جنتی ہیں یا دوزخی؟

آپ نے فرمایا، جب تم انکے مومن ہونے کے اقرار کے بعد بھی سوالات کرنے سے باز نہیں آتے تو سنو، میں ان کے بارے میں وہی کہوں گا جو ابراہیم علیہ السلام نے اس قوم کے بارے میں کہا تھا جو جرم میں ان سے بڑھ کر تھی۔

فمن تبعنی فانه منی ومن عصانی فانک غفور رحیم۔

”تو جس نے میرا ساتھ دیا وہ تو میرا ہے اور جس نے میرا کہا نہ مانا تو بیشک تو بخشے والا مہربان ہے۔“ (ابراہیم: ۳۶، کنزالایمان)

پھر ان کے بارے میں مجھے یہی کہنا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس قوم کے متعلق کہا تھا جو ان سے جرم میں بڑھ کر تھے۔

ان تعذبہم فانہم عبادک وان تغفر لہم فانک انت العزیز الحکیم۔
”اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بیشک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔“ (المائدہ: ۱۱۸، کنزالایمان)

میں ان سے حضرت نوح علیہ السلام کے فرمان کے مطابق سلوک کروں گا۔ آپ نے فرمایا تھا، ”کافر بولے، کیا ہم تم پر ایمان لے آئیں اور تمہارے ساتھ کہنے ہوئے ہیں؟ فرمایا، مجھے کیا خبر انکے کام کیا ہیں، ان کا حساب تو میرے رب ہی پر ہے اگر تمہیں سمجھ ہو، اور میں مسلمانوں کو دور کرنے والا نہیں، میں تو نہیں مگر صاف ڈر سنانے والا۔“ (الشعراء: ۱۱۱ تا ۱۱۵)

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ان زبردست دلائل کے سامنے خوارج نے ہتھیار ڈال دیئے اور اس مجلس میں اعلان کیا کہ آج ہم ان تمام نظریات باطلہ اور خیالات فاسدہ سے بیزاری کا اعلان کرتے ہیں جس پر اب تک ہم عمل پیرا تھے اور ہم آپ کے نظریات کی روشنی میں دین اسلام کو اختیار کرتے ہیں۔

پس جب خوارج کا یہ وفد وہاں سے روانہ ہوا تو اپنے خیالات سے توبہ کر کے روانہ ہوا اور انہوں نے اہلسنت و جماعت کے عقائد اختیار کر لیے۔

37۔ امام اوزاعی سے گفتگو:

امام اوزاعی اور امام اعظم رضی اللہ عنہما کی مکہ معظمہ میں ملاقات ہوئی۔ امام اوزاعی نے امام اعظم سے کہا، کیا بات ہے کہ آپ لوگ رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین نہیں کرتے؟ امام اعظم نے فرمایا کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی صحیح روایت نہیں۔ امام اوزاعی نے کہا، کیسے نہیں حالانکہ مجھ سے زہری نے حدیث بیان کی وہ سالم سے، سالم اپنے والد ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے، جب رکوع میں جاتے اور جب رکوع سے اٹھتے تو رفع یدین کیا کرتے تھے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

اس کے جواب میں امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہم سے حماد نے حدیث بیان کی، وہ ابراہیم نخعی سے وہ علقمہ سے وہ عبد اللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ صرف افتتاح نماز کے وقت رفع یدین کرتے تھے، اس کے بعد پھر نہیں کرتے تھے۔ اس پر امام اوزاعی نے کہا کہ میں عن الزہری عن سالم عن ابیہ۔ حدیث بیان کرتا ہوں اور آپ کہتے ہیں حدیثی حماد عن ابراہیم عن علقمہ۔

امام اعظم نے فرمایا، حماد، زہری سے افقہ ہیں اور ابراہیم، سالم سے افقہ ہیں اور علقمہ فقہ میں ابن عمر سے کم نہیں اگرچہ صحابی ہونے کی وجہ سے علقمہ سے افضل ہیں۔ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود کی فقہ میں برتری سب ہی کو معلوم ہے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

امام اوزاعی رضی اللہ عنہ نے حدیث کو علوسند سے ترجیح دی اور امام اعظم رضی اللہ عنہ نے راویوں کے افقہ ہونے کی بنیاد پر حدیث کی فوقیت بیان کی۔ یہ جواب سن کر امام اوزاعی رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔

38۔ گانے والی عورتیں:

ایک دن امام اعظم رضی اللہ عنہ اپنے اصحاب کے ہمراہ کوفہ کے باہر سیر کو گئے، واپسی پر راستہ میں قاضی ابن ابی لیلیٰ مل گئے۔ انہوں نے سلام کیا اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ چلنے لگے۔ جب ایک باغ میں پہنچے تو وہاں کچھ ایسی گانے بجانے والی عورتیں گاتھیں جو کوفہ میں بدنام سمجھی جاتی تھیں۔ ان عورتوں نے انہیں دیکھا تو خاموش ہو گئیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا، احسنتن۔ ”تم نے خوش کر دیا“۔ ابن ابی لیلیٰ نے امام صاحب کے یہ الفاظ یاد رکھے تاکہ کسی مجلس میں انہیں شرمسار کرنے کے لیے بیان کیے جائیں۔

ایک دن اس نے عدالت میں کسی گواہی کے لیے آپ کو بلایا، حضرت نے گواہی تحریر کر دی مگر ابن ابی لیلیٰ نے آپ کی گواہی یہ کہہ کر مسترد کر دی کہ آپ نے گانے بجانے والی عورتوں کو احسنتن کہا تھا اور ان فاحشہ عورتوں کو داد دی تھی۔ آپ نے دریافت کیا، میں نے انہیں کب احسنتن کہا، جب گارہی تھیں یا جب وہ خاموش ہو گئی تھیں؟ ابن ابی لیلیٰ نے کہا، جب وہ خاموش ہو گئیں۔ آپ نے فرمایا، اللہ اکبر! میں نے تو انہیں احسنتن ان کے خاموش ہونے اور گانا بند کرنے پر کہا تھا نہ کہ ان کے گانے بجانے پر۔ یہ سنتے ہی ابن ابی لیلیٰ نے آپ کی گواہی خاموشی سے قبول کر لی۔

39۔ وہ بہت بڑا فقیہ ہے:

جن دنوں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں قیام فرما رہے تھے تو وہاں کا گورنر عیسیٰ بن موسیٰ تھا، اسے ایک فیصلہ میں ایک شرط لکھوانے کی ضرورت پیش آئی تو اس نے وقت کے دو بڑے فقیہ علماء ابن شبرمہ اور ابن ابی لیلیٰ رحمہما اللہ کو طلب کیا۔ مگر ابن شبرمہ جو شرط لکھواتے اسے ابن ابی لیلیٰ رد کر دیتے اور جو شرط ابن ابی لیلیٰ پیش کرتے اسے ابن شبرمہ توڑ دیتے۔ اسی دوران امام اعظم رضی اللہ عنہ بھی تشریف لے آئے، آپ کو

گورنر نے شرط لکھوانے کا کہا۔ آپ نے ارشاد فرمایا، کاتب کو بلائیے، میں اسے ابھی لکھوادیتا ہوں۔

آپ نے کاتب کو جو تحریر لکھوائی اسے توڑنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ چنانچہ یہ تحریر ابن شہر مہ اور ابن لیلیٰ رحمہما اللہ کے سامنے پڑھی گئی تو دونوں انگشت بدنداں ہو کر رہ گئے۔ جب وہ گورنر کی محفل سے باہر نکلے تو ایک نے دوسرے کو کہا، دیکھا اس جولا ہے (کپڑا بیچنے والے) نے مسئلہ کو کیسے حل کر دیا۔ دوسرے نے کہا، ایک جولا ہے کو ایسی تحریر لکھوانے کی ہمت نہیں ہوتی، بیشک وہ ایک بہت بڑا فقیہ ہے، اس نے سب علماء کو دنگ کر کے رکھ دیا ہے۔

40۔ آیت کی تفسیر:

ایک مرتبہ امام عطاء بن ابن رباح رضی اللہ عنہ کے پاس امام اعظم رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور اس آیت کے بارے میں سوال کیا، و آتینا ہ اہلہ و مثلہم معہم۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ نے کہا، اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو ان کے اہل و عیال واپس کر دیے اور ان کے ساتھ انکی مثل اولاد عنایت فرمائی۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا، کیا اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو ایسی اولاد عطا کرتا ہے جو اس کی پشت سے نہ ہو؟ اس پر انہوں نے فرمایا، اللہ تعالیٰ آپ کو عافیت دے، اس بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، میرے نزدیک اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو ان کی بیوی اور اولاد جو ان کی صلیبی اولاد ہے واپس کی اور ساتھ ہی ان کی اولاد کے اجر جیسا اجر و ثواب عطا فرمایا۔ حضرت عطاء رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یہ بہترین تفسیر ہے۔



باب چہارم (4)

امام اعظم بحیثیت ولی کامل:

سید الاولیاء حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف کشف المحجوب میں سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں فرماتے ہیں،

اماموں کے امام، مقتدائے اہل سنت، شرف فقہاء اور عزت علماء امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ مجاہدات و عبادات میں نہایت ثابت قدم اور اصول طریقت میں بڑی شان کے مالک تھے۔ آپ اکثر مشائخ کے استاد تھے چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادھم، حضرت فضیل بن عیاض، حضرت داؤد طائی اور حضرت بشر حافی وغیرہ اکابر اولیاء نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

علماء فرماتے ہیں کہ جسطرح حضرت داؤد طائی طریقت میں حضرت حبیب عجمی کے مجاز اور خلیفہ ہیں اسی طرح وہ امام اعظم کے بھی مجاز اور خلیفہ ہیں۔ اور اسی طرح امام اعظم بھی طریقت میں امام جعفر صادق کے مجاز اور خلیفہ ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے سلوک و طریقت کے مراحل امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے دو سال میں طے کیے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا ہے، لَوْلَا السَّنَتَانِ لَهْلَكَ النُّعْمَانُ۔ ”اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتا۔“

مقدمہ درمختار میں ہے کہ شیخ ابوالقاسم قشیری شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے استاذ ابوعلی دقاق کا ارشاد ہے، میں نے طریقت کو ابوالقاسم نصر سے حاصل کیا، انہوں نے سری سقطی سے انہوں نے معروف کرنی سے، انہوں نے داؤد طائی سے اور انہوں نے علم اور طریقت کو امام ابوحنیفہ سے حاصل کیا۔ یہ سب لوگ شریعت و طریقت کے امام تھے۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ جب آقا و مولیٰ ﷺ کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ جاتے

اور آپ کے روضہ اقدس پر عرض کرتے، السلام علیک یا سید المرسلین۔
اے رسولوں کے سردار! آپ پر سلام ہو۔ تو روضہ اطہر سے جواب آتا،
وعلیک السلام یا امام المسلمین۔ اے مسلمانوں کے امام! تم پر بھی سلام
ہو۔ (تذکرۃ الاولیاء)

بلاشبہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ بلند پایہ محدث بھی تھے اور طریقت و تصوف کے عظیم مرد
میدان بھی لیکن آپ نے روایت حدیث اور سلوک و طریقت کی ظاہری ترویج کی
بجائے صرف فقہ کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔ آپ نے اپنی ساری زندگی امت مسلمہ کی
بھلائی کی خاطر وقف کر دی اور فقہ حنفی کی صورت میں امت کو اسلامی قوانین کا مجموعہ
عطا کیا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے عارف ربانی شیخ نصر اللہ
شیرازی مہاجر کی رحمۃ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جو معارف اور
حقائق شیخ ابو یزید بسطامی اور حضرت جنید بغدادی کو حاصل تھے وہ امام ابو حنیفہ اور امام
شافعی (رحمہم اللہ تعالیٰ) کو بھی حاصل تھے، شریعت اور اسکے احکام کا علم اسکے علاوہ تھا۔ ان کا
مقصد یہ تھا کہ فقہ کے ائمہ، فقہ اور تصوف دونوں سے متصف اور دونوں کے جامع تھے،
انصاف یہ ہے کہ ائمہ تصوف بھی دونوں کے جامع تھے فرق غالب اور مغلوب کا
تھا (یعنی ائمہ فقہ پر فقہ کا اور ائمہ تصوف پر تصوف کا غلبہ تھا) واللہ تعالیٰ اعلم۔

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کیونکہ انہوں نے فقہ کی تعریف
یوں کی ہے کہ ”نفس کا ان اشیاء کو پہچاننا جو اسکے لیے مفید اور مضر ہیں۔“

(تعارف فقہ و تصوف: ۲۰۴)

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی مذکورہ فقہ کی تعریف ہی دراصل تصوف و طریقت کی اصل
ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ آپ کے اخلاص، صداقت و دیانت، عبادت و ریاضت اور

زہد و تقویٰ کے باعث رب تعالیٰ نے آپ کو تصوف و طریقت میں بلند درجہ عطا کیا اور امامت و اجتہاد کے اعلیٰ مقام پر فائز فرمایا۔ اسی بناء پر امت مسلمہ کی عظیم اکثریت، تین چوتھائی حصہ آپ کا مقلد ہے۔

۔ ایں سعادت بزورِ بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اسکی تائید حضرت داتا صاحب رحمہ اللہ کی اس تحریر سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے خواب میں آقا و مولیٰ ﷺ کی زیارت کی اور دیکھا کہ آپ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو اپنی گود میں اٹھائے ہوئے تشریف لارہے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں، خواب سے یہ ظاہر ہو گیا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ان پاک لوگوں میں سے تھے جو اوصاف طبع میں فانی اور احکام شرع کے ساتھ باقی ہیں اس لیے کہ حضور ﷺ آپ کو اٹھا کر لائے یعنی آپ کے چلانے والے سید عالم ﷺ ہیں۔ اگر آپ خود چل کر آتے تو باقی الصفت ہوتے۔ باقی الصفت لوگ منزل کو پا بھی سکتے ہیں اور منزل سے بھٹک بھی سکتے ہیں۔ چونکہ رسول کریم ﷺ نے آپ کو اٹھایا ہوا تھا اس لیے یقیناً آپ کی ذاتی صفات فنا ہو چکی تھیں اور وہ آقا کریم ﷺ کی صفات کے ساتھ صاحب بقا تھے۔ حبیب کبریا ﷺ سہو و خطا سے بالاتر اور معصوم ہیں اس لیے یہ ناممکن ہے کہ جسے ان کا سہارا نصیب ہو، وہ سہو و خطا کا مرتکب ہو سکے۔ (کشف المحجوب: ۱۶۵)

حضرت داتا صاحب رحمہ اللہ امام اعظم رضی اللہ عنہ ہی کے مقلد تھے۔ مقدمہ در مختار میں ہے کہ کثیر اولیاء کرام آپ کے مذہب حنفی کے پیروکار ہیں اور اولیاء کرام بھی وہ کہ جو کشف و مشاہدات کے میدان میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ اگر وہ اس میں ذرا بھی شک و شبہ پاتے تو ہرگز آپ کی پیروی کرتے نہ تقلید کرتے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابتدائے تعلیم میں مجھے شافعی مذہب اختیار کرنے کا خیال آیا تو میں نے اپنے مرشد شیخ عبدالوہاب متقی رحمہ اللہ سے عرض کیا۔

انہوں نے فرمایا، ہمارے نزدیک رائج یہ ہے کہ حق امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے۔ میں نے پوچھا، آپ یہ بات دلائل کی بنا پر کہتے ہیں یا کشف اور مشاہدہ کی بنا پر؟ تو انہوں نے فرمایا، ”ہم اسی طرح محسوس کرتے ہیں۔“ (تعارف فقہ و تصوف: ۲۳۱)

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا یہ ارشاد بھی دل کی آنکھوں سے پڑھنے کے لائق ہے، ”کشف کی نظر میں مذہب حنفی عظیم دریا کی صورت میں نظر آتا ہے اور دوسرے مذاہب چھوٹی نہروں کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔“ (مکتوبات دفتر دوم: ۵۵)

امام ابن حجر مکی شافعی کی گواہی بھی ملاحظہ فرمائیے، آپ فرماتے ہیں، ”امام اعظم ان ائمہ اسلام میں سے ہیں جو خدا کے اس فرمان کا مصداق ہیں کہ اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ... الخ۔“ ”سن لو بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ غم، وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں، انہیں خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔“ (سورہ یونس: ۶۲-۶۳)

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان ائمہ مجتہدین و علماء عاملین میں سے ہر ایک محیر العقول کمالات رکھتا تھا اور ان سے ایسے احوال و کرامات صادر ہوتے تھے جن کا سوائے جاہل دشمن کے کوئی انکار نہیں کر سکتا تھا۔ یہ حضرات دراصل شریعت و حقیقت کے جامع تھے۔“ (الخیرات الحسان: ۶۰)

امام اعظم اور کشف و فراست:

اولیاء کرام کا ایک روحانی وصف ”کشف و مشاہدہ“ ہے۔ متعدد واقعات شاہد ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے کسی موقع پر بھی اپنی باطنی فراست سے جو بات ارشاد فرمائی وہ پوری ہوئی۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ بہت غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ انکی والدہ اکثر انہیں درس سے لے جاتی تھیں تاکہ کچھ کما کر لائیں۔ ایک دن امام اعظم نے انکی والدہ سے فرمایا، ”تم اسے علم سکھنے دو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک دن یہ روغنِ پستہ کے

ساتھ فالودہ کھائے گا۔“ یہ سن کر وہ بڑبڑاتی ہوئی چلی گئیں۔

مدت بعد ایک دن خلیفہ ہارون رشید کے دسترخوان پر فالودہ پیش ہوا۔ خلیفہ نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کیا۔ پوچھا، یہ کیا ہے؟ خلیفہ نے کہا، فالودہ اور روغن پستہ۔ یہ سن کر آپ ہنس پڑے۔ خلیفہ نے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو مذکورہ واقعہ بیان فرمایا۔ خلیفہ نے کہا، علم دین و دنیا میں عزت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ امام ابو حنیفہ پر رحمت فرمائے، وہ باطن کی آنکھوں سے وہ کچھ دیکھتے تھے جو ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ (تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۲۳۵)

حدیث مبارکہ ہے، ”مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔“ آپ نے ایک بار اپنی فراست سے امام داؤد طائی سے فرمایا، تم عبادت کے ہی ہو رہو، امام ابو یوسف سے فرمایا، تم دنیا کی طرف مائل ہو گے (یعنی دنیاوی منصب قبول کرو گے اور مالدار ہو جاؤ گے)، اسی طرح امام زفر وغیرہ کی نسبت بھی مختلف رائے ظاہر کی۔ آپ نے جس کے متعلق جو فرمایا تھا وہ پورا ہوا۔ (ایضاً: ۲۳۸) رحمہم اللہ تعالیٰ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے کشف و مشاہدہ کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں،

”عارف ربانی امام شعرانی رحمہ اللہ نے میزان الشریعۃ الکبریٰ میں فرمایا کہ میں نے سیدی علی خواص شافعی رحمہ اللہ (جو اکابر اولیاء میں سے تھے) کو فرماتے سنا ہے کہ ”امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مشاہدات اتنے دقیق ہیں جن پر بڑے بڑے صاحبان کشف، اولیاء اللہ ہی مطلع ہو سکتے ہیں۔“

آپ فرماتے ہیں کہ امام اعظم رحمہ اللہ جب وضو میں استعمال شدہ بانی دیکھتے تو اس میں جتنے صغائر و کبائر و مکروہات ہوتے انکو پہچان لیتے تھے۔ اس لیے جس پانی کو مکلف نے استعمال کیا ہو، آپ نے اسکے تین درجات مقرر فرمائے۔

اول: وہ نجاستِ مغلطہ ہے کیونکہ اس امر کا احتمال ہے کہ مکلف نے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہو۔

دوم: وہ نجاستِ متوسطہ ہے کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ اس نے صغیرہ کا ارتکاب کیا ہو۔

سوم: وہ ظاہر غیر مطہر ہے، کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ اس نے مکروہ کا ارتکاب کیا ہو۔

انکے بعض مقلد یہ سمجھے کہ یہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے تین اقوال ہیں ایک ہی حالت میں، حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ تین اقوال گناہوں کی اقسام کے اعتبار سے ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۲ صفحہ ۶۳)

معروف احادیث میں آیا ہے کہ جب مسلمان وضو کرتا ہے تو اسکے اعضاء سے گناہ ڈھل جاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اصحاب مشاہدہ اپنی آنکھوں سے وضو کے پانی سے لوگوں کے گناہوں کو ڈھلتا ہوا دیکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اہل شہود کے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مستعمل پانی نجاستِ مغلطہ ہے کیونکہ وہ اس پانی کو گندگیوں میں ملوث دیکھتے تھے، تو ظاہر ہے کہ وہ دیکھتے ہوئے، اس کے علاوہ اور کیا حکم لگا سکتے تھے۔

امام شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میں نے سیدی علی الخواص رحمہ اللہ کو فرماتے سنا کہ اگر انسان پر کشف ہو جائے تو وہ لوگوں کے وضو اور غسل کے پانی کو نہایت گندہ اور بدبودار دیکھے گا اور اسے استعمال نہ کرے گا جیسے وہ اس پانی کو استعمال نہیں کرتا جس میں کتابی مریگی ہو۔ میں نے ان سے کہا، اس سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ اہل کشف سے تھے کیونکہ یہ مستعمل کی نجاست کے قائل تھے۔ تو انہوں نے فرمایا، جی ہاں! امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ بڑے اہل کشف

تھے۔ (ایضاً: ۶۴)

مزید فرمایا، ایک مرتبہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جامع کوفہ کے طہارت خانہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک جوان وضو کر رہا ہے اور پانی کے قطرات اس کے اعضاء سے ٹپک رہے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا، اے میرے بیٹے! والدین کی نافرمانی سے توبہ کر۔ اس نے فوراً کہا، میں نے توبہ کی۔ اسی طرح ایک دوسرے شخص کے پانی کے قطرات دیکھے تو فرمایا، اے بھائی! زنا سے توبہ کر۔ اس نے کہا، میں نے توبہ کی۔ اسی طرح ایک شخص کے وضو کا مستعمل پانی دیکھا تو فرمایا، شراب نوشی اور گانے بجانے سے توبہ کر۔ اس شخص نے توبہ کی۔ (ایضاً: ۶۵)

آپ کا وصال:

خلیفہ منصور نے آپ کو چیف جسٹس (قاضی القضاۃ) کے عہدہ کے لیے بغداد بلایا اور یہ لالچ دیا کہ دنیاۓ اسلام کے تمام قاضی آپ کے ماتحت ہوں گے۔ لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ جس کی پاداش میں آپ کو قید کر دیا گیا۔ وہ روز آپ کو پیغام بھیجتا کہ اگر رہائی چاہتے ہو یہ عہدہ قبول کر لو لیکن آپ ہر بار انکار کر دیتے، اُدھر اسکے درباری خلیفہ کو بھڑکاتے کہ یہ تو آپ کی سخت توہین ہے۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ آپ کو روزانہ قید سے نکال کر دس کوڑے لگائے جائیں اور اس کا بازاروں میں اعلان کیا جائے، چنانچہ آپ کو دردناک طریقہ سے مارا گیا یہاں تک کہ خون بہہ کر آپ کی ایڑیوں پر گرنے لگا۔ اس طرح دس دن تک آپ کو روزانہ دس کوڑے مارے گئے۔

پھر خلیفہ نے حکم دیا کہ آپ کے سر پر کوڑے مارے جائیں۔ اس بدترین ظلم و ستم کے باوجود آپ کے پائے استقلال میں کوئی جنبش نہ آئی تو خلیفہ کے حکم سے آپ کو جیل میں زہر دیدیا گیا۔ اس طرح ظاہری اور خفیہ طور پر آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ صحیح سند سے مروی ہے کہ جب آپ کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو آپ سر بسجود ہو گئے اور سجدے کی

حالت میں آپ کی شہادت ہوئی۔ (مناقب للموفق: ۴۲۵، الخیرات الحسان: ۲۲۵)
 علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”محض قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول نہ کرنے کی وجہ سے
 خلیفہ آپ کو اس ظالمانہ طریقے سے شہید نہیں کرا سکتا تھا دراصل آپ کے بعض دشمنوں نے
 خلیفہ سے خفیہ طور پر کہا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے ہی حضرت ابراہیم بن عبد اللہ بن
 حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم کو خلافت عباسیہ سے بغاوت پر اکسایا تھا (انہوں نے
 بصرہ میں عباسی خلیفہ کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا) اور انکی مالی مدد بھی کی تھی۔ اس
 بات سے خلیفہ منصور بہت ڈرا کیونکہ آپ عزت و وجاہت والے اور مالدار تاجر تھے۔
 چنانچہ اس نے آپ سے عہدہ قضا قبول کرنے کو کہا جبکہ اسے علم تھا کہ آپ ایسا ہرگز نہ
 کریں گے۔ اس نے صرف اس لیے ایسا کہا تا کہ یہ آپ کے قتل کا بہانہ بن جائے۔
 (الخیرات الحسان: ۲۲۶)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا وصال ماہ رجب یا شعبان میں ۱۵۰ھ میں ہوا۔
 علامہ موفق رحمہ اللہ لکھتے ہیں، حضرت حسن بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ
 میں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو دیکھا کہ آپ حضرت محمد بن عبد اللہ بن حسن رضی اللہ عنہم کا
 نام لیکر روتے تھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے تھے۔ آپ اہل بیت کی
 محبت سے مرشار تھے اور خلافت عباسیہ کو غلط سمجھتے تھے۔ (مناقب: ۴۶۰)
 عبد اللہ بن واقد رحمہ اللہ (اہل ہرات کے امام) فرماتے ہیں: ”امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو حسن
 بن عمارہ رحمہ اللہ نے غسل دیا اور میں نے بدن مبارک پر پانی ڈالنے کا شرف حاصل
 کیا۔“ جب امام اعظم رحمہ اللہ کا جنازہ اٹھایا گیا تو بغداد میں لوگوں کا سمندر موجزن تھا
 جن میں اکثر دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ رحمۃ القوی فرماتے ہیں، امام اعظم کے ولی
 صاحبزادہ جلیل حضرت سیدنا حماد بن ابی حنیفہ رحمہ اللہ تھے۔ جب انہوں نے آپ کی

نماز جنازہ پڑھی تو پھر کسی نے نہ پڑھی۔ امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ، الخیرات الحسان میں فرماتے ہیں، امام اعظم کے غسل سے فارغ ہونے تک بغداد میں اس قدر خلقت جمع ہو گئی کہ جس کا شمار خدا ہی جانتا ہے گویا کسی نے انتقالِ امام کی خبر پکار دی تھی۔ نماز پڑھنے والوں کا اندازہ کیا گیا تو کوئی کہتا، پچاس ہزار تھے اور کوئی کہتا کہ اس سے بھی زیادہ تھے۔ ان پر چھ بار نماز ہوئی اور آخری مرتبہ صاحبزادہ امام حضرت حماد رحمہ اللہ نے پڑھی۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۹: ۳۴۱)

علامہ موفق رحمہ اللہ لکھتے ہیں، آپ کے جنازے پر اس قدر لوگ آئے کہ آپ کی نماز جنازہ چھ بار پڑھی گئی۔ آخری مرتبہ آپ کے بیٹے حضرت حماد بن نعمان رحمہما اللہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور تقریباً 20 دن تک آپ کی قبر انور پر نماز ہوتی رہی۔ آپ کی وصیت تھی کہ چونکہ خلیفہ کے محلات کے ارد گرد لوگوں کی غصب شدہ زمین ہے اس لیے مجھے مقبرہ خیراں کی وقف شدہ زمین میں دفن کیا جائے، چنانچہ آپ کو وہاں دفن کیا گیا۔

خلیفہ منصور نے احساسِ ندامت کم کرنے کے لیے بیس دن گزرنے کے بعد آپ کے مزار پر آ کر نماز جنازہ ادا کی۔ جب اسے بتایا گیا کہ امام اعظم رحمہ اللہ کو ان کی اس وصیت کے پیش نظر مقبرہ خیراں میں دفن کیا گیا ہے تو منصور نے کہا، ابو حنیفہ! اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے تو نے زندگی میں بھی مجھے شکست دی اور موت کے بعد بھی مجھے شرمندہ کیا ہے۔ (مناقب للموفق: ۴۲۹)

جب آپ کے وصال کی خبر ابن جریج رحمہ اللہ علیہ، فقیہ مکہ کو پہنچی جو امام شافعی رحمہ اللہ کے استاذ الاستاذ تھے تو انھوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور فرمایا، ”کوفہ سے علم کا نور بجھ گیا اور اب ان کی مثل وہ کبھی نہ دیکھیں گے“۔ (الخیرات الحسان: ۲۲۸)

۴۵۹ھ میں سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے آپ کے مزار پر ایک عظیم الشان قبہ بنوایا اور ایک مدرسہ بھی۔ (مقدمہ نزہۃ القاری: ۲۱۹)

صدقۃ المغایری رحمہ اللہ (جن کی دعا قبول ہوتی تھی) فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو دفن کر دیا گیا تو مسلسل تین راتوں تک غیب سے یہ آواز آتی رہی، ”فقہ چلا گیا اب تمہارے لیے فقہ نہیں، تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان کے جانشین بنو۔“ نعمان کا وصال ہو گیا، اب کون ہے جو شب کو بیدار ہو جب وہ پردے پھیلا دے۔“ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس رات آپ کا وصال ہوا اس رات آپ پر حیات روئے۔

(الخیرات الحسان: ۲۲۹)

جب حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ آپ کی قبر مبارک پر آئے تو فرمایا، ”اللہ آپ پر رحم کرے، حضرت ابراہیم نخعی اور امام حماد رحمہما اللہ کا انتقال ہوا تو انہوں نے اپنا نائب چھوڑا مگر آپ نے اپنے وصال کے بعد روئے زمین پر اپنا نائب نہ چھوڑا۔“ پھر بہت روئے۔ (ایضاً: ۲۳۳)

مزار کی برکتیں:

امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”جاننا چاہیے کہ علماء اور دیگر حاجت مند آپ کی قبر کی مسلسل زیارت کرتے رہتے ہیں اور آپ کے پاس آ کر اپنی حاجات کے لیے آپ کو وسیلہ بناتے ہیں اور اس میں کامیابی پاتے ہیں ان میں امام شافعی رحمہ اللہ بھی ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے، میں امام ابوحنیفہ سے تبرک حاصل کرتا ہوں اور جب کوئی حاجت پیش آتی ہے تو میں دو رکعت پڑھ کر انکی قبر پر آتا ہوں اور وہاں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں تو وہ حاجت جلد پوری ہو جاتی ہے۔“ (الخیرات الحسان: ۲۳۰)

اچھے خواب:

حدیث پاک ہے، ”اچھے خواب نبوت کا چھیا لیسواں حصہ ہیں۔“ کسی کی بزرگی، عظمت اور فضیلت بیان کرنے کے لیے اچھے خواب بیان کرنا اچھا فعل ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے، ”جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری

صورت میں نہیں آ سکتا۔ (بخاری)

ابن رجب رحمہ اللہ کہتے ہیں، ”حضور ﷺ نے خواب یا بیداری میں کچھ فرمایا، وہ حق ہے۔“ (اوشحہ الجید)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ نے خواب میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا دیدار کیا۔ پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ رسول کریم ﷺ کی قبر مبارک کھول رہے ہیں۔ اس کی تعبیر امام ابن سیرین رضی اللہ عنہ نے یہ دی کہ آپ حضور ﷺ کی احادیث میں سے وہ علوم پھیلائیں گے جو آپ سے قبل کسی نے نہ پھیلائے ہونگے اور آپ کو سنت نبوی محفوظ کرنے میں بلند مقام حاصل ہوگا۔

علامہ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، آپ کے بعض اصحاب نے خواب میں دیکھا کہ لوگ آپ کی طرف متوجہ ہیں اور آپ جو فرماتے ہیں کوئی اس کا انکار نہیں کرتا۔ پھر آپ نے بہت سی مٹی لے کر چاروں سمت میں پھینک دی۔ امام ابن سیرین رحمہ اللہ نے اس خواب کی تعبیر یہ دی کہ یہ شخص فقیہ یا عالم ہے اور یہ احادیث رسول ﷺ سے وہ علوم و معارف ظاہر کرے گا جو لوگوں نے ظاہر نہ کیے اور اس کے نام کی شہرت مشرق و مغرب بلکہ تمام دنیا میں ہوگی۔

ازہر بن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میں نے خواب میں سرکارِ دو عالم ﷺ اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کا دیدار کیا تو حضراتِ شیخین سے عرض کی، میں آقا کریم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے فرمایا، پوچھو مگر آواز بلند نہ ہونے پائے۔ میں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے علم کے بارے میں دریافت کیا کیونکہ میں ان کے متعلق اچھا خیال نہ رکھتا تھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا، ”ان کا علم حضرت خضر علیہ السلام کے علم سے ہے۔“

اور میں نے یہ خواب بھی دیکھا کہ آسمان سے تین ستارے پے در پے زمین پر گرے

اور ابو حنیفہ، مسعر بن کدام اور سفیان ثوری بن گئے۔ (مہم اللہ) یہ خواب محمد بن مقاتل رحمہ اللہ سے بیان کیا تو وہ رونے لگے اور فرمایا، ”واقعی یہ علماء دین کے ستارے ہیں۔“ (الخیرات الحسان: ۲۳۴)

فضل بن خالد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں رسول کریم ﷺ کی زیارت کی تو عرض کیا، میرے آقا! آپ ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے علم کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا، ”یہ ایسا علم ہے کہ جس کی لوگوں کو ضرورت ہے۔“

مسدد بن عبد الرحمن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں مکہ میں رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان فجر سے پہلے سو گیا تو خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی۔ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کوفہ میں ہے اور جس کا نام نعمان بن ثابت ہے۔ کیا میں اس سے علم حاصل کروں؟ تو آپ نے فرمایا، ”ہاں! ان سے علم حاصل کرو۔ وہ بہت اچھے فقیہ ہیں۔“ تو میں خدا سے مغفرت کی دعا مانگتے ہوئے بیدار ہوا کیونکہ میں نعمان رحمہ اللہ کو بہت برا سمجھتا تھا۔ اس کے بعد وہ مجھے محبوب ہو گئے۔“ (ایضاً: ۲۳۹، مناقب للموفق: ۴۵۴)

یہ تو ان خوابوں کا بیان تھا جو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے وصال سے قبل دیکھے گئے۔ اب وہ خواب بیان کیے جاتے ہیں جو آپ کے وصال کے بعد دیکھے گئے۔

حضرت حنفی بن غیاث رحمہ اللہ نے فرمایا، ”امام اعظم رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد میں نے آپ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا، اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا، فرمایا، مجھے بخش دیا گیا۔ میں نے پوچھا، آپ کے قیاس کا کیا بنا؟ فرمایا، میرا قیاس عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسا نکلا۔“

مقاتل بن سلیمان رحمہ اللہ تفسیر کے امام تھے۔ انکی مجلس میں ایک شخص نے اٹھ کر پہلے

لوگوں سے اپنے نیک ہونے کی گواہی لی اور پھر یہ خواب بیان کیا، کہ میں نے دیکھا، ”ایک شخص سفید پوشاک پہنے آسمان سے بغداد کے سب سے اونچے مینار پر اتر رہا ہے اور پھر سارے شہر میں اعلان ہوتا ہے لوگو آؤ زیارت کرو۔“ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ آج دنیائے اسلام کا کوئی بہت بڑا عالم رخصت ہو گیا ہوگا۔ صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ گذشتہ روز امام اعظم رحمہ اللہ کا وصال ہو گیا ہے۔ یہ سن کر مقاتل رحمہ اللہ خوب روئے اور فرمایا، آج وہ رخصت ہو گیا جو امتِ مصطفیٰ ﷺ کی مشکلات آسان کیا کرتا تھا۔“ (مناقب للموفق: ۴۵۲)

صالح بن خلیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں، مجھے خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی، دیکھا کہ آپ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی کھڑے ہیں اسی اثناء میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر آپ کی تعظیم کی اور حضور ﷺ اس منظر کو دیکھ کر بہت خوش ہو رہے تھے۔ (ایضاً: ۴۵۴)

اسی طرح ایک اور شخص نے خواب میں دیکھا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ ایک تخت پر جلوہ فرما ہیں اور آپ ایک بہت بڑے رجسٹر میں بعض لوگوں کے نام اور انکے لیے انعامات لکھتے جا رہے ہیں۔ اس شخص نے پوچھا، اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا اور یہ رجسٹر کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے میرے عمل اور مذہب کو قبولیت عطا فرمائی اور مجھے بخش دیا، پھر امتِ مصطفویٰ ﷺ کی لیے میری دعائیں اور شفاعت بھی قبول فرمائی۔ پوچھا گیا، آپ کتنے علم والے کے نام لکھ رہے ہیں؟ فرمایا، جسے اتنا بھی علم ہو کہ راکھ سے تیمم ناجائز ہے تو اس کا نام بھی لکھ لیتا ہوں۔ (ایضاً: ۴۵۵)

سیدنا علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، حضرت معاذ الرازی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضور ﷺ کا دیدار کیا اور عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ آپ نے فرمایا، عند علم ابی حنیفہ۔

”ابو حنیفہ کے علم میں۔“

داتا صاحب رحمہ اللہ پھر اپنا واقعہ تحریر کرتے ہیں کہ میں ایک بار حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مزار کے پاس سو رہا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ میں ہوں اور حضور ﷺ باب شیبہ سے تشریف لائے اور ایک بوڑھے آدمی کو اس طرح گود میں لیے ہوئے تھے جیسے والدین چھوٹے بچوں کو سینے سے چمٹا لیتے ہیں۔ میں نے آگے بڑھ کر قدم بوسی کی اور میں حیران تھا کہ یہ خوش نصیب معمر شخص کون ہے جسے سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے سینہ مبارک سے لگایا ہوا ہے۔

حضور ﷺ نے میرے دل کی بات سمجھ لی اور فرمایا، ”یہ مسلمانوں کا امام ہے اور تیرے دیار کا رہنے والا ابو حنیفہ ہے۔“ (کشف المحجوب: ۱۶۵)

یہ بات غور طلب ہے کہ کوئی بڑا آدمی اگر آگے چل رہا ہو اور بچہ اسکے پیچھے چلے تو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں وہ بچہ گرنے جائے۔ یونہی کوئی بچہ اگر کسی بڑے کی انگلی پکڑ کر چلے تو بھی گرنے کا امکان موجود ہوتا ہے۔ داتا صاحب رحمہ اللہ نے یہ نہیں دیکھا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ آقا و مولیٰ ﷺ کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور نہ ہی یہ دیکھا کہ وہ آقا کریم ﷺ کی انگلی پکڑ کر چل رہے ہیں بلکہ یہ دیکھا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ خود نہیں چل رہے بلکہ مصطفیٰ کریم ﷺ انہیں گود میں لے کر چلا رہے ہیں اس لیے ان کی فتنہ میں خطا نہیں ہے۔ حضرت داتا صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں،

”رسول کریم ﷺ سہو و خطا سے بالاتر ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ جسے ان کا سہارا نصیب ہو، وہ سہو و خطا کا مرتکب ہو سکے۔“ (ایضاً: ۱۶۶) سبحان اللہ!



باب پنجم (5)

وصایا اور نصیحتیں:

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں کو چند نصیحتیں فرمائیں جو ظاہری اصلاح اور باطنی تربیت میں بنیادی اور اہم حیثیت کی حامل ہیں۔ آپ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا،

”تم سب میرے دل کا سرور اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہو اور میرا حزن و ملال دور کرنے والے ہو۔ میں نے تمہارے لیے فقہ کی سواری تیار کی، اسکی زین کس دی اور اسکی لگام تمہارے ہاتھ میں پکڑا دی۔ ایک وقت آنے والا ہے کہ بڑے بڑے اہل علم تمہارے فیصلے سنا کریں گے اور تمہارے نقش قدم پر چلیں گے۔ تم میں سے ہر ایک قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ میں تم کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیکر چند نصیحتیں کرنا چاہتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے جو علم تمہیں عطا فرمایا اس علم کو محکوم ہونے کی ذلت سے بچانا۔ جب تم میں سے کوئی قاضی بن جائے تو لوگوں کے مسائل حل کرے ان کا حاکم نہ بنے۔ لوگوں کو انصاف مہیا کرنا اور اگر کوئی خرابی محسوس ہو تو فوراً منصب قضا سے علیحدہ ہو جانا، تنخواہ اور دولت کے لالچ میں اس سے چمٹے نہ رہنا۔ ہاں اگر ظاہر و باطن ایک ہوں تو پھر قضا کے منصب پر قائم رہ کر خلق خدا کی امداد کرنا۔

ایسے لوگ جو امور دنیا سے علیحدہ ہو کر محض اللہ کی رضا کے لیے یہ عہدہ قبول کرتے ہیں ان کے لیے تنخواہ حلال ہے۔ اگر تم قاضی بن جاؤ تو لوگوں کے سامنے پردے نہ لگا دینا کہ وہ تمہیں مل نہ سکیں۔ ان کے لیے اپنی عدالتوں کے دروازے کھلے رکھنا، پانچوں وقت کی نماز جامع مسجد میں ادا کرنا اور نماز کے بعد اعلان کرنا، جسے انصاف کی ضرورت ہو اس کے لیے عدالت کے دروازے کھلے ہیں۔ عشاء کے بعد تین بار یہ اعلان کرنا۔ اگر بیمار ہو جاؤ اور عدالت میں نہ جاسکو تو اتنے دنوں کی تنخواہ نہ لینا۔ یا د

رکھو انصاف نہ کرنے والے قاضی کی امامت باطل ہوتی ہے۔ ایسے قاضی کا فیصلہ بھی درست نہیں۔ اگر کوئی گناہ یا جرم کرے تو قاضی کا فرض ہے کہ اس کو روکے یا سزا دے۔ (مناقب للموفق: ۷۷۷ ملخصاً)

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے خاص شاگردوں امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام یوسف بن خالد سمی رحمہ اللہ کے نام جو وصایا تحریر فرمائے وہ بلاشبہ نہ صرف امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ایک مشفق باپ، مہربان استاد، عظیم دانشور اور ماہر نفسیات ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہیں بلکہ آپ کے عمر بھر کے تجربات کا نچوڑ، اسلامی تعلیمات کا عطر اور دینی و دنیاوی امور میں فلاح اور کامیابی کی ضمانت ہیں۔ مزید یہ کہ یہ نصیحتیں خواص و عوام دونوں کے لیے یکساں نصیحت آموز ہیں۔ یہ دونوں وصایا پیش خدمت ہیں:-

1۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نام:

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نام امام اعظم رضی اللہ عنہ کی وصیت جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی ذات سے رشد و ہدایت اور حسن سیرت و کردار کے آثار ظاہر ہوئے اور وہ لوگوں سے معاملات کی جانب متوجہ ہوئے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے انھیں یہ وصیت فرمائی کہ اے یعقوب!!!

حاکم کے ساتھ محتاط طرزِ عمل:

سلطانِ وقت کی عزت کرو اور اس کے مقام کا خیال رکھو۔ اور اس کے سامنے دروغ گوئی سے خاص طور سے پرہیز کرو۔ اور ہر وقت اس کے پاس حاضر نہ رہو جب تک کہ تمہیں کوئی علمی ضرورت مجبور نہ کرے۔ کیونکہ جب تم اس سے کثرت سے ملو گے تو وہ تمہیں حقارت کی نظر سے دیکھے گا اور تمہارا مقام اس کی نظروں سے گر جائے گا۔ پس تم اسکے ساتھ ایسا معاملہ رکھو جیسا کہ آگ کے ساتھ رکھتے ہو کہ تم اس سے نفع بھی اٹھاتے ہو اور دور بھی رہتے ہو، اس کے قریب تک نہیں جاتے کیونکہ اکثر حاکم اپنی

ذات اور اپنے مفادات کے علاوہ کچھ اور دیکھنا پسند نہیں کرتے۔

تم حاکم کے قریب کثرتِ کلام سے بچو کہ وہ تمہاری گرفت کرے گا تا کہ اپنے حاشیہ نشینوں کو یہ دکھلا سکے کہ وہ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ اور تمہارا محاسبہ کرے گا تا کہ تم اس کے حواریوں کی نظروں میں حقیر ہو جاؤ۔ بلکہ ایسا طرزِ عمل اختیار کرو جب اس کے دربار میں جاؤ تو وہ دوسروں کے مقابلے میں تمہارے رتبہ کا خیال رکھے۔ اور سلطان کے دربار میں کسی ایسے وقت نہ جاؤ جب وہاں دیگر ایسے اہل علم موجود ہوں جن کو تم جانتے نہ ہو۔ اس لئے کہ اگر تمہارا علمی رتبہ ان سے کم ہوگا تو ممکن ہے کہ تم ان پر برتری ثابت کرنے کی کوشش کرو مگر یہ جذبہ تمہارے لئے نقصان دہ ہوگا۔ اگر تم ان سے زیادہ صاحب علم ہو تو شاید تم ان کو کسی بات پر جھڑک دو اور اس وجہ سے تم حاکم وقت کی نظروں سے گر جاؤ۔

جب سلطان وقت تمہیں کوئی منصب عطا کرے تو اس وقت تک قبول نہ کرنا جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ تم سے یا تمہارے مسلک سے علم و قضایا کے بارے میں مطمئن ہے تا کہ فیصلوں میں کسی دوسرے مسلک پر عمل کی حاجت نہ ہو۔ اور سلطان کے مقربین اور اس کے حاشیہ نشینوں سے میل جول مت رکھنا، صرف سلطان وقت سے رابطہ رکھنا اور اس کے حاشیہ برداروں سے الگ رہنا تا کہ تمہارا وقار اور عزت برقرار رہے۔

عوام کے ساتھ محتاط طرزِ عمل:

عوام کے پوچھے گئے مسائل کے علاوہ ان سے بلا ضرورت بات چیت نہ کیا کرو۔ عوام الناس اور تاجروں سے علمی باتوں کے علاوہ دوسری باتیں نہ کیا کرو تا کہ ان کو تمہاری محبت و رغبت میں مال کا لالچ نظر نہ آئے ورنہ لوگ تم سے بدظن ہوں گے اور یقین کر لیں گے کہ تم ان سے رشوت لینے کا میلان رکھتے ہو۔ عام لوگوں کے سامنے ہنسنے اور

تمہارے گھر اس کا کوئی رشتہ دار نہیں آئے گا۔ اس لئے کہ جب عورت مال دار ہو جاتی ہے تو اس کا باپ دعویٰ کرتا ہے کہ اس عورت کے پاس جو بھی مال ہے وہ سب اس کا ہے اور اس عورت کے پاس امانت کے طور پر رکھا ہے۔ اور دوسری شرط یہ رکھے کہ جہاں تک ممکن ہو گا وہ بھی اپنے والد کے گھر نہیں جائے گی۔

اور نکاح کے بعد تم اس بات پر راضی نہ ہو جانا کہ تم شب زفاف سسرال میں گزار دو گے ورنہ وہ لوگ تمہارا مال لے لیں گے اور اپنی بیٹی کے سلسلہ میں انتہائی لالچ سے کام لیں گے۔ اور صاحب اولاد خاتون سے شادی نہ کرنا کہ وہ تمام مال اپنی اولاد کے لئے جمع کرے گی اور ان پر ہی خرچ کرے گی اس لئے کہ اس کو اپنی اولاد تمہاری اولاد سے زیادہ پیاری ہوگی۔ تم اپنی دو بیویوں کو ایک ہی مکان میں نہ رکھنا، اور جب تک دو بیویوں کی تمام ضروریات کو پورا کرنے کی قدرت نہ ہو، دوسرا نکاح نہ کرنا۔

امور زندگی کی ترتیب:

(امور زندگی کی بہترین ترتیب یہ ہے کہ) پہلے علم حاصل کرو پھر حلال ذرائع سے مال جمع کرو اور پھر ازدواجی رشتہ اختیار کرو۔ علم حاصل کرنے کے زمانے میں اگر تم مال کمانے کی جدوجہد کرو گے تو تم حصول علم سے قاصر رہو گے۔ اور یہ مال تمہیں باندیوں اور غلاموں کی خریداری پر اکسائے گا اور تحصیل علم سے قبل ہی تمہیں دنیا کی لذتوں اور عورتوں کے ساتھ مشغول کر دے گا، اس طرح تمہارا وقت ضائع ہو جائے گا۔ اور جب تمہارے اہل و عیال کی کثرت ہو جائے گی تو تمہیں ان کی ضروریات پوری کرنے کی فکر ہو جائے گی اور تم علم سیکھنا چھوڑ دو گے۔

اس لیے علم حاصل کرو آغاز شباب میں جب کہ تمہارے دل و دماغ دنیا کے بکھیڑوں سے فارغ ہوں پھر مال کمانے کا مشغلہ اختیار کرو تا کہ شادی سے قبل تمہارے پاس بقدر ضرورت مال ہو کہ اسکے بغیر اہل و عیال کی ضروریات دل کو تشویش میں مبتلا کر دیتی

ہیں لہذا کچھ مال جمع کرنے کے بعد ہی ازدواجی تعلق قائم کرنا چاہیے۔
سیرت و کردار کی تعمیر:

اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، ادائے امانت اور ہر خاص و عام کی خیر خواہی کا خصوصی خیال رکھو اور لوگوں کو عزت دو تا کہ وہ تمہاری عزت کریں۔ ان کی منساری سے پہلے ان سے زیادہ میل جول نہ رکھو اور ان سے میل جول میں مسائل کا تذکرہ بھی کرو کہ اگر مخاطب اس کا اہل ہوگا تو جواب دے گا۔ اور عام لوگوں سے دینی امور کے ضمن میں علم کلام (عقائد کے عقلی دلائل) پر گفتگو سے پرہیز کرو کہ وہ لوگ تمہاری تقلید کریں گے اور علم کلام میں مشغول ہو جائیں گے۔

جو شخص تمہارے پاس استفتاء کے لئے آئے اس کو صرف اس کے سوال کا جواب دو اور دوسری کسی بات کا اضافہ نہ کرو ورنہ اس کے سوال کا غیر محتاط جواب تمہیں تشویش میں مبتلا کر سکتا ہے۔ علم سکھانے سے کسی حالت میں اعراض نہ کرنا اگرچہ تم دس سال تک اس طرح رہو کہ تمہارا نہ کوئی ذریعہ معاش ہو، نہ کوئی اکتسابی طاقت، کیونکہ اگر تم علم سے اعراض کرو گے تو تمہاری معیشت (گزر بسر) تنگ ہو جائے گی۔

تم اپنے ہر فرقہ سیکھنے والے طالب علم پر ایسی توجہ رکھو کہ گویا تم نے ان کو اپنا بیٹا اور اولاد بنا لیا ہے تاکہ تم ان میں علم کی رغبت کے فروغ کا باعث بنو۔ اگر کوئی عام شخص اور بازاری آدمی تم سے جھگڑا کرے تو اس سے جھگڑا نہ کرنا ورنہ تمہاری عزت چلی جائے گی۔ اور اظہار حق کے موقع پر کسی شخص کی جاہ و حشمت کا خیال نہ کرو اگرچہ وہ سلطان وقت ہو۔ جتنی عبادت دوسرے لوگ کرتے ہیں اس سے زیادہ عبادت کرو، ان سے کمتر عبادت کو اپنے لئے پسند نہ کرو بلکہ عبادت میں سبقت اختیار کرو۔ کیونکہ عوام جب کسی عبادت کو بکثرت کر رہے ہوں اور پھر وہ دیکھیں کہ تمہاری توجہ اس عبادت پر نہیں ہے تو وہ تمہارے متعلق عبادت میں کم رغبت ہونے کا گمان کریں گے اور یہ سمجھیں گے کہ

تمہارے علم نے تمہیں کوئی نفع نہیں پہنچایا سوائے اسی نفع کے جو ان کو انکی جہالت نے بخشا ہے جس میں وہ مبتلا ہیں۔

معاشرتی آداب:

جب تم کسی ایسے شہر میں قیام کرو جس میں اہل علم بھی ہوں تو وہاں اپنی ذات کے لئے کسی امتیازی حیثیت کو اختیار نہ کرو، بلکہ اس طرح رہو کہ گویا تم بھی ایک عام سے شہری ہو، تا کہ ان کو یقین ہو جائے کہ تمہیں ان کی جاہ و منزلت سے کوئی سروکار نہیں ہے ورنہ اگر انہوں نے تم سے اپنی عزت کو خطرے میں محسوس کیا تو وہ سب تمہارے خلاف کام کریں گے اور تمہارے مسلک پر کیچڑ اچھالیں گے اور (ان کی شہ پر) عوام بھی تمہارے خلاف ہو جائیں گے اور تمہیں بڑی نظر سے دیکھیں گے جس کی وجہ سے تم ان کی نظروں میں کسی قصور کے بغیر مجرم بن جاؤ گے۔

اگر وہ تم سے مسائل دریافت کریں تو ان سے مناظرہ یا جلسہ گاہوں میں بحث و تکرار سے باز رہو اور جوابات ان سے کرو، واضح دلیل کے ساتھ کرو۔ اور ان کے اساتذہ کو طعنہ نہ دو، ورنہ تمہارے اندر بھی کیڑے نکالیں گے۔ تمہیں چاہیے کہ لوگوں سے ہوشیار رہو اور اپنے باطنی احوال کو اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا خالص بنا لو جیسا کہ تمہارے ظاہری احوال ہیں۔ اور علم کا معاملہ اصلاح پذیر نہیں ہوتا تا وقتیکہ تم اس کے باطن کو اس کے ظاہر کے مطابق نہ بنالو۔

آداب زندگی:

جب سلطان وقت تمہیں کوئی ایسا منصب دینا چاہے جو تمہارے لیے مناسب نہیں ہے تو اسے اس وقت تک قبول نہ کرو جب تک کہ تمہیں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس نے جو منصب تمہیں سونپا ہے وہ محض تمہارے علم کی وجہ سے سونپا ہے۔ اور مجلس فکر و نظر میں ڈرتے ہوئے کلام مت کرو کیونکہ یہ خوفزدگی کلام میں اثر انداز ہوگی اور زبان کو ناکارہ

بنادے گی۔

زیادہ ہنسنے سے پرہیز کرو کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ بنا دیتا ہے۔ چلنے کے دوران سکون و اطمینان سے چلو اور امور زندگی میں زیادہ عجلت پسند نہ بنو اور جو تمہیں پیچھے سے آواز دے اس کی آواز کا جواب مت دو کہ پیچھے سے آواز چوپایوں کو دی جاتی ہے۔ اور گفتگو کے وقت نہ چیخو اور نہ ہی اپنی آواز کو زیادہ بلند کرو۔ سکون اور قلب حرکت کو اپنی عادات میں شامل کرو تا کہ لوگوں کو تمہاری ثابت قدمی کا یقین ہو جائے۔

لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو تا کہ لوگ تم سے اس خوبی کو حاصل کر لیں۔ اور اپنے لئے نماز کے بعد ایک وظیفہ مقرر کر لو جس میں تم قرآن کریم کی تلاوت کرو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ اور صبر و استقامت کی دولت جو رب کریم نے تم کو بخشی ہے اور دیگر جو نعمتیں عطا کی ہیں، ان پر اس کا شکر ادا کرو اور اپنے لئے ہر ماہ کے چند ایام روزہ کے لئے مقرر کر لو تا کہ دوسرے لوگ اس میں بھی تمہاری پیروی کریں۔

اپنے نفس کی دیکھ بھال رکھو اور دوسروں کے رویہ پر بھی نظر رکھو تا کہ تم اپنے علم کے ذریعہ سے دنیا اور آخرت میں نفع اٹھاؤ۔ تمہیں چاہیے کہ بذات خود خرید و فروخت مت کرو بلکہ اس کے لئے ایک ایسا خدمت گار رکھو جو تمہاری ایسی حاجتوں کو بحسن و خوبی پورا کرے اور تم اس پر اپنے دنیاوی معاملات میں اعتماد کرو۔ اپنے دنیاوی معاملات اور خود کو درپیش صورت حال کے بارے میں بے فکر مت رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ تم سے ان تمام چیزوں کے بارے میں سوال کرے گا۔

سلطان اپنا وقت سے اپنے خصوصی تعلق کو لوگوں پر ظاہر نہ ہونے دو اگرچہ تمہیں اس کا قرب حاصل ہو ورنہ لوگ تمہارے سامنے اپنی حاجتیں پیش کریں گے اور اگر تم نے لوگوں کی حاجتوں کو اس کے دربار میں پیش کرنا شروع کر دیا تو وہ تمہیں تمہارے مقام

سے گرا دے گا اور اگر تم نے ان کی حاجتوں کی تکمیل کے لیے کوشش نہ کی تو حاجت مند تمہیں الزام دیں گے۔

آداب وعظ و نصیحت:

غلط باتوں میں لوگوں کی پیروی نہ کرو بلکہ صحیح باتوں میں ان کی پیروی کرو۔ جب تم کسی شخص میں بُرائی دیکھو تو اس شخص کا تذکرہ اس بُرائی کے ساتھ نہ کرو بلکہ اس سے بھلائی کی امید رکھو۔ اور جب وہ بھلائی کرے تو اس کی اس بھلائی کا ذکر کرو۔ البتہ اگر تمہیں اس کے دین میں خرابی معلوم ہو تو لوگوں کو اس سے ضرور آگاہ کر دو تاکہ لوگ اس کی اتباع نہ کریں اور اس سے دور رہیں۔ حضور ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ فاسق و فاجر آدمی جس برائی میں مبتلا ہے اسے بیان کرو تاکہ لوگ اس سے بچیں اگرچہ وہ شخص صاحب جاہ و منزلت ہو۔

اس طرح جس شخص کے دین میں تم خلل دیکھو اسے بھی بیان کرو، اور اس کے عزت و مرتبہ کی پرواہ نہ کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارا اور اپنے دین کا معین اور مددگار ہے۔ اگر تم ایک مرتبہ ایسا کر دو گے تو وہ لوگ تم سے ڈریں گے اور کوئی شخص دین میں نئے گمراہ کن افکار و اعمال کے اظہار کی جسارت نہیں کر سکے گا۔

جب تم سلطان وقت سے خلافِ دین کوئی بات دیکھو تو اس کو اپنی اطاعت اور وفاداری کا یقین دلاتے ہوئے آگاہ کر دو۔ یہ اظہار وفاداری اس وجہ سے ہے کہ اس کا ہاتھ تمہارے ہاتھ سے زیادہ قوی ہے۔ چنانچہ تم اس طرح اظہار خیال کرو کہ جہاں تک آپ کے اقتدار اور غلبہ کا تعلق ہے میں آپ کا فرماں بردار ہوں بجز اس کے کہ میں آپ کی فلاں عادت کے سلسلہ میں جو دین کے مطابق نہیں ہے آپ کی توجہ مبذول کراتا ہوں۔ اگر تم نے ایک بار سلطان و حاکم کے ساتھ اس جرأت سے کام لیا تو وہ تمہارے لئے کافی ہوگی، اس لئے کہ تم اگر اس سے بار بار کہو گے تو وہ شاید تم پر سختی

کرے اور اس میں دین کی ذلت ہوگی۔

اگر وہ ایک بار یا دو بار سختی سے پیش آئے اور تمہاری دینی جدوجہد کا اور امر باالمعروف میں تمہاری رغبت کا اندازہ کرے اور اس وجہ سے وہ دوسری مرتبہ خلاف دین حرکت کرے تو اس سے اس کے گھر پر تنہائی میں ملاقات کرو اور دین کی رُو سے نصیحت کا فریضہ ادا کرو۔ اگر حاکم وقت مبتدع ہے تو اس سے دو بدو بحث کرو اگرچہ وہ سلطان ہے اور اس سلسلہ میں کتاب و سنت رسول ﷺ میں سے جو تمہیں یاد ہوا سے یاد دلاؤ۔ اگر وہ ان باتوں کو قبول کر لے تو ٹھیک ہے ورنہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ اس سے تمہاری حفاظت فرمائے۔

تم موت کو یاد رکھو اور اپنے ان اساتذہ کے لئے جن سے تم نے علم حاصل کیا ہے، استغفار کیا کرو اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہو۔ قبرستان، مشائخ اور بابرکت مقامات کی کثرت سے زیارت کیا کرو اور عام مسلمانوں کے ان خوابوں کو جو نبی کریم ﷺ اور صالحین سے متعلق تمہیں سنائے جائیں، خواہ مسجد ہو یا قبرستان یعنی ہر جگہ توجہ سے سنو اور نفس پرستوں میں سے کسی کے پاس نہ بیٹھو۔ سوائے اسکے کہ کسی کو دین کی طرف بلانا ہو۔ کھیل کود اور گالم گلوچ سے اجتناب کرو اور جب مؤذن اذان دے تو عوام سے قبل مسجد میں داخل ہونے کی تیاری کرو تا کہ عام لوگ اس بات میں تم سے آگے نہ نکل جائیں۔

سلطان وقت کے قرب جوار میں رہائش اختیار نہ کرو۔ اگر اپنے ہمسائے میں کوئی بڑی بات دیکھو تو پوشیدہ رکھو کہ یہ بھی امانت داری ہے اور لوگوں کے بھید ظاہر نہ کرو اور جو شخص تم سے کسی معاملہ میں مشورہ لے تو اس کو اپنے علم کے مطابق صحیح مشورہ دو کہ یہ بات تم کو اللہ کے قریب کرنے والی ہے اور میری اس وصیت کو اچھی طرح یاد رکھنا کہ یہ وصیت تمہیں انشاء اللہ، دنیا اور آخرت میں نفع دے گی۔

اخلاقِ حسنہ:

بخل سے اجتناب کرو کہ اس کی وجہ سے انسان دوسروں کی نظروں میں گر جاتا ہے۔
 لالچی اور دروغ گو نہ بنو۔ حق و باطل (یا مذاق و سنجیدگی) کو آپس میں خلط ملط نہ کیا کرو
 بلکہ تمام امور میں اپنی غیرت و حمیت کی حفاظت کرو۔ اور ہر حال میں سفید لباس زیب
 تن کرو۔ اپنی طرف سے حرص سے دوری اور دنیا سے بے رغبتی ظاہر کرتے ہوئے دل
 کا غمی ہونا ظاہر کرو۔ اور اپنے آپ کو مال دار ظاہر کرو اور تنگ دستی ظاہر نہ ہونے دو اگر
 چہ فی الواقع تم تنگ دست ہو۔

باہمت بنو اور جس شخص کی ہمت کم ہوگی اس کا درجہ بھی کم ہوگا اور راہ چلتے دائیں بائیں
 توجہ نہ کرو بلکہ ہمیشہ زمین کی جانب نظر رکھو اور جب تم حمام میں داخل ہو تو حمام اور
 نشست گاہ کی اجرت دوسرے لوگوں سے زیادہ دو تا کہ ان پر تمہاری اعلیٰ ہمتی ظاہر ہو
 اور وہ تمہیں باعظمت انسان خیال کریں۔ اور اپنا سامان تجارت کاریگروں کے پاس جا
 کر خود ان کے حوالے نہ کیا کرو بلکہ اسکے لیے ایک بااعتماد ملازم رکھو جو یہ امور انجام دیا
 کرے اور درہم و دینار کی خرید و فروخت میں ذہانت سے کام لو یعنی لین دین میں
 چوکس رہو اور اپنے حق کے لئے کوشش کرو۔

نیز درہموں کا وزن خود نہ کیا کرو بلکہ اس معاملہ میں بھی کسی بااعتماد شخص سے کام لو۔ اور
 متاع دنیا جس کی اہل علم کے نزدیک کوئی قدر نہیں ہے، اسے حقیر جانو کہ اللہ کے پاس
 جو نعمتیں ہیں وہ دنیا سے بہتر ہیں۔ غرضیکہ اپنے دنیاوی معاملات کسی دوسرے شخص کے
 سپرد کر دو تا کہ تمہاری توجہ علم دین پر پوری طرح مرکوز رہے۔ یہ طرزِ عمل تمہاری
 ضروریات کی تکمیل کا زیادہ محافظ ہے۔

پاگلوں سے اور ان اہل علم سے جو حجت اور مناظرہ کے اسلوب سے بے بہرہ ہیں کلام
 نہ کرو۔ اور وہ لوگ جو جاہیرست ہیں اور لوگوں کے معاملات میں عجیب و غریب

مسائل کا ذکر کرتے رہتے ہیں، وہ تمہیں کسی طرح نچا دکھانے کے خواہش مند ہوں گے اور اپنی انا کے مقابلہ میں وہ تمہاری کوئی پرواہ نہیں کریں گے اگرچہ وہ سمجھ لیں گے کہ تم حق پر ہو۔

اور جب بھی کسی بڑے رتبہ والے کے پاس جاؤ تو ان پر برتری حاصل کرنے کی کوشش نہ کرنا جب تک کہ وہ خود تمہیں بلند جگہ نہ عطا کر دیں تا کہ ان کی طرف سے تم کو کوئی اذیت نہ پہنچے۔ کسی قوم میں نماز کی امامت کے لئے پیش قدمی نہ کرو جب تک کہ وہ خود تمہیں ازراہ تعظیم مقدم نہ کریں۔ اور حمام میں دو پہر یا صبح کے وقت داخل نہ ہو اور سیر گاہوں میں بھی نہ جایا کرو (کہ وہ عوام کی جگہیں ہیں)۔

آداب مجلس:

سلاطین کے مظالم کے وقت وہاں حاضر نہ رہا کرو سوائے اس کے کہ تمہیں یقین ہو کہ اگر تم ان کو ٹوکو گے تو وہ انصاف کریں گے۔ بصورت دیگر وہ تمہاری موجودگی میں کوئی نا جائز کام کریں گے اور بسا اوقات انہیں ٹوکنے کی تمہیں قدرت و ہمت نہ ہوگی تو لوگ تمہاری خاموشی کی بناء پر گمان کریں گے کہ سلاطین کا وہ نا جائز کام برحق ہے۔

علمی مجلس میں غصہ سے اجتناب کرو۔ اور عام لوگوں کو قصہ کہانیاں سنانے کا مشغلہ اختیار نہ کرو کہ قصہ گو کو جھوٹ بولے بغیر چارہ نہیں۔ جب تم کسی اہل علم کے ساتھ علمی نشست کا ارادہ کرو اور وہ فقہی مجلس ہے تو اس میں بیٹھو اور وہاں ان باتوں کو بیان کرو جو مخاطب کے لئے تعلیم کا حکم رکھتی ہوں تا کہ تمہاری حاضری سے لوگوں کو یہ دھوکہ نہ ہو کہ تمہارا ہم نشین کوئی عالم ہے جب کہ وہ درحقیقت عالم نہ ہو۔ اور اگر وہ شخص فتویٰ سمجھنے کا اہل ہے تو فتویٰ بیان کرو ورنہ ضرورت نہیں ہے۔ اور اس مقصد کے لئے کہیں نہ بیٹھو کہ کوئی دوسرا شخص تمہاری موجودگی میں درس دیا کرے بلکہ اس کے پاس اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو بٹھا دو تا کہ وہ تمہیں اس کی گفتگو کی کیفیت اور اس کے علم

کے بارے میں بتادے۔

ذکر کی مجالس میں یا اس شخص کی مجلس وعظ میں حاضری نہ دو جو تمہاری جاہ و منزلت یا تمہاری جانب سے اپنے تزکیہ نفس کی نسبت سے مجلس قائم کرے بلکہ ان کی جانب اپنے شاگردوں میں سے کسی ایک شخص کی معیت میں اپنے اہل محلہ اور اپنے عوام کو جن پر تمہیں اعتماد ہے متوجہ کرو (کہ وہ وہاں جایا کریں)۔ اور نکاح خوانی کا کام کسی خطیب کے حوالے کر دو اسی طرح نماز جنازہ اور عیدین کی امامت بھی کسی اور شخص کے حوالے کر دو۔

(آخری بات یہ کہ) ہمیں اپنی نیک دعاؤں میں فراموش نہ کرنا اور ان نصیحتوں کو میری جانب سے قبول کرو کہ یہ تمہارے اور دوسرے مسلمانوں کے فائدے کے لئے ہیں۔

2۔ یوسف بن خالد سستی رحمہ اللہ کے نام:

یوسف بن خالد سستی رحمہ اللہ نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہ کر جب علم حاصل کر لیا تو اپنے شہر بصرہ کو واپس ہونے کا ارادہ کیا اور آپ سے اجازت چاہی تو امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں تم سے چند باتیں کہنا چاہتا ہوں یہ باتیں تمہیں ہر جگہ کام دیں گی خواہ لوگوں کے ساتھ معاملات ہوں یا اہل علم کے مراتب کا سوال ہو، تادیب نفس کا مرحلہ ہو یا سیاسی امور کا، خواص و عوام کی تربیت کا معاملہ ہو یا عام حالات کی تحقیق مقصود ہو غرض کہ یہ باتیں دینی اور دنیاوی زندگی کے ہر موڑ پر کام آئیں گی اور لوگوں کی اصلاح کا ذریعہ ہوں گی۔

تعمیر انسانیت:

اس نکتہ کو خوب سمجھ لو کہ جب تم انسانی معاشرے کو برا سمجھو گے تو لوگ تمہارے دشمن بن جائیں گے چاہے وہ تمہارے ماں باپ ہی کیوں نہ ہوں اور جب اس معاشرے کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے تو یہ معاشرہ تمہیں عزیز رکھے گا اور اس کے افراد تمہارے

ماں باپ بن جائیں گے۔

پھر فرمایا، ذرا اطمینان سے مجھے چند باتیں کہنے دو میں تمہارے لئے ایسے امور کی نشان دہی کئے دیتا ہوں جن کا خود بخود شکریہ کے ساتھ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گے۔ تھوڑی دیر بعد فرمایا، دیکھو گویا میں تمہارے ساتھ ہوں اور تم بصرہ پہنچ گئے ہو اور تم اپنے مخالفوں کی طرف متوجہ ہو گئے اپنے آپ کو ان پر فوقیت دینے لگے۔

تم نے اپنے علم کی وجہ سے خود کو ان پر بڑا ثابت کیا ان کے ساتھ میل جول کو بڑا سمجھا ان کے معاشرے سے جدا ہوئے اور ان کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے نتیجہ میں انہوں نے بھی تمہاری مخالفت کی، تم نے انہیں چھوڑ دیا تو انہوں نے بھی تمہیں منہ نہیں لگایا، تم نے انہیں گالی دی ترکی بہ ترکی جواب ملا۔ تم نے انہیں گمراہ کہا تو انہوں نے بھی تمہیں بدعتی اور گمراہ قرار دیا اور یوں سب کا دامن آلودہ ہو گیا۔ اب تمہیں ضرورت ہوئی کہ تم ان سے کہیں دور بھاگ جاؤ اور یہ کھلی حماقت ہے۔ وہ شخص کبھی اچھی سوچ بوجھ کا نہیں ہو سکتا کہ اسے کسی سے واسطہ پڑے اور وہ کوئی راہ پیدا ہونے تک نباہ نہ کر سکے۔

معاشرتی حقوق:

جب تم بصرہ پہنچو گے تو لوگ تمہارا خیر مقدم کریں گے، تم سے ملنے کے لئے آئیں گے کیونکہ یہ ان کا معاشرتی فریضہ ہے اب تم ہر ایک کو اس کا مقام عطا کرو بزرگوں کو عزت دو، علماء کی تعظیم کرو، بوڑھوں کی توقیر کرو، نوجوانوں سے نرمی کا برتاؤ کرو، عوام کے قریب رہو، نیک و بد کے پاس اٹھنا بیٹھنا رکھو۔ بادشاہ وقت کی توہین نہ کرو، کسی کو کم تر نہ سمجھو، اپنی مرآت اور شرافت کو پس پشت نہ ڈالو۔

اپنا راز کسی پر فاش نہ کرو، بغیر پرکھے ہوئے کسی پر اعتماد نہ کر بیٹھو، خسیس الطبع اور کمینوں سے میل جول نہ رکھو، اس شخص سے محبت کا اظہار نہ کرو جو تمہیں پسند نہ کرتا ہو۔ سنو کہ احمقوں سے مل کر خوشی کا اظہار نہ کرو اور ان کی دعوت قبول نہ کرو اور نہ ہی ان کا ہدیہ

قبول کرو۔

نرم گفتاری، ضبط و تحمل، حسن اخلاق، کشادہ دلی اور اچھے لباس اور خوشبو کو اپنے لئے لازم رکھو۔ سوار یوں میں ہمیشہ اچھی سواری ہی استعمال کرو۔ حوائج ضروریہ کے لئے کوئی وقت مقرر کر لو تا کہ ہر کام آسانی سے کر سکو۔ اپنے ساتھیوں سے غفلت نہ برتو، ان کی اصلاح کی سب سے پہلے فکر کرو مگر اس میں نرمی کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دو، نرم لہجہ میں گفتگو کرو، عتاب و توبیخ سے بچو کہ اس سے نصیحت کرنے والا ذلیل ہوتا ہے۔ انھیں اس بات کا موقع نہ دو کہ وہ تمہاری تادیب کریں، ایسا کرنے سے تمہارے حالات درست رہیں گے۔

تعمیر سیرت:

نماز کی پابندی کرو اور سخاوت سے کام لو کیونکہ بخیل آدمی کبھی بھی سردار نہیں بن سکتا۔ اپنا ایک مشیر کار رکھ لو جو تمہیں لوگوں کے حالات سے مطلع کرتا رہے اور جب تمہیں کوئی خراب بات نظر آئے تو اس کی اصلاح کرنے میں جلدی کرو اور جب اصلاح پا جائے تو اپنی عنایت اور رغبت کو اور بڑھاؤ۔ جو شخص تم سے ملے تم اس سے ملو اور اس سے بھی ملو جو نہ ملے۔ جو شخص تمہارے ساتھ نیک سلوک کرے تم اس کے ساتھ ایسا ہی کرو اور جو کوئی بد خلقی سے پیش آئے تو تم حسن اخلاق کا ثبوت دو اور عفو و کرم کو مضبوطی سے تھام لو۔ نیک کاموں کی طرف لوگوں کو متوجہ کرو اور جو تم سے بیزار ہو اس سے ترک تعلق کر لو۔ حقوق کی ادائیگی میں کوشاں رہو۔

حقوق العباد:

اگر کوئی مسلمان بھائی بیمار ہو جائے تو مزاج پرسی کرو اور اگر کوئی آنا جانا چھوڑ دے تو تم نہ چھوڑو۔ اگر کوئی تم پر ظلم کرے تو صلہ رحمی سے پیش آؤ۔ جو شخص تمہارے پاس آئے اس کی عزت کرو۔ اگر کسی نے تمہاری برائی کی تو درگزر کرو۔ جو شخص تمہارے بارے

میں غلط مشہور کرے تم اس کے بارے میں اچھی بات کہو۔ اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کے حقوق پورے کرو۔ اگر کسی کو خوشی کا موقع میسر آئے تو اسے مبارک دو، اگر کسی پر مصیبت پڑ جائے تو اس کی غمخواری کرو۔

اگر کسی پر آفت ٹوٹ پڑے تو اس کے غم میں شریک ہو اور اگر وہ تم سے کام لینا چاہے تو کام کر دو۔ اگر کوئی فریادی ہو تو اس کی فریاد سن لو، اگر کوئی مدد کا طالب ہو تو اس کی مدد کرو، جہاں تک تم سے ہو سکے لوگوں کی مدد کرو۔ لوگوں سے محبت و شفقت کا اظہار کرو، سلام کو رواج دو خواہ وہ کینوں کی جماعت ہی کیوں نہ ہو۔

تعلیم و تربیت:

اگر مسجد میں تمہارے پاس کچھ لوگ بیٹھے مسائل پر گفتگو کر رہے ہیں تو ان سے اختلاف رائے نہ کرو۔ اگر تم سے کوئی بات پوچھی جائے تو پہلے وہ بتاؤ جو لوگوں میں رائج ہو پھر بتاؤ کہ دوسرا قول بھی ہے اور وہ ایسے ہے اور اس کی دلیل یہ ہے۔ اس طرح ان کے دلوں میں تمہاری قدر و منزلت جاگزیں ہو جائے گی اور جو شخص تمہاری مخالفت کرے تو اسے کوئی ایسی راہ دکھاؤ جس پر وہ غور کرے۔ لوگوں کو آسان باتیں بتایا کرو اور مشکل اور گہرے مسائل بیان نہ کیا کرو کہ کہیں وہ غلط مطلب نہ سمجھ لیں۔

لوگوں سے لطف و مہربانی کا سلوک کیا کرو بلکہ کبھی کبھی ان سے مذاق بھی کر لیا کرو کیونکہ تمہارا یہ عمل لوگوں میں تمہاری محبت پیدا کر دے گا۔ ہمیشہ علمی چرچا رکھو اور کبھی کبھی ان کی دعوت کر دیا کرو، ان سے سخاوت سے پیش آؤ، چھوٹی چھوٹی غلطیوں سے درگزر کر دیا کرو اور ان کی ضروریات کو بھی پورا کیا کرو۔ بہتر یہی ہے کہ لطف و کرم اور چشم پوشی کو اپنا خاصہ بنالو۔

نہ تو کسی سے دل تنگ کرو اور نہ ہی ڈانٹ ڈپٹ سے پیش آؤ۔ آپس میں گھل مل کر اس طرح رہو کہ گویا تم ایک ہی ہو۔ لوگوں کے ساتھ وہی معاملہ کرو جو اپنے لئے پسند

کرتے ہو اور ان کے لئے وہی چیزیں پسند کرو جو تمہیں پسند ہیں۔
تزکیہ نفس:

نفس کی حفاظت اور احوال کی دیکھ بھال کرو اور فتنہ و جھگڑے سے دور رہو۔ اگر کوئی شخص تم سے بری طرح بات کرتا ہے تو اس سے اچھی طرح بات کرو اور اس کو جھڑکو نہیں۔ اگر کوئی تمہاری باتیں غور سے سن رہا ہو تو تم بھی اس کی طرف کان لگا لو۔ لوگوں کو ایسی چیزوں کا مکلف نہ بناؤ جس کی وہ تمہیں تکلیف نہیں دیتے۔ اخلاص نیت سے لوگوں کا خیر مقدم کرو اور سچائی کو لازم کر لو۔

غرور و تکبر کو اپنے سے دور رکھو اور دھوکہ بازی سے دور رہو خواہ لوگ تمہارے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتے ہوں۔ امانت میں خیانت نہ کرو خواہ لوگ تمہارے ساتھ خیانت ہی کیوں نہ کر رہے ہوں، وفاداری اور تقویٰ کو مضبوطی سے تھام لو۔ اہل کتاب سے وہی تعلق اور معاملہ رکھو جیسا وہ تمہارے ساتھ رکھتے ہوں۔

پس اگر تم نے میری اس وصیت پر عمل کیا تو یقیناً ہر آفت سے بچے رہو گے۔ دیکھو اس وقت میں دو کیفیتوں سے دو چار ہوں۔ تم نظر سے دور ہو جاؤ گے اس کا تو غم ہے اور اس پر مسرت ہے کہ تم نیک و بد کو پہچان لو گے۔

خط و کتابت جاری رکھنا اور اپنی ضرورتوں سے مطلع کرتے رہنا۔ تم میری اولاد ہو اور میں تمہارے لیے باپ کی طرح ہوں۔

وصلی اللہ علی سیدنا محمد النبی الامی وعلی الہ و صحبہ وسلم۔



باب ششم (6)

فقہ کی فضیلت، قرآن میں:

عقل و دانش اور فہم و فراست، اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں۔ قرآن وحدیث کے دلائل وبراہین، احکام و تعلیمات اور اسرار و معارف سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ مومن ان نعمتوں سے مالا مال ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے، اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ۔

”بیشک اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے“۔ (الروم: ۲۴، کنز الایمان)

دوسری جگہ ارشاد ہوا، اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔

”بیشک اس میں نشانیاں ہیں دھیان کرنے والوں کے لیے“۔ (الروم: ۲۱، کنز الایمان)

مزید فرمایا گیا، وَتِلْكَ اَلْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔

”اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں کہ وہ سوچیں“۔ (الحشر: ۲۱)

ایک اور جگہ ارشاد ہوا، قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُوْنَ۔

”بیشک ہم نے مفصل آیتیں بیان کر دیں سمجھ والوں کے لیے“۔ (الانعام: ۹۹)

ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ قرآن حکیم کے بحر بیکراں سے تفقہ فی الدین کے انمول موتی حاصل کرنے کے لیے عقل و فہم کا ہونا ضروری ہے۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ عقلمند وہ نہیں جو وجود باری تعالیٰ کا منکر ہو یا منکر قرآن وحدیث ہو اور اس پر لغو دلائل قائم کرتا پھرے بلکہ عقل و خرد کا معیار خالق کائنات نے یہ بیان فرمایا،

”تم فرماؤ، کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان؟ نصیحت تو وہی مانتے ہیں جو عقل

والے ہیں“۔ (الزمر: ۹، کنز الایمان)

گویا عقل و فہم والے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام اور نصیحتوں کو

مانتے ہیں۔ قرآن حکیم نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ کافر اور منافق، عقل و فہم اور تفقہ فی

الدین یعنی دین کی سمجھ سے محروم رہتے ہیں۔ ارشاد ہوا،

فَمَا لِهَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا۔

”تو ان لوگوں کو کیا ہوا کہ کوئی بات سمجھتے معلوم ہی نہیں ہوتے۔“ (النساء: ۷۸)

دوسری جگہ فرمایا، بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ۔

”اس لیے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے۔“ (الانفال: ۶۵، کنزالایمان)

مزید ارشاد ہوا، لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ۔ ”کسی طرح انہیں سمجھ ہوتی۔“ (التوبہ: ۸۱)

ان آیات سے ثابت ہو گیا کہ تفقہ یعنی دین کی سمجھ سے محروم ہونا عیب اور مذموم ہے

اور قرآن میں ایسے لوگوں کو ملامت کی گئی ہے۔ اسکے برخلاف احکام دین کا علم و فہم

حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے اور رب کریم نے اسے نعمت قرار دیا ہے۔

ارشاد ہوا، وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا۔

”اور جس کو حکمت دی گئی اسے بہت بھلائی دی گئی۔“ (البقرة: ۲۶۸)

مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن میں جہاں لفظ حکمت آیا ہے اس سے مراد علم فقہ

ہے۔ (مناقب للموفق: ۳۸۳)

مفسرین کا اتفاق ہے کہ حکمت سے مراد (شرعی) احکام ہیں۔ (نزہۃ القاری: ۱۸۹)

دین کا علم و فہم اس قدر اہم ہے کہ رب تعالیٰ نے تفقہ فی الدین حاصل کرنے کا حکم دیا

ہے۔ ارشاد ہوا،

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ..... والحق۔ پوری

آیت کا ترجمہ یہ ہے،

”اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہو کہ انکے ہر گروہ

میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈر

سنائیں اس امید پر کہ وہ (گناہوں سے) بچیں۔ (التوبہ: ۱۲۲، کنز الایمان)
 اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ
 فرماتے ہیں، ہر شخص کو عالم و فقیہ بننا ضروری نہیں البتہ جو چیزیں بندے پر فرض و
 واجب ہیں اور جو اسکے لیے ممنوع و حرام ہیں، انکا سیکھنا فرض عین ہے اور اس سے
 زائد علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے، علم سیکھنا ہر مسلمان پر فرض
 ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

اس آیت مبارکہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص پر دین کا تمام علم سیکھنا اور فقیہ بننا ضروری
 نہیں لہذا بعض لوگ لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ کے تحت دین کا مکمل علم اور تفقہ فی الدین
 یعنی دین کی گہری سمجھ حاصل کریں اور جو غیر عالم و غیر فقیہ ہوں، انہیں چاہیے کہ وہ عالم
 اور فقیہ کی تقلید کریں۔ اس آیت کریمہ سے تقلید شرعی کا فرض ہونا بھی ثابت ہوا۔
 فقہ کی فضیلت، حدیث میں:

۱۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،

مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ۔

”اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا
 ہے۔“ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ کتاب العلم)

امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”اس حدیث میں واضح طور پر علماء کی سب
 لوگوں پر اور تفقہ فی الدین کی تمام علوم پر فضیلت بیان کی گئی ہے۔“ (فتح الباری شرح
 بخاری ج ۱: ۱۳۳)

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا،

خَيْرُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خَيْرُهُمْ فِي الْاِسْلَامِ اِذَا فُقِهُوا۔

”جو ذور جاہلیت میں بہتر افراد تھے وہ اسلام میں بھی بہتر ہیں جبکہ ان میں دین کی فقہ

یعنی دین کی سمجھ ہو۔ (ایضاً)

اس حدیث میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے لوگوں کے بہتر و افضل ہونے کی خوبی فقہ کو قرار دیا ہے۔ اگر کوئی اور خوبی نبی کریم ﷺ کے نزدیک اس سے بہتر ہوتی تو آپ اس کا ذکر فرماتے۔ لہذا ثابت ہوا کہ رسول کریم ﷺ کے نزدیک مومن کی بہترین خوبی اسکا فقہ کی صفت سے موصوف ہونا ہے۔ اس کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے فقیہ ہونے کی دعا فرمائی۔

۳۔ رسول کریم ﷺ نے یہ دعا فرمائی، اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ۔ ”اے اللہ! اسے دین کا فقیہ بنادے۔“ (بخاری)

۴۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آقا و سولی ﷺ نے فرمایا، فَقِيْهٌ وَ اَحَدٌ ”اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ۔“ ”ایک فقیہ، شیطان پر ہزار عابدوں سے بھی زیادہ بھاری ہے۔“ (ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ کتاب العلم)

اس حدیث میں فقیہ کی یہ فضیلت بیان ہوئی کہ وہ ہزار عابد و زاہد لوگوں سے زیادہ شیطان پر بھاری ہے کیونکہ وہ دین کے علم اور سمجھ بوجھ کی وجہ سے شیطان کے مکر و فریب کو جانتا ہے اور نہ صرف وہ خود اسکے مکر سے بچ جاتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی شیطان کے مکر و فریب سے بچانے کا سبب بنتا ہے۔

۵۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تَفَقَّهُوْا قَبْلَ اَنْ تُسَوِّدُوْا۔ ”سردار بننے سے پہلے علم حاصل کرو۔“ (بخاری کتاب العلم) سردار اور راہنما ہونے کے لیے دین کا عالم و فقیہ ہونا چاہیے تاکہ علم کی روشنی میں لوگوں کی راہنمائی کی جائے۔

۶۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا، ”اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت اور علم دے کر مجھے مبعوث فرمایا ہے اسکی مثال زوردار بارش کی سی ہے جو زمین پر برسی۔ کچھ زمین عمدہ ہے جس نے پانی جذب کر لیا اور گھاس

اور سبزیاں خوب اگائیں اور کچھ زمین سخت ہے جس نے پانی جمع کر لیا اور اس سے اللہ نے لوگوں کو نفع دیا، لوگوں نے پیا اور پلایا اور کھیتی سیراب کی، اور کچھ زمین ایسی ہے جو چٹیل ہے نہ اس نے پانی جمع کیا اور نہ سبزہ اگایا۔ یہی مثال اسکی ہے، مَنْ فَقَّهَ فِي دِينِ اللَّهِ وَنَفَعَهُ یعنی جس نے اللہ کے دین میں تفقہ حاصل کیا اور اللہ نے جو کچھ مجھے دیکر بھیجا ہے اس سے اس کو نفع پہنچایا، اس نے علم حاصل کیا اور دوسروں کو تعلیم دی۔ اور یہ مثال ہے اسکی جس نے اللہ کی اس ہدایت کی طرف سر ہی نہ اٹھایا اور نہ ہی اسے قبول کیا۔ (بخاری کتاب العلم)

اس حدیث پاک میں تین قسم کے لوگوں کی مثال تین قسم کی زمین سے دی گئی ہے۔ ایک زمین وہ جو نہ پانی جمع کرے اور نہ سبزہ وغیرہ اگائے، یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے دین پر توجہ نہیں دی۔ دوسری وہ زمین جو پانی جمع کر لیتی ہے مگر اس سے کچھ اگاتی نہیں البتہ اسکا جمع شدہ پانی دوسرے استعمال کرتے ہیں۔ اس سے مراد محدثین کرام ہیں جو فقیہ نہیں۔ وہ احادیث حفظ کر لیتے ہیں مگر تفقہ نہ ہونے کی وجہ سے خود احکام و مسائل کا استنباط نہیں کر سکتے۔ ان سے احادیث سن کر فقہاء کرام مسائل کا استخراج کرتے ہیں۔

تیسری وہ زمین ہے جو پانی اپنے اندر جذب کر کے خزانے اگل دیتی ہے۔ یہ ان فقہائے کرام کی مثال ہے جو احادیث مبارکہ کو اپنے سینوں میں جذب کر کے ان سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں مسائل اخذ کرتے ہیں اور دوسروں کے لیے ہدایت و رہبری کا سامان فراہم کرتے ہیں۔

۷۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، ”اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش و خرم رکھے جس نے میرے کلام کو سنکر اچھی طرح یاد کیا اور پھر اسے دوسروں تک پہنچایا۔ کیونکہ بعض فقہ سیکھنے والے خود غیر فقیہ ہوتے ہیں اور وہ

اسے ان تک پہنچا دیتے ہیں جو اعلیٰ درجہ کے فقیہ ہوتے ہیں۔ (مشکوٰۃ کتاب العلم)
یہ حدیث پاک مختلف الفاظ سے متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ اس
حدیث کو متواتر کہتے ہیں۔ اس حدیث کو امام احمد، شافعی، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ،
بیہقی، اور دارمی نے بھی روایت کیا ہے۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احادیث روایت کرنے کا اصل مقصد ان سے فقہ حاصل
کرنا ہے اس لیے وہ محدثین کرام جو فقیہ نہیں انکے ذمہ احادیث کا بیان کرنا اس لیے بھی
زیادہ اہم ہے تاکہ وہ احادیث جن میں فقہ ہے ان حضرات تک پہنچ جائیں جو محدث
بھی ہیں اور فقیہ بھی۔

فقہاء کی فضیلت:

علم الحدیث میں دو چیزیں بنیادی اہمیت کی ہیں۔

اول: حدیث کی سند و روایت، اور دوم: حدیث کے معنی و درایت۔

حدیث کی سند و روایت کی حفاظت اس امت کے محدثین کرام نے کی ہے جبکہ حدیث
کے معنی و درایت کا فریضہ امت کے جید فقہائے عظام نے انجام دیا ہے۔ یہ بات بھی
ملحوظ خاطر رہے کہ فقہاء کرام کو علم الحدیث پر کامل دسترس ہوتی ہے۔ اگر فقہاء کرام کا
عام غیر فقیہ محدثین سے موازنہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ محدثین مواعظ،
قصص، فضائل اور ہر قسم کی روایات کا احاطہ کرتے ہیں جبکہ فقہاء کرام زیادہ تر ان
احادیث سے غرض رکھتے ہیں جن سے کوئی نہ کوئی شرعی حکم مستنبط ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے
کہ محدثین کی نسبت فقہاء کرام کی روایات کی تعداد بہت قلیل دکھائی دیتی ہے۔

خطیب بغدادی بیان کرتے ہیں کہ محدثین کرام کی ایک جماعت تشریف فرما تھی کہ
مردہ عورتوں کو نہلانے والی ایک عورت آئی اور اس نے سوال کیا، ”حیض والی عورت
مردہ کو غسل دے سکتی ہے یا نہیں؟“ امام یحییٰ بن معین، ابو حنیفہ، زہیر بن حرب، خلف

بن سالم وغیرہ دیگر جید محدثین کرام (رحمہم اللہ) ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے اور کسی کو اس کے سوال کا جواب نہ آیا۔ اس دوران امام ابو ثور رحمہ اللہ جو محدث ہونے کے ساتھ ساتھ مجتہد اور فقیہ بھی تھے، وہاں تشریف لے آئے۔

اس عورت نے اپنا مسئلہ ان سے دریافت کیا، انہوں نے فرمایا، ہاں حائضہ عورت میت کو غسل دے سکتی ہے۔ کیونکہ آقا و مولیٰ ﷺ نے ایک موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ تیرا حیض تیرے ہاتھ میں تو نہیں ہے اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حیض کی حالت میں حضور ﷺ کے سر مبارک پر پانی ڈال کر مانگ نکالتی تھیں۔ جب اس مخصوص حالت میں زندہ شخص کے سر پر پانی ڈالا جاسکتا ہے تو مردے کو غسل کیوں نہیں دیا جاسکتا؟

امام ابو ثور رحمہ اللہ کا یہ فتویٰ جب محدثین کرام نے سنا تو اس حدیث کی اسناد پر گفتگو شروع کر دی کہ یہ روایت فلاں سے بھی مروی ہے اور یہ روایت فلاں سے بھی مروی ہے۔ اس سائلہ عورت نے ان محدثین کرام سے مخاطب ہو کر کہا، آپ لوگ اب تک کہاں تھے؟ (تاریخ بغداد ج ۶: ۶۷)

اس سے معلوم ہوا کہ محض حدیث کی اسناد اور طرق جمع کر لینے سے مسلمانوں کو پیش آنے والے مسائل حل نہیں ہو سکتے ورنہ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ جیسے جلیل القدر محدث اس حدیث کو حفظ کر لینے کے باوجود لا جواب نہ ہو جاتے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ محدثین کرام بھی احادیث سے مسائل اخذ کرنے میں فقہاء کرام کی برتری کو تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ ایک حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں، ”اور اسی طرح فقہاء نے کہا ہے اور وہ حدیث کے معانی کو زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔“ (جامع ترمذی ج ۱: ۱۱۸)

اسی طرح ایک بار کسی شخص نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ایک مسئلہ پوچھا تو آپ

ہیں؟ انکے خواص کیا ہیں؟ خوراک کی مقدار کیا ہے؟ وغیرہ۔ یہ سب باتیں تو ڈاکٹر اور حکیم ہی جانتے ہیں۔ اسی طرح محدثین کرام سینکڑوں ہزاروں حدیثیں جمع کرتے ہیں مگر ان سے مسائل اخذ کرنے پر قادر نہیں ہوتے۔ جبکہ فقہاء کرام کو حدیثوں کا علم بھی ہوتا ہے اور وہ ان سے مسائل کے استنباط سے بھی آگاہ ہوتے ہیں۔

علامہ ابن جوزی حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”جان لو کہ حدیث میں بڑی باریکیاں اور پیچیدگیاں ہوتی ہیں جن کو صرف وہ علماء ہی پہچان سکتے ہیں جو فقہاء ہوں۔ یہ باریکیاں اور پیچیدگیاں کبھی تو انکی روایت و نقل میں ہوتی ہیں اور کبھی انکے معانی کے کشف میں۔“ (دفع شبه التشبیہ: ۲۶)

شارح بخاری امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی فقہاء کی اہمیت و فضیلت کو یوں بیان فرمایا، ”حلال و حرام کا علم اور انکے مسائل تو فقہاء کرام سے ہی حاصل کیے جاسکتے ہیں۔“ (فتح الباری جلد ۹: ۳۱ طبع مصر)

رائے اور قیاس:

سب سے پہلے رائے کا لغوی معنی سمجھ لیجیے۔ رائے کے معنی دل کی نظر اور بصیرت کے ہیں۔ اسکا اصطلاحی مفہوم علامہ ابن اثیر الجزری شافعی رحمہ اللہ نے یوں بیان کیا ہے۔ ”محدثین اصحاب قیاس کو اصحاب رائے کہتے ہیں اسکا معنی یہ ہے کہ وہ مشکل احادیث کو اپنی رائے اور سمجھ سے حل کرتے ہیں یا ایسے مواقع پر وہ اپنے اجتہاد اور قیاس سے کام لیتے ہیں جہاں کوئی حدیث موجود نہیں ہوتی۔“ (نہایہ ج ۲: ۷۹ طبع مصر)

اس سے معلوم ہوا کہ محدثین کرام ان اصحاب کو اہل رائے کہتے ہیں جو اپنے دل کی بصیرت اور عقل و فہم سے مشکل احادیث اور غیر منصوص مسائل کو حل کرتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا دل کی بصیرت اور رائے کے بغیر بھی احادیث کا صحیح فہم ممکن ہے؟ یقیناً نہیں۔ امام ابن حجر شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

”محققین نے فرمایا ہے کہ رائے کا استعمال کیے بغیر حدیث پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ رائے (عقل و فہم) ہی سے حدیث کے معانی سمجھ میں آتے ہیں جس پر احکام کا دار و مدار ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض محدثین جب رضاعت کی تحریم کی علت کا ادراک نہ کر سکے تو انہوں نے یہ کہہ دیا کہ اگر دو بچے (رضاعت کے ایام میں) ایک بکری کا دودھ پی لیں تو ان میں حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ (ان محدثین میں امام بخاری رحمہ اللہ کا اسم گرامی سرفہرست ہے)۔ اسی طرح محض رائے پر بھی عمل نہیں کرنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ حالانکہ قیاس یہ کہتا ہے کہ کچھ کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جانا چاہیے خواہ بھول کر ہی ہو۔ اسی طرح جان بوجھ کر قے کرنے والے کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ حالانکہ قیاس یہ کہتا ہے کہ روزہ معدے میں کسی چیز کے داخل ہونے سے ٹوٹنا چاہیے لیکن کسی شے کے باہر آنے سے نہیں ٹوٹنا چاہیے۔“ (الخیرات الحسان: ۲۶۴)

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ نہ تو احادیث سے بے نیاز ہو کر محض رائے اور قیاس پر عمل کرنا درست ہے اور نہ ہی رائے اور فہم کے بغیر احادیث کا صحیح مدعا سمجھا جاسکتا ہے۔ علامہ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ نے اصحاب الرائے کی جو تعریف بیان کی اس کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ ”وہ ایسے مواقع پر اجتہاد سے کام لیتے ہیں جہاں کوئی حدیث نہیں ہوتی۔“ اجتہاد اور قیاس کی تعلیم تو خود آقا و مولیٰ ﷺ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو دی اور صحابہ کرام اس پر عمل پیرا رہے۔ چند احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو دریافت فرمایا، اے معاذ! اگر تمہیں کوئی مسئلہ قرآن و سنت میں نہ ملے تو کیسے فیصلہ کرو گے؟ عرض کی، ”اجتہد برائے“ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کروں گا۔ ارشاد فرمایا، ”اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے رسول کے

قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس پر اللہ تعالیٰ کا رسول راضی ہے۔“

(ترمذی ج ۱: ۱۵۹، ابوداؤد ج ۲: ۱۳۹)

شیخ الاسلام علامہ ابن عبد البر المالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیح اور مشہور ہے۔ اسکو عادل ائمہ نے روایت کیا اور یہ اجتہاد اور قیاس علی الاصول کی اصل ہے۔“ (جامع بیان العلم وفضلہ ج ۲: ۷۷ طبع مصر)

2۔ ایک عورت بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض گزار ہوئی، یا رسول اللہ ﷺ! میرا باپ بوڑھا ہے اور اس پر حج فرض ہو گیا لیکن وہ حج کی ادائیگی پر قادر نہیں۔ کیا میں اس کی طرف سے حج بدل کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، تیرا کیا خیال ہے کہ اگر تیرے باپ پر کسی کا قرض ہو اور تو اسکو ادا کر دے تو کیا تیری ادائیگی کافی ہوگی؟۔ اس نے عرض کی، ہاں۔ فرمایا، پھر اللہ کا قرض (یعنی والد کی طرف سے حج) بھی ادا ہو جائے گا۔ (نسائی جلد دوم باب الحکم بالتشبیہ والتمثیل)

اس حدیث پاک میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے حج کو مالی حقوق پر قیاس کیا ہے۔

3۔ ایک دن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بہت سے مسائل بیان فرمائے اور پھر فرمایا، اگر تم میں سے کسی شخص کو کسی مسئلہ میں فیصلہ کرنا ہو تو کتاب اللہ سے فیصلہ کرے، اگر وہ امر قرآن میں نہ ملے تو سنت نبوی ﷺ سے فیصلہ کرے، اگر وہ امر قرآن و سنت دونوں میں نہ ملے تو نیک لوگوں یعنی صحابہ کرام کے فیصلے کے موافق فیصلہ کرے اور اگر وہ امر نہ قرآن میں نہ سنت نبوی ﷺ میں اور نہ صالحین کے فیصلوں میں، تو وہ شخص اپنی عقل سے کام لے اور ”فَلْيَبْتَهِذْ رَأْيَهُ“ یعنی اپنی رائے سے اجتہاد کرے۔ امام نسائی رحمہ اللہ نے فرمایا، یہ حدیث صحیح ہے۔

(سنن نسائی جلد دوم کتاب ادب القضاة، باب الحکم باتفاق اهل العلم)

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ اگر کوئی مسئلہ قرآن و سنت اور آثارِ صحابہ میں نہ ملے تو

قیاس کرنا درست ہے۔

4۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا اور اگر قرآن اور سنت رسول ﷺ میں ان کو اس مسئلہ کی وضاحت نہ ملتی تو آپ ارشاد فرماتے،

”میں اپنی رائے سے اجتہاد کرتا ہوں اگر صحیح ہو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے ورنہ میری خطا ہے۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں۔“ (طبقات ابن سعد ج ۳: ۱۳۶)

دوسری روایت میں ہے کہ آپ برگزیدہ افراد کو جمع کر کے ان سے رائے لیتے اور جب وہ حضرات ایک رائے پر متفق ہو جاتے تو آپ اس کے مطابق فیصلہ فرما دیتے۔

(مسند دارمی ج ۱: ۵۸، طبع دمشق)

5۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بھی ایسا ہی معمول تھا۔ آپ جب لوگوں کو فتویٰ دیتے تو ارشاد فرماتے، ”یہ عمر کی رائے ہے اگر درست ہے تو اللہ تعالیٰ کا احسان ہے ورنہ میری خطا ہے۔“ (کتاب المیزان للشعرانی ج ۱: ۳۹، سنن الکبریٰ ج ۱۰: ۱۱۶)

6۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب خلیفہ بنایا گیا تو آپ نے فرمایا، میں اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول ﷺ کی سنت کے مطابق عمل کروں گا اور اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔

(شرح فقہ اکبر لملا علی قاری: ۹، طبع کانپور)

7۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بھی یہی طریقہ تھا اور انہوں نے اس کی تعلیم دی۔ (سنن الکبریٰ ج ۱۰: ۱۱۵)

8۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا معمول تھا کہ کتاب و سنت کے بعد حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے فیصلوں سے راہنمائی لیتے اور اگر کوئی دلیل نہ ملتی تو پھر اپنی رائے سے فتویٰ دیتے۔ (مسند دارمی ج ۱: ۵۹، سنن الکبریٰ ج ۱۰: ۱۱۵)

ان دلائل و براہین سے یہ ثابت ہو گیا کہ :-

☆ رسول کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو قیاس و اجتہاد کی تعلیم دی،

☆ اصول دین چار ہیں، قرآن، سنت، اجماع اور قیاس،
 ☆ قرآن و سنت اور اجماع کے بعد صحابہ کرام قیاس و اجتہاد کو اختیار کرتے تھے۔
 فقہاء صحابہ کرام:

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ رسول کریم ﷺ کے تمام صحابہ کرام اپنے آقا کریم ﷺ کی نگاہ کرم اور صحبت بابرکت کے فیض سے متقی، عادل، ثقہ اور صادق تھے۔ البتہ فہم قرآن و حدیث اور تفقہ فی الدین کے لحاظ سے انکے مختلف درجات و مراتب تھے۔ نبی کریم ﷺ نے بعض صحابہ کرام مثلاً حضرت معاذ بن جبل، حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کو مختلف قبائل کی طرف دین کی تعلیمات سکھانے کے لیے روانہ فرمایا۔ انکے علاوہ خلافت راشدہ کے دور میں بھی کئی صحابہ کرام دین سکھانے کے لیے مختلف علاقوں میں بھیجے گئے۔

”صحابہ کرام مختلف شہروں میں پھیل گئے اور ان میں سے ہر ایک وہاں کا پیشوا بن گیا۔ مسائل پیش آنے پر لوگوں نے فتوے پوچھنا شروع کیے تو ہر صحابی نے اپنے حافظہ یا استنباط سے مسائل کا جواب دیا یا پھر اپنی رائے سے اجتہاد کیا۔“ (حجۃ اللہ البالغہ)
 عصر حاضر کے معروف دانشور ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”ایسی متعدد مثالیں تاریخ میں ملتی ہیں کہ گورنر اور قاضی، جو دور دراز علاقوں میں تھے یا تو خود لکھ کر رسول اللہ ﷺ سے پوچھتے تھے کہ ان حالات میں کیا کرنا چاہیے اور ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ ان گورنروں اور قاضیوں نے اپنی صوابدید اور اپنے فہم کے مطابق فیصلہ کر ڈالا۔“
 (خطبات بہاولپور: ۸۱)

دینی مسائل کی ترویج و اشاعت اور فتاویٰ دینے کے لحاظ سے صحابہ کرام کا ایک طبقہ بہت نمایاں ہے جن کے فتاویٰ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت

عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

انکے بعد صحابہ کرام کا دوسرا طبقہ ہے جن حضرات نے کثیر فتاویٰ دیے لیکن اول الذکر کی بہ نسبت یہ تعداد کم رہی۔ ان صاحب علم و فضل، نفوس قدسیہ کی تعداد بیس شمار کی گئی ہے جن میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عثمان، حضرت ام سلمہ، معاذ بن جبل، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت انس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص، حضرت عبداللہ بن زبیر، ابوموسیٰ اشعری، سعد بن ابی وقاص، سلمان فارسی، جابر بن عبداللہ، ابوسعید خدری، عبدالرحمن بن عوف، امیر معاویہ، عبادہ بن صامت، عمران بن حصین اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

صحابہ کرام براہ راست نبی کریم ﷺ سے دین کا علم حاصل کیا کرتے تھے۔ آقا و مولیٰ ﷺ کے ظاہری وصال کے بعد صحابہ کرام اور تابعین عظام بھی اپنے درمیان موجود زیادہ صاحب علم صحابی کی تقلید کیا کرتے تھے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے تھے، ”جب تک یہ عالم تمہارے درمیان موجود ہیں، مجھ سے مسائل نہ پوچھا کرو۔“ (صحیح بخاری) اسی کا نام شخصی تقلید ہے جو دو صحابہ میں بھی موجود تھی۔

بخاری شریف میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل مدینہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تقلید کو ترجیح دی۔ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ دو صحابہ میں فقیہ صحابہ اجتہاد کیا کرتے تھے اور دوسرے لوگ انکی تقلید بھی کرتے تھے۔

جید فقہاء صحابہ کرام کے بارے میں جلیل القدر تابعی امام مسروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ”میں نے صحابہ کرام کی محبت سے فیض پایا ہے۔ میں نے دیکھا کہ سب صحابہ کرام کا علم سٹ کر ان چھ اکابر صحابہ کی طرف لوٹتا ہے۔“

حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوالدرداء اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم۔ پھر میں نے ان چھ حضرات سے کتاب فیض کیا تو دیکھا کہ ان سب کا علم حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے علم پر ختم ہو گیا۔ (طبقات ابن سعد ج ۲: ۲۵، تذکرۃ الحفاظ ج ۱: ۲۴)

ابن قیم کہتے ہیں، ”اہل مدینہ میں دین اور فقہ کا علم زید بن ثابت اور ابن عمر کے اصحاب کے ذریعے، اہل مکہ میں ابن عباس کے اصحاب کے ذریعے اور اہل عراق میں ابن مسعود کے اصحاب کے ذریعے پھیلا ہے (رضی اللہ عنہم)۔ (اعلام الموقعین ج ۱: ۸)

امام شعبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، حضور ﷺ کے صحابہ کرام کے بعد کوفہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہی دین کے فقہاء تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۲: ۲۹۹)

آپ ہی کا ایک اور ارشاد ہے، ”میں کوفہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کے سوا کسی کو فقیہ نہیں جانتا۔“ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱: ۷۸)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد جب کوفہ تشریف لائے تو دیکھا کہ مسجد کوفہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد فقہ کا درس دے رہے ہیں اور چار سو کے قریب دواتیں رکھی ہیں جن سے طلبہ انکا درس لکھ رہے ہیں۔ آپ نے خوش ہو کر فرمایا، ”اللہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر رحمت فرمائے، وہ ان لوگوں کو کوفہ کے روشن چراغ بنا کر چھوڑ گئے ہیں۔“ (مناقب للموفق: ۳۸۵)

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ بعض صحابہ کرام زیادہ فقیہ اور کثیر الفتاویٰ تھے ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ نیز آپ ہی نے فقہ کی درس و تدریس کا باقاعدہ سلسلہ جاری کیا اس لیے انکی اور انکے اصحاب کی فقہ دیگر تمام مجتہدین کی فقہ پر مقدم ہے۔



باب ہفتم (7)

امام اعظم اور علم الحدیث:

بعض نام نہاد اہلحدیث سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ ”آپ کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں“۔ اس اعتراض کی اصل وجہ بھی آپ سے حسد و بغض ہے۔ علامہ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں،

”کسی کے ذہن میں یہ خیال نہ آئے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو فقہ کے علاوہ دیگر علوم پر دسترس حاصل نہ تھی۔ حاشا للہ، آپ علوم شرعیہ، تفسیر، حدیث اور علوم ادب و حکمت میں بحر ناپیدا کنار تھے اور ان میں سے ہر فن کے امام تھے۔ بعض دشمنوں کا اس کے خلاف کہنا محض ان سے حسد کی وجہ سے ہے“۔ (الخیرات الحسان: ۸۹)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نامور شاگرد امام مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ (المتوفی ۲۱۵ھ) امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد ہیں اور صحیح بخاری میں بائیس ثلاثیات میں سے گیارہ ثلاثیات صرف امام مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ کی سند سے مروی ہیں اور نو ثلاثیات دیگر حنفی شیوخ سے۔ گویا امام بخاری رحمہ اللہ کو اپنی صحیح میں عالی سند کے ساتھ بیس ثلاثیات درج کرنے کا شرف سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کا صدقہ ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر کتب صحاح کے اسانید میں بھی اکثر شیوخ حنفی ہیں۔ امام مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہ کر آپ سے حدیث اور فقہ کا علم حاصل کیا اور آپ سے بکثرت حدیثیں روایت کیں۔ آپ نے امام اعظم رحمہ اللہ کی خدمت سے دس سال استفادہ کیا۔ (مناقب للموفق: ۲۱۷)

امام ابو عبد الرحمن المقری رحمہ اللہ (۲۱۳ھ) نے امام اعظم رحمہ اللہ سے نو سو (۹۰۰) حدیثیں سماعت کیں۔ (مناقب کردری ج ۲: ۲۱۶)

انکے شاگرد بشر بن موسیٰ رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ ”جب آپ ہم سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی

سند سے کوئی حدیث بیان کرتے تو فرماتے، حدثنا شاہنشاہ۔ ہم سے شہنشاہ نے حدیث بیان کی ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳: ۳۲۵)

غور فرمائیے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ امام مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ دس سال امام اعظم رضی اللہ عنہ سے حدیث و فقہ کا علم حاصل کریں اور محدثِ کامل امام ابو عبد الرحمن رحمہ اللہ نو سو (۹۰۰) حدیثیں سن کر آپ کی عظمت کا اقرار یوں کریں کہ آپ کو ”حدیث کا شہنشاہ“ کہیں تو پھر امام اعظم رضی اللہ عنہ کے حافظ الحدیث ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے ائمہ تابعین وغیرہ چار ہزار شیوخ سے علم حاصل کیا ہے اس لیے امام ذہبی رحمہ اللہ اور دوسرے حضرات نے آپ کا شمار حفاظِ محدثین کے طبقے میں کیا ہے اور جس نے یہ گمان کیا کہ آپ نے حدیث کو کم اہمیت دی، یہ اس کی غفلت ہے یا پھر حسد ہے، یہ بات اس شخص کے متعلق کیونکر صحیح ہو سکتی ہے جس نے حدیث سے بے شمار مسائل اخذ کیے ہوں حالانکہ دلائل شرعیہ سے مخصوص طریقہ کے مطابق استنباط کرنے والے آپ پہلے شخص ہیں جس کا ذکر آپ کے اصحاب کی کتب میں ہے۔ چونکہ آپ (فقہ کے) اس اہم کام میں مشغول رہے اس لیے آپ کی حدیثیں لوگوں میں پھیل نہ سکیں۔ جسطرح حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما جب مسلمانوں کی ضروریات میں مشغول ہوئے تو ان سے روایتِ حدیث ظاہر نہ ہوئی جیسا کہ ان کے سوا دوسرے کم عمر صحابہ سے ظاہر ہوئی۔

اس طرح امام مالک اور امام شافعی سے بھی فقہ میں مشغولیت کے باعث اس قدر احادیث ظاہر نہیں ہوئیں جیسا کہ ان حضرات سے مثلاً ابو زرہ اور ابن معین (رحمہم اللہ تعالیٰ) سے ظاہر ہوئیں جو کہ محض روایتِ حدیث کی طرف متوجہ رہے۔ علاوہ ازیں کثرتِ روایات بغیر درایت کے کوئی خوبی کی بات نہیں بلکہ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے تو اس کی مذمت میں ایک مستقل باب لکھا ہے اور فرمایا ہے کہ فقہاء و علماء کا مذہب

یہ ہے کہ ”بغیر تفقہ و تدبر کے کثرت سے روایت کرنا اچھا نہیں اور ابن شبرمہ رحمہ اللہ نے کہا کہ ”کم روایت بھی تفقہ ہے“۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا ارشاد ہے، ”قابل اعتماد چیز حدیث و اثر ہے اور صرف وہ رائے قبول کرو جو حدیث کی تفسیر کرے“۔ (الخیرات الحسان: ۲۲۰)

حافظ الحدیث، اسرائیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بہت اچھے بزرگ تھے۔ انہیں ہر ایسی حدیث جس سے کوئی فقہی مسئلہ اخذ ہو سکتا تھا بہت اچھی طرح یاد تھی۔ وہ ایسی حدیثوں کو بہت تلاش کرتے تھے اور حدیث میں فقہی مسائل کو بہت زیادہ جاننے والے تھے۔ (تبہیض الصحیفہ: ۲۷)

صحاح ستہ کے اہم راوی حافظ الحدیث امام مسعر بن کدام رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”میں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حدیث کا علم حاصل کرنا شروع کیا لیکن وہ ہم پر غالب رہے“۔ (مناقب للذہبی: ۲۷ طبع مصر)

امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”میں نے دیکھا ہے کہ بڑے بڑے محدثین مثلاً زکریا بن ابی زائدہ، عبدالملک بن ابی سلیمان، لیث بن ابی سلیم، مطرف بن طریف اور حصین بن عبدالرحمن وغیرہ (رحمہم اللہ تعالیٰ) امام اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس اکثراً آتے جاتے رہتے اور مشکل مسائل دریافت کرتے تھے۔ کئی بار وہ ان احادیث کے بارے میں سوال کرتے جسکے متعلق انہیں کوئی مشکل پیش آتی تھی۔ (مناقب للموفق: ۳۹۶)

مقام غور ہے کہ اگر بالفرض سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کو صرف سترہ حدیثیں یاد ہوئیں تو ایسے بڑے بڑے محدثین آپ کے پاس کیوں حاضری دیتے؟

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”آپ سے جن محدثین نے کثیر روایات حاصل کی ہیں انکو شمار نہیں کیا جاسکتا“۔ (مناقب للذہبی: ۱۲)

علامہ یوسف بن صالح شامی رحمہ اللہ نے آپ سے روایات اخذ کرنے والے نو سو

چوبیس (۹۲۴) محدثین کے نام تحریر کیے ہیں۔ (عقود الجمان باب ۴، ۵) علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے آپ کے ۹۵ تلامذہ کے اسمائے گرامی تحریر کیے ہیں۔ (تبلیغ الصغیرہ: ۱۴)

نامور محدث علی بن خشرم رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”ہم امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر تھے انہوں نے فرمایا، اے اصحاب حدیث! تم حدیث میں تفقہ پیدا کرو، ایسا نہ ہو کہ اصحابِ الرائے تم پر غالب آجائیں۔ یہ خیال رہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے کوئی بات ایسی نہیں کہی ہے جس پر ہم ایک یا دو حدیثیں نہ روایت کرتے ہوں۔“

(معرفت علوم الحدیث: ۶۹ طبع قاہرہ)

اس ارشاد سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اصحابِ الرائے تفقہ فی الحدیث کے حوالے سے نمایاں مقام کے حامل رہے ہیں اسی لیے امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے انہیں حدیث کا فہم حاصل کرنے کی ترغیب دی اور دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ جو کچھ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے اس کے بارے میں ایک یا دو حدیثیں ضرور موجود ہیں۔ یعنی کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا اجتہاد و قیاس احادیث کے عین مطابق ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ جنہیں امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ، ”صاحب حدیث“ اور امام ذہبی رحمہ اللہ ”حافظ الحدیث“ کہتے تھے وہ فرماتے ہیں، میں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ حدیث کی تفسیر جاننے والا اور اسکے فقہی نکات پہچاننے والا نہیں دیکھا۔ اور میں نے جب کبھی کسی بات میں انکی مخالفت کی اور پھر اس پر غور کیا تو انہی کے مذہب کو آخرت کے لحاظ سے زیادہ موجب نجات پایا اور بسا اوقات میں حدیث کی طرف مائل ہوتا تو وہ مجھ سے زیادہ صحیح حدیث کو جاننے والے ہوتے۔

جب امام اعظم رضی اللہ عنہ کسی قول پر جم جاتے تو میں آپ کے قول کی تائید میں کوئی حدیث یا اثر معلوم کرنے کے لیے کوفہ کے مشائخ کے پاس جاتا۔ بسا اوقات دو دو یا تین تین حدیثیں لے کر آپ کے پاس حاضر ہوتا تو ان میں سے کسی کے بارے میں فرما دیتے

کہ یہ صحیح نہیں ہے یا غیر معروف ہے۔ میں دریافت کرتا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا حالانکہ یہ تو آپ کے قول کے مطابق ہے۔ آپ ارشاد فرماتے، ”میں اہل کوفہ کے تمام علم کا عالم ہوں۔“ (الخیرات الحسان: ۲۲۲، فتاویٰ رضویہ ج ۱: ۱۲۱)

آپ نے صرف کوفہ ہی کے مشائخ سے علم حاصل نہ کیا بلکہ آپ مکہ، مدینہ اور بصرہ بھی حصول علم کے لیے کئی بار گئے۔ آپ کے بعض اساتذہ کرام کا ہم آئندہ صفحات میں ذکر کریں گے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے سینہ اقدس میں احادیث کا کتنا بڑا خزانہ تھا اس کا اندازہ محدث علی قاری رحمہ اللہ کے اس قول سے کیجیے، وہ امام محمد بن ساعد رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں، ”امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار (۷۰،۰۰۰) سے زائد احادیث بیان کی ہیں اور چالیس ہزار (۴۰،۰۰۰) احادیث سے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے۔“ (مناقب بذیل الجواہر ج ۲: ۴۷۴)

صدرالائمہ امام موفق بن احمد کی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ”امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے کتاب الآثار کا انتخاب چالیس ہزار احادیث سے کیا ہے۔ جن کی صحت کی آپ کو پوری تحقیق تھی۔“ (مناقب للموفق: ۱۰۴)

ایک بات کی وضاحت ضروری ہے وہ یہ کہ اگر ایک حدیث کا متن سو مختلف طریقوں اور سندوں سے روایت کیا جائے تو محدثین کی اصطلاح میں یہ سو حدیثیں ہونگی۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلاں محدث کو ایک لاکھ حدیثیں یاد تھیں اور فلاں محدث کو دو لاکھ، اس کا یہی مطلب ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حدیث کی اسناد میں راویوں کا اضافہ ہوا اور ایک ایک حدیث کو بکثرت راویوں نے روایت کرنا شروع کر دیا۔ ورنہ محدثین کرام کا اتفاق ہے کہ ”تمام مسند احادیث صحیحہ جو بلا تکرار نبی کریم ﷺ سے روایت کی گئی ہیں انکی تعداد چار ہزار اور چار سو ہے۔“ (توضیح الافکار: ۶۳ طبع مصر)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف جب چالیس ہزار حدیثوں کی نسبت کی جاتی ہے تو یہ

اسانید و طرق کی کثرت سے مروی روایات کی تعداد ہوتی ہے اور امام حسن بن زیاد رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ بلا تکرار جو احادیث روایت کرتے ہیں انکی تعداد چار ہزار ہے، دو ہزار احادیث انہوں نے اپنے استاد امام حماد رحمہ اللہ سے اور دو ہزار دوسرے شیوخ سے حاصل کیں۔“ (مناقب للموفق: ۱۰۵)

اس سے معلوم ہوا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ واقعی علم الحدیث کے شہنشاہ تھے۔ اور اگر نفس احادیث کے اعتبار سے تجزیہ کیا جائے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کی مرویات امام بخاری رحمہ اللہ سے کہیں زیادہ ہیں اور نسبتاً کم واسطوں سے ہیں۔

مرکزِ علم و فضل..... کوفہ:

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا وطن کوفہ ہے۔ اس لیے غیر مقلدین یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ کوفہ والوں کو حدیث کا علم نہیں تھا نیز کوفہ میں صرف ایک دوصحابہ رہتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ آئیے اس پروپیگنڈہ کا تجزیہ کرتے ہیں۔

علامہ کوثریؒ مصری رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ”عہدِ فاروقیؓ اہل میں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم پر شہر کوفہ آباد کیا گیا اور اسکے اطراف میں فصحاء عرب آباد کیے گئے۔ سرکاری طور پر یہاں مسلمانوں کی راہنمائی کے لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تقرر ہوا۔ انکے علمی مقام کا اندازہ اس مکتوب سے کیا جاسکتا ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو تحریر کیا تھا۔ اس میں تحریر تھا،

”عبداللہ بن مسعود کی مجھے اس خاص ضرورت تھی لیکن تمہاری ضرورت کو مقدم رکھتے ہوئے میں اس ذہنارے پاس بھیج رہا ہوں۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں خلافتِ عثمان کے آخر وقت تک لوگوں کو قرآن پاک اور دینی مسائل کی تعلیم دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس شہر میں چار ہزار علماء اور محدثین پیدا ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کوفہ پہنچے تو اس شہر کے علمی ماحول کو

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے انکے بیٹے نے پوچھا، حصول علم کے لیے ایک استاد کی خدمت میں رہوں یا دوسرے شہروں سے بھی علم حاصل کروں؟ فرمایا، سفر اختیار کرو اور کوفیوں، مصریوں، اہل مدینہ اور اہل مکہ سے علم لکھو۔ (تدریب الراوی: ۱۷۷)

امام احمد رحمہ اللہ نے اہل کوفہ کا ذکر سب سے پہلے کر کے علم و فضل کے حصول کے لیے کوفہ کی اہمیت واضح فرمائی۔ حدیث اور رجال کی کتب دیکھیں تو اکثر راوی کوفہ کے نظر آتے ہیں۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے تذکرۃ الحفاظ کی صرف پہلی جلد میں کوفہ کے تقریباً سو (۱۰۰) حفاظ حدیث کے اسمائے گرامی لکھے ہیں جن میں سے اکثر صحاح ستہ بلکہ صحیحین کے راوی ہیں۔ کیا اسکے باوجود کوئی یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ کوفہ والوں کو حدیث کا علم نہیں تھا۔

امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”جو جنگوں کا علم سیکھنا چاہے وہ اہل مدینہ سے حاصل کرے اور حج کے مسائل اور مناسک سیکھنا چاہے وہ اہل مکہ سے سیکھے اور جو فقہ کا علم حاصل کرنا چاہے اسکے لیے کوفہ ہی ہے۔“ (مناقب للموفق: ۳۶۳)

یہ بات ہم پہلے تحریر کر چکے کہ علم فقہ کی بنیاد حدیث کے علم ہی پر ہے۔ اس لیے کوفہ کو حدیث و فقہ دونوں علوم کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ اسکا سب سے بڑا ثبوت امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ کا ارشاد گرامی ہے جنہوں نے طلب حدیث کے لیے بہت سے اسلامی شہروں کا سفر کیا لیکن کوفہ اور بغداد تو وہ کثرت سے جاتے رہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”میں دو بار مصر و شام گیا، چار مرتبہ بصرہ گیا اور میں ہرگز نہیں گن سکتا کہ میں کوفہ اور بغداد کتنی مرتبہ گیا۔“ (مقدمہ فتح الباری)

شارح بخاری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں، ”جب امام اعظم کے وصال کے اسی (۸۰) سال بعد کوفہ کا یہ حال تھا کہ امام بخاری جیسے احادیث کے بحرِ ناپیدا کنار اپنی تشنگی بجھانے کے لیے اتنی بار کوفہ گئے جس کو وہ اپنے مخیر العقول حافظے کے باوجود شمار نہیں کر سکتے تو اسی

سال پہلے تابعین کے دور میں کوفہ کے علم و فضل کا کیا حال رہا ہوگا؟“۔

(مقدمہ نزہۃ القاری شرح بخاری: ۱۶۶)

حقیقت یہ ہے کہ پندرہ سوا کا برصحبہ کرام کی برکت سے کوفہ علم و فضل کا ایسا مرکز بن گیا تھا جس کی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو دُمُحُ اللہ (اللہ کا نیزہ)، کَنْزُ الْإِيمَانِ (ایمان کا خزانہ) اور جُمُجُمَةُ الْعَرَبِ (عرب کا سر) کے القاب سے یاد کیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو قُبَّةُ الْإِسْلَامِ (اسلام کا گھر) قرار دیا۔ جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو ایمان کا خزانہ، اسلام کا سر اور اللہ تعالیٰ کی تلوار کا لقب دیا۔ (طبقات ابن سعد ج ۶: ۵)

اخذ حدیث کے اصول:

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، ”جس نے میری طرف جھوٹی بات منسوب کی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے“۔ (بخاری، مشکوٰۃ کتاب العلم) ہر دور میں عموماً اور قرونِ اولیٰ میں خصوصاً محدثین کرام حدیث کی روایت میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے رہے ہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی روایت حدیث میں نہایت محتاط طریقہ اختیار کیا۔ مشہور محدث امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ علم حاصل کرنے میں نہایت محتاط اور حدودِ الہی کی بے حرمتی کرنے پر بیحد مدافعت کرنے والے تھے۔ آپ صرف وہی حدیثیں لیتے تھے جو ثقہ راویوں سے مروی اور صحیح ہوتی تھیں اور آپ نبی کریم ﷺ کے آخری عمر کے فعل کو لیا کرتے تھے اور اس فعل کو جس پر انہوں نے علماء کوفہ کو عمل کرتے پایا۔ مگر پھر بھی ایک قوم نے بلا وجہ ان پر طعن کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور انکی مغفرت کرے“۔ (الانتقاء لابن عبد البر: ۱۴۲ طبع مصر)

حسن بن صالح رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ”امام اعظم رضی اللہ عنہ نسخ و منسوخ احادیث کو بکثرت تلاش کرتے تھے اور اہل کوفہ کی تمام احادیث کا علم رکھتے تھے۔ لوگوں کا جس

امر پر اتفاق تھا آپ اسکی سختی سے پیروی کرتے تھے اور آپ ان سب حدیثوں کے حافظ تھے جو آپ کے شہر والوں کو پہنچی تھیں۔ (الخیرات الحسان: ۹۷)

علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ نے آپ ہی کا ایک اور ارشاد نقل کیا ہے کہ ”امام اعظم رضی اللہ عنہ اور علم میں پختہ تھے جب آپ کے نزدیک آقا و مولیٰ ﷺ کی حدیث صحیح ثابت ہوتی تو پھر اس سے غیر کی طرف آپ ہرگز نہ جاتے۔“ (الانتقاء: ۱۲۸)

یہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی نبی کریم ﷺ کی احادیث سے محبت کی دلیل ہے اور اس محبت کا ہی ایک تقاضا یہ ہے کہ ان تمام راستوں کو بند کر دیا جائے جن کے ذریعے کوئی رسول کریم ﷺ کی جانب غلط روایت منسوب کر سکے۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی خیال سے صحابہ کرام کو ہمیشہ حکم دیتے تھے کہ حدیثیں کم بیان کریں۔ حضرت ابو اسلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا، کیا آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی اسی طرح حدیثیں روایت کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا، ”نہیں ورنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ درے مارتے۔“ (سیرۃ النعمان: ۱۷۱)

دور عثمانی و دور حیدری میں احادیث کی اشاعت عام ہو گئی تو اہل بدعت نے بی شمار حدیثیں وضع کر لیں۔ حماد بن زید رحمہ اللہ کے بقول چودہ ہزار حدیثیں صرف ایک فرقہ زنادقہ نے وضع کر لیں۔ ان حالات میں امام اعظم رضی اللہ عنہ نے روایتوں کی تنقید کی بنیاد ڈالی اور اسکے اصول و ضوابط مقرر کیے۔ اس وقت ان شرائط کو نہایت سخت کہا گیا۔ پھر امام مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کے متعلق جو شرائط لگائیں وہ آپ کی شرائط کے قریب تر ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان دونوں کو مشبہ دین فی الروایۃ کہا گیا ہے۔

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قلیل الروایۃ ہونے کا ایک سبب آپ کے اس قول سے ظاہر ہے کہ ”کسی شخص کے لیے حدیث بیان کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ

اس حدیث کو سننے کے دن سے بیان کرنے تک صحیح یاد نہ رکھتا ہو۔ (الخیرات: ۲۲۰)

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ آپ کی احتیاط کا ذکر یوں کرتے ہیں، ”امام اعظم ابو حنیفہ صرف وہ احادیث بیان کرتے ہیں جن کے وہ حافظ ہیں۔“ (تاریخ بغداد، ج ۱۳: ۴۱۹)

آپ روایت بالمعنی کے جواز کے قائل نہ تھے۔ محدث علی قاری لکھتے ہیں، ”امام اعظم روایت بالمعنی کو جائز نہیں کہتے، چاہے وہ مترادف الفاظ ہی میں کیوں نہ ہو۔ جبکہ جمہور محدثین کے نزدیک روایت بالمعنی جائز ہے۔“ (شرح مسند الامام ابی حنیفہ: ۳)

”امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو اس احتیاط پر جس چیز نے مجبور کیا وہ یہ تھی کہ ان کے زمانہ تک روایت بالمعنی کا طریقہ عام تھا اور بہت کم لوگ تھے جو الفاظ حدیث کی پابندی کرتے تھے اس لیے روایت میں تغیر و تبدل کا ہر واسطہ میں احتمال بڑھتا جاتا تھا..... علامہ ذہبی رحمہ اللہ تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ وہ روایت میں سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو جھڑک دیتے تھے کہ الفاظ کے ضبط میں بے پروائی نہ کریں۔ وہ جب کبھی بالمعنی روایت کرتے تو ساتھ ہی یہ الفاظ استعمال کرتے، او مثله او نحوه او شبیه“ بہ اما فوق ذلک واما دون ذلک واما قریب من ذلک۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے اس طرح فرمایا تھا یا اس کے مثل یا اس کے مشابہ یا اس سے کچھ زیادہ یا کم یا اس کے قریب قریب فرمایا تھا۔ ابودرداء رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو لوگوں کو روایات حدیث سے منع کیا کرتے تھے ان کا بھی غالباً یہی منشاء تھا۔ وہ جانتے تھے کہ الفاظ کم یا درہ سکتے ہیں اور معنی کی عام اجازت سے تغیر و تبدل کا احتمال بڑھتا جاتا ہے۔ (سیرۃ النعمان: ۱۸۰-۱۸۴)

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے چونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ سے اکتساب علم کیا اس لیے ایسی ہی احتیاط امام اعظم رضی اللہ عنہ کے یہاں نظر آتی ہے۔ امام صاحب نے ضبط راوی کو اخذ حدیث کے لیے بہت اہمیت دی اسکی کیا وجہ ہے؟ اگر

”ضبط“ کے مفہوم پر غور کیا جائے تو حدیث کے راوی کے لیے اس کی اہمیت و ضرورت بنیادی شرط کے طور پر نمایاں ہو جاتی ہے۔ فخر الاسلام علامہ بزدوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں،

”ضبط کا مفہوم یہ ہے کہ روایت کو اس طرح اخذ کیا جائے جس طرح اسکے حصول کا حق ہے، پھر اسکے صحیح مفہوم کو سمجھا جائے اور پوری کوشش سے اسے یاد کیا جائے پھر اسکی حدود کی حفاظت کر کے اسکی پابندی کی جائے اور روایت بیان کرنے تک اسے بار بار دہرایا جائے تاکہ وہ ذہن سے اتر نہ جائے۔“ (اصول البز دوی، ج ۲: ۷۱۶)

امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ نے آپ کی ایک اور شرط یہ تحریر کی ہے کہ ”جو حدیث سرکارِ دو عالم ﷺ سے منقول ہو اس میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس پر عمل سے پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ راوی حدیث سے صحابی راوی تک متقی و عادل لوگوں کی ایک خاص جماعت اسے نقل کرتی ہو۔“ (میزان الکبریٰ ج ۱: ۶۳)

اس حوالے سے دیکھا جائے تو امام اعظم نے وہی روایات لی ہیں جن پر عمل کرتے ہوئے تابعین اور کبار تبع تابعین کو آپ نے خود ملاحظہ فرمایا۔ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا یہ ارشاد علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے،

یاخذ بما صح عنده من الاحادیث التي كان يحملها الثقات۔ ”امام اعظم ابو حنیفہ احادیث کی وہ روایات لیتے تھے جو آپ کے نزدیک صحیح ہوتی تھیں اور جنہیں ثقہ راویوں کی جماعت روایت کرتی ہو۔“ (مناقب الامام ابی حنیفہ: ۲۰)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی سخت شرائط کے حوالے سے امام سیوطی شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ”یہ سخت مذہب ہے یعنی انتہائی درجہ کی احتیاط ہے۔ اس سلسلے میں دیگر محدثین اس اصول کو نہیں اپنا سکے۔ بہت ممکن ہے کہ بخاری و مسلم کے ان راویوں کی تعداد جو مذکورہ شرط پر پورے اترتے ہوں، نصف تک بھی نہ پہنچتی ہو۔“ (تدریب الراوی: ۱۶۰)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی قبول روایت کے لیے شرائط امام بخاری

و مسلم رحمہ اللہ کی شرائط سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ علم حدیث میں آپ کی احتیاط کے بارے میں مشہور محدث و کعب بن جراح رحمہ اللہ یوں گواہی دیتے ہیں،

”میں نے حدیث میں جیسی احتیاط امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے یہاں دیکھی ایسی احتیاط کسی دوسرے میں نہ پائی۔“ (مناقب للموفق عربی ج ۱: ۱۹۷)

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ نے امام محمد رحمہ اللہ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے، ”امام اعظم حدیث اخذ کرنے اور بیان کرنے میں جتنے سخت ہیں دوسروں سے اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ معلوم و معروف ہے۔“ (فتاویٰ رضویہ ج ۵: ۶۱۲)

امام ترمذی و بیہقی رحمہ اللہ جرح و تعدیل میں امام اعظم کا قول بطور دلیل پیش کرتے ہیں، ”جامع ترمذی میں امام ابو حنیفہ سے روایت ہے کہ میں نے جابر جعفی سے زائد جھوٹا اور عطاء بن ابی رباح سے افضل نہیں دیکھا۔ بیہقی نے روایت کی کہ آپ سے سفیان ثوری سے علم سیکھنے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا، وہ قابل اعتماد ہیں، ان سے حدیث لکھو سوائے ان احادیث کے جو جابر جعفی نے ابواسحق سے روایت کی ہیں۔..... اس سے امام اعظم کی جلالت فی الحدیث معلوم ہوتی ہے۔“ (الخیرات: ۹۰)

علم حدیث میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمات کے متعلق آزاد خیال مصنف شبلی نعمانی نے یہ اعتراف کیا ہے کہ، ”امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو جس بات نے تمام ہم عصروں میں امتیاز دیا وہ ہے احادیث کی تنقید اور بلحاظ ثبوت، احکام اور ان کے مراتب کی تفریق۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بعد علم حدیث کو بہت ترقی ہوئی۔ غیر مرتب اور منتشر حدیثیں یکجا کی گئیں، صحاح کا التزام کیا گیا، اصول حدیث کا مستقل فن قائم ہو گیا..... لیکن تنقید احادیث، اصول درایت اور امتیاز مراتب میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تحقیق کی جو حد ہے آج بھی ترقی کا قدم اس سے آگے نہیں بڑھتا۔“ (سیرۃ النعمان: ۱۶۸)



باب ہشتم (8)

امام اعظم کی ثقاہت:

غیر مقلدین امام اعظم رضی اللہ عنہ کو ضعیف کہتے ہیں اور اسکی دلیل یہ دیتے ہیں کہ امام بخاری اور دارقطنی رحمہما اللہ نے آپ کو ضعیف کہا ہے۔ اس کے جواب میں چند باتیں پیش خدمت ہیں۔

اول: امام اعظم رضی اللہ عنہ کیونکر ضعیف ہو سکتے ہیں جبکہ انکی روایت ضعیف ہونے کا کوئی سبب موجود نہیں۔ آپ یا تو صحابہ کرام سے روایات لیتے ہیں اور یا جید تابعین عظام سے اور ان میں کوئی بھی ضعیف نہیں ہو سکتا۔

صحابہ کرام سے براہ راست اور بلا واسطہ روایت کرنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کا وہ اعزاز ہے جو آپ کے ہم عصر کئی محدثین کو حاصل نہ ہوا۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ آپ نے سات صحابہ کرام سے بلا واسطہ احادیث روایت کیں۔ انکے علاوہ کثیر تابعین کرام ہیں جن سے آپ نے علم حدیث میں استفادہ کیا۔

حضرت عبداللہ بن داؤد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”میں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا، آپ نے اکابر تابعین میں سے کس کی صحبت سے فیض اٹھایا ہے۔ آپ نے فرمایا، قاسم، سالم، طاؤس، عکرمہ، مکحول، عبداللہ بن دینار، حسن بصری، عمرو بن دینار، ابوالثریر، عطاء، قتادہ، ابراہیم، شعبی، نافع اور ان جیسوں کی“۔ رضی اللہ عنہم

(مسند امام اعظم: ۳۱۱، مطبوعہ لاہور)

امام عبدالوہاب شعرائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر احسان ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تین مسندوں کا صحیح نسخہ سے مطالعہ کیا ہے جن پر حفاظ حدیث کے دستخط ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ امام صاحب عادل ثقہ اکابر تابعین سے حدیث روایت کرتے ہیں جو کہ رسول کریم ﷺ کی حدیث کے مطابق خیر القرون میں سے

گناہوں کے مرتکب کو دائمی جہنمی خیال نہ کرے بلکہ یہ سمجھے کہ وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر داخل جنت ہوگا اور خدا تعالیٰ اسکو معاف کر دیگا۔ چنانچہ اس اعتبار سے امام ابوحنیفہ، صاحبین و دیگر علماء کو بھی مرجعہ کہا گیا ہے۔ (حیات امام ابوحنیفہ: ۲۴۳)

”محدث ابن قتیبہ نے اپنی مشہور کتاب المعارف میں مرجعہ کے عنوان سے بہت سے فقہاء و محدثین کے نام لکھے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے اکثر حدیث و روایت کے امام ہیں اور صحیح بخاری و مسلم میں ان لوگوں کی سینکڑوں روایتیں موجود ہیں۔ ہمارے زمانے کے بعض کوتاہ بین (غیر مقلد) اس پر خوش ہیں کہ امام صاحب کو بعض محدثین نے مرجعہ کہا ہے وہ ابن قتیبہ کی فہرست دیکھتے تو شاید ان کو ندامت ہوتی۔ محدث ذہبی نے میزان الاعتدال میں مسعر بن کدام کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ”از جاء بہت سے علماء کبار کا مذہب ہے اور اس کے قائل پر مؤاخذہ نہیں کرنا چاہیے۔“ (سیرۃ النعمان: ۱۴۲)

اس بناء پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ سے تسامح ہوا ہے۔

سوم: اگر امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ”از جاء“ کی وجہ سے آپ کی روایات ضعیف قرار دی جاسکتی ہیں تو پھر اس الزام سے امام بخاری رحمہ اللہ بھی نہیں بچ سکتے کیونکہ انہوں نے صحیح بخاری میں ایسے سولہ (۱۶) راویوں سے روایت لی ہے جو مرجعہ ہونے میں مشہور تھے۔ انکے نام مندرجہ ذیل ہیں:-

- 1 ابراہیم بن طہمان - 2 ایوب بن عائد الطائی - 3 شباہ بن سوار الفرازی - 4 عبد الحمید بن عبد الرحمن الحمائی - 5 عثمان بن غیاث البصری - 6 عمر بن ذر الہمدانی - 7 محمد بن خازم ابو معاویہ - 8 ورقاء بن عمر الیشکری - 9 یونس بن بکر - 10 ابراہیم تیمی - 11 عبد العزیز بن ابی رواد - 12 سالم بن عجیلان - 13 قیس بن مسلم الجبلی - 14 خلاد بن یحییٰ بن صفوان - 15 بشر بن محمد السخنیانی - 16 شعیب بن اسحاق بن عبد الرحمن - (تہذیب التہذیب)

صرف یہی نہیں بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ کے راویوں میں چار خارجی، چار چھمی، چار
ناصبی، انیس شیعہ اور پچیس قدریہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے ”الاقوال الصحیحہ فی جواب الجرح علی ابی حنیفہ“ از قلم:
علامہ پروفیسر نور بخش توکلی رحمہ اللہ ص ۲۲۸ تا ص ۲۶۳)

مذکورہ راویوں میں کئی تو ایسے ہیں جن پر خود امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الضعفاء میں
جرح بھی کیا ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ اس پر تعجب کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

”ایوب بن عائد کے مرجئی ہونے کی وجہ سے امام بخاری نے اسے ضعفاء میں درج
کیا۔ تعجب ہے اس پر طعن بھی کرتے ہیں اور اسکی روایت بھی لیتے ہیں۔“

(مقدمہ نزہۃ القاری: ۱۴۶)

چہارم: مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں، ”امام اعظم رضی اللہ عنہ کے حق میں بعض متعصب
متاخرین سے بھی جرح صادر ہوئی ہے جیسے دارقطنی اور ابن عدی وغیرہ۔ اس پر بہت
بھاری دلائل شاہد ہیں کہ یہ جرح حسد اور تعصب کی وجہ سے کی گئی ہے اور اس تعصب
سے کوئی بشر بھی محفوظ نہیں رہ سکتا مگر جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے اور یہ پہلے بیان ہوا کہ
اس جیسی جرح مقبول نہیں ہوتی بلکہ وہ جرح کرنے والے پر بھی پڑتی ہے۔“

(مقدمہ التعلیق الممجد علی موطا امام محمد: ۳۳)

بعض محدثین جنہوں نے حاسدون کے پروپیگنڈے کے باعث امام اعظم پر جرح کی
تھی، بعد میں اصل حقیقت معلوم ہو جانے پر امام اعظم کی مخالفت سے رجوع کر لیا تھا۔
ان محدثین میں حافظ ابن عدی رحمہ اللہ بھی ہیں جن کا مذکورہ بالا حوالے میں ذکر ہے۔
انہوں نے رجوع کے بعد خلائی کے طور پر امام اعظم رضی اللہ عنہ کی بعض روایات ایک
مسند میں جمع کر کے مرتب کیں۔

شارح بخاری امام بدرالدین عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا، وہ ثقہ ہیں۔ میں نے کسی کو نہیں سنا کہ آپ کو ضعیف کہتا ہو۔ شعبہ بن حجاج آپ کو لکھتے ہیں کہ آپ روایت کر رہے ہیں اور شعبہ اور سعید بھی آپ کو روایت کے لیے فرماتے ہیں۔ یحییٰ بن یزید نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ”امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ثقہ اور صادق ہیں اور ان پر جھوٹ کی تہمت نہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے امین اور حدیث میں سچے ہیں۔“ عبد اللہ بن مبارک، سفیان ابن عیینہ، اعمش، سفیان ثوری، عبدالرزاق، حماد بن زید اور وکیع جیسے ثقہ کبار اور ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی، احمد بن حنبل اور بہت سے دیگر ائمہ نے امام ابو حنیفہ کی تعریف کی ہے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

میں گفتگو سے دارقطنی کا ستم اور تعصب ظاہر ہو گیا۔ پس وہ کون ہے جو امام اعظم رضی اللہ عنہ کو ضعیف کہتا ہے وہ تو خود اس لائق ہے کہ اسے ضعیف کہا جائے، کیونکہ اس نے اپنی سند میں سقیم و معلول و منکر و غریب و موضوع روایات نقل کی ہیں۔ اس لیے وہ اس کا مذاق ہے کہ ”جب لوگ امام صاحب کی عظمت و شان کو نہ پہنچ سکے تو آپ کے مخالف و دشمن بن گئے۔“

مثیل سائر میں ہے کہ سمندر مکھی کے گرنے سے گدلا نہیں ہوتا اور کتوں کے پیٹنے سے پاک نہیں ہوتا۔ و حدیث ابی حنیفہ حدیث صحیح۔ ”امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث، صحیح حدیث ہے۔“ (بنایہ شرح ہدایہ ج ۱: ۷۰۹)

غور فرمائیے کہ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کے زمانہ تک تو ایک آدمی بھی امام اعظم رضی اللہ عنہ کو ضعیف کہنے والا نہ ہوا مگر غیر مقلدین و حاسدین انکو پھر بھی ضعیف قرار دیں، یہ تعصب و حسد نہیں تو پھر کیا ہے؟ غیر مقلدین اپنے امام ابن تیمیہ ہی کا فرمان سن لیں۔ انہوں نے امام مالک و امام شافعی و امام احمد وغیرہ کے ساتھ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کا ذکر کر کے انہیں بھی ائمة الحدیث و الفقہ یعنی ”حدیث و فقہ کا امام“

قرار دیا ہے رضی اللہ عنہم۔ (منہاج السنہ ج ۱: ۲۳۱)

پنجم: اب آخر میں ایک امام الحدیث، ایک عظیم مورخ اور جرح و تعدیل کے ایک نامور امام کی رائے ملاحظہ فرمائیں۔

علم حدیث کے امام ابو داؤد رحمہ اللہ (جن کی کتاب ”سنن ابی داؤد“ صحاح ستہ کا حصہ ہے) انہوں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے فقہ و حدیث کے امام ہونے کی تصریح یوں فرمائی، رحمہ اللہ مالکاً کان اماماً رحمہ اللہ الشافعی کان اماماً رحمہ اللہ ابان حنیفہ کان اماماً۔

”اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو امام مالک پر کیونکہ وہ امام تھے، اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو امام شافعی پر کیونکہ وہ امام تھے، اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو امام ابو حنیفہ پر کیونکہ وہ امام تھے۔“ (جامع بیان العلم ج ۲: ۱۶۳)

امام ذہبی شافعی رحمہ اللہ نے بھی امام ابو داؤد رحمہ اللہ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے، ان ابان حنیفہ کان اماماً۔ ”یشک ابو حنیفہ امام تھے۔“ (تذکرۃ الحفاظ، ج ۱: ۱۶۰)

مؤرخ شہیر علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ رقمطراز ہیں،

ویذل علی انہ من کبار المجتہدین فی علم الحدیث اعتماد مذہبہ بینہم والتعدیل علیہ واعتبارہ رداً وقبولاً۔

”علم حدیث میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے بڑے مجتہدین میں سے ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ان کے مذہب پر اعتماد کیا جاتا ہے اور رد و قبول میں ان پر اعتبار کیا جاتا ہے۔“ (مقدمہ: ۲۳۵ طبع مصر)

اب ہم متاخر محدثین کے امام، ماہر طبقات و رجال، علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ الذہبی رحمہ اللہ کی رائے لکھتے ہیں جو امام شافعی رضی اللہ عنہ کے مذہب کے پیروکار تھے اور انہوں نے حفاظ حدیث کے حالات میں 4 جلدوں پر مشتمل عظیم کتاب لکھی۔ محدثین کی

اصطلاح میں حافظ وہ ہوتا ہے جسے کم از کم ایک لاکھ حدیثیں یاد ہوں۔ آپ اس کتاب میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو بھی حافظ حدیث قرار دیتے ہوئے ان القاب سے یاد کرتے ہیں،

”ابو حنیفۃ الامام الاعظم فقیہ العراق الخ“۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱: ۱۵۸)
ان دلائل سے ثابت ہو گیا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ امام اعظم ہیں، کثیر الحدیث اور حافظ الحدیث ہیں، ثقہ اور صادق ہیں نیز آپ کی مرویات صحیح احادیث ہیں۔
جرح کا جواب:

امام ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”الخیرات الحسان“ میں ایک پوری فصل ان لوگوں کے رد میں تحریر کی ہے جنہوں نے امام اعظم رضی اللہ عنہ پر جرح کی۔ آپ لکھتے ہیں،

”امام ابو عمر یوسف بن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور انکی توثیق کی اور انکی تعریف کی، ان لوگوں کی تعداد ان پر جرح کرنے والوں سے کہیں زیادہ ہے۔ اور جن اہل حدیث نے آپ پر جرح کی، انکی اکثر جرح یہی ہوتی ہے کہ آپ رائے اور قیاس میں منہمک تھے۔ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ یہ کوئی عیب نہیں۔ یہ مقولہ بھی مشہور ہے کہ آدمی کی عظمت شان کا اندازہ اسکے بارے میں لوگوں کے اختلافات سے ہوتا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں دو گروہ ہلاک ہوئے۔ ایک حد سے زائد محبت کرنے والے اور دوسرے بغض کرنے والے۔“

امام بخاری کے شیخ امام علی بن مدینی رحمہ اللہ نے فرمایا، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے سفیان ثوری، ابن مبارک، حماد بن زید، ہشام، وکیع، عباد بن عوام اور جعفر بن عون رحمہم اللہ نے روایت کی ہے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ثقہ ہیں، ان میں کوئی عیب نہیں اور امام شعبہ رحمہ

اللہ انکے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا، ہمارے اصحاب امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور انکے اصحاب کے بارے میں زیادتی کرتے تھے تو ان سے پوچھا گیا، کیا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق جھوٹ کی نسبت صحیح ہے؟ انہوں نے فرمایا، نہیں وہ اس عیب سے بلند تر اور پاک ہیں۔

طبقات شیخ الاسلام تاج الدین سبکی شافعی رحمہ اللہ میں ہے کہ محدثین کے اس قاعدہ کو مطلق سمجھنے سے بچو کہ جرح تعدیل پر مقدم ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ جس کی عدالت ثابت ہو جائے اور اسکی تعریف کرنے والے بہت ہوں اور اس پر جرح کرنے والے کم ہوں اور یہ قرینہ بھی موجود ہو کہ اس پر جرح کی وجہ مذہبی تعصب ہے یا اسکے علاوہ کوئی اور وجہ ہے تو ایسے شخص کی جرح لائق التفات نہیں.....

پھر طویل گفتگو کے بعد فرمایا، جرح کرنے والے کی جرح اُس شخص کے متعلق قبول نہ کی جائے گی جس کی اطاعت اسکی معصیت پر غالب ہو، اور جس کی تعریف کرنے والے اسکی مذمت کرنے والوں پر غالب ہوں، اور جس کی تعدیل کرنے والے اسکی جرح کرنے والوں پر غالب ہوں، جبکہ وہاں ایسا قرینہ موجود ہو جو یہ ظاہر کرے کہ یہ جرح مذہبی یا دینی تعصب کی بناء پر ہے یا کوئی اور وجہ ہو تو اسوقت سفیان ثوری وغیرہ کا کلام امام ابو حنیفہ کے متعلق، ابن ابی ذئب وغیرہ کا امام مالک کے متعلق، یحییٰ بن معین کا امام شافعی کے متعلق کلام لائق التفات نہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

اگر مطلقاً جرح کو تعدیل میں مقدم کریں تو کوئی امام نہ بچے گا کیونکہ ہر امام کے بارے میں طعن کرنے والوں نے طعنہ زنی کی ہے اور ہلاک ہونے والے اس میں ہلاک ہوئے ہیں۔..... بزرگوں سے ایک دوسرے کے حق میں بہت سی باتیں غصہ کی حالت میں صادر ہو گئیں، بعض تو حسد پر محمول ہوئیں اور بعض کی تاویل کی گئی تاکہ جس کے حق میں بات کہی گئی اس پر کچھ حرف نہ آئے۔ (صفحہ ۲۳۸ تا ۲۵۱)

خطیب بغدادی نے اپنی اصول حدیث کی کتاب ”الکفایہ فی علم الروایہ“ میں جرح کے قاعدے کے تحت امام مالک، سفیان ثوری سے لیکر یحییٰ بن معین رحمہم اللہ تک ایک طبقہ قائم کر کے لکھا ہے، ”جو اصحاب بلندی ذکر، استقامتِ حال، صداقت کی شہرت اور بصیرت و فہم میں اصحابِ بالا کی مثل ہوں، اُن کی عدالت کی بابت سوال نہیں کیا جا سکتا۔“ اور یہ روایت بھی لکھی ہے کہ امام احمد بن حنبل سے اسحق بن راہویہ کی بابت سوال کیا گیا تو جواب میں کہا، کیا اسحق بن راہویہ کی شان کے آدمی کی نسبت سوال کیا جا سکتا ہے؟

مقامِ غور ہے کہ جب اسحق بن راہویہ جیسی شان کے آدمی کی نسبت بقول امام احمد بن حنبل سوال نہیں کیا جا سکتا تو امام اعظم کی شان تو اس سے بہت زیادہ ارفع اور بدرجہا بالاتر ہے۔ (امام ابو حنیفہ اور ان کے ناقدین: ۵۳)

کسی نے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے کہا، فلاں شخص امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا، لوگوں نے امام اعظم سے اس لیے دشمنی کی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ فضیلت عطا کی جس سے آپ شرفاء اور معززین پر فائق ہو گئے۔ (الخیرات الحسان: ۲۵۳)

شیخ طاہر بنی رحمہ اللہ نے محدث ابن الاثیر جزری شافعی رحمہ اللہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے، ”امام ابو حنیفہ کی طرف خلقِ قرآن، قدر، ارجاء جیسے اقوال منسوب کیے گئے جن سے ان کا دامن پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اُن کو ایسی شریعت دینا جو سارے آفاق میں پھیل گئی اور جس نے روئے زمین کو ڈھانپ لیا، اور ان کے مذہب و فقہ کا مقبولِ عام ہونا، اُن کی پاکدامنی کی دلیل ہے۔ اگر اس میں اللہ تعالیٰ کا برّ خفی نہ ہوتا تو نصف یا اس کے قریب اسلام اُن کی تقلید کے جھنڈے کے نیچے نہ ہوتا۔“ (المعنی: ۴۳۰)

جب کوئی شخص امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کے سامنے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی برائی بیان کرتا

تو وہ دو اشعار پڑھتے جنکا مفہوم یہ ہے، ”لوگوں نے اس نوجوان سے حسد کیا کیونکہ وہ اسکے رتبہ کو نہ پہنچ سکے لہذا لوگ اب اسکے مخالف اور دشمن بنے ہوئے ہیں۔ جس طرح خوبصورت عورت کی سونکیں حسد اور جلن کی وجہ سے اسکے خاوند سے کہتی ہیں کہ وہ تو بد صورت ہے۔“ (ذیل الجواہر ج ۲: ۴۶۸)

اسی لیے مبسوط میں امام مالک رضی اللہ عنہ کے مذہب میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک عالم کی شہادت دوسرے عالم کے خلاف مقبول نہیں کیونکہ وہ سب سے زیادہ حسد و بغض رکھتے ہیں۔ (الخیرات الحسان: ۲۵۴)

علماء کرام نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی مخالفت کے پانچ اسباب کا ذکر کیا ہے۔ اول: حسد و رقابت، دوم: قاضی صاحبان کے فیصلوں میں غلطیوں کی نشاندہی اور انکی اصلاح کرنا، سوم: آپ کا عجبی ہونا، چہارم: آپ کے اصول اجتہاد، طریق استنباط اور دلائل سے ناواقفیت اور پنجم: مفسد اور فتنہ پرور لوگوں کا پروپیگنڈہ جو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف جھوٹی روایتیں گھڑا کرتے تھے۔

آخر الذکر کے متعلق شارح بخاری لکھتے ہیں، ”ایسے لوگوں پر حیرت نہیں، حیرت امام بخاری رحمہ اللہ پر ہے کہ انہوں نے ایسے کذاب وضاع (مثلاً نعیم بن حماد) کی روایتوں پر اعتماد کر کے اپنی کتابوں میں اسے جگہ دی۔“ حالانکہ نعیم بن حماد کے متعلق محدثین کی جرح موجود ہے۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ کے بقول، ”یہ تقویت سنت کے لیے جعلی حدیثیں بنایا کرتا اور امام ابو حنیفہ کی توہین کے لیے جھوٹے قصے گھڑ کر پیش کرتا تھا۔“

ملاحظہ ہو، تہذیب التہذیب، ج ۱۰: ۴۶۳، میزان الاعتدال، ج ۳: ۲۶۹۔

امام نسفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، امام محمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ”حدیث درست نہیں رہتی مگر فقہ کے ساتھ، اور فقہ درست نہیں رہتی مگر حدیث کے ساتھ۔ یہاں تک کہ جو دونوں میں سے ایک میں لائق ہو اور دوسری میں نہ ہو وہ منصب قضاء و فتویٰ کے لائق نہیں۔ کیونکہ

محدث جو فقیہ نہ ہوا کثر غلطی کرتا ہے۔“

چنانچہ امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ کی نسبت مروی ہے کہ ان سے دو بچوں کی بابت فتویٰ طلب کیا گیا جنہوں نے ایک بکری کا دودھ پیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے انکے درمیان حرمت رضاعت ثابت ہونے کا فتویٰ دیدیا۔ اور یہ انکے بخارا سے نکلنے کا سبب ہوا۔ (الاقوال الصحیحہ: ۱۵۱ بحوالہ کشف الاسرار شرح منار)

یہ واقعہ امام ابو حفص کبیر حنفی رحمہ اللہ کے زمانے میں ہوا۔ علامہ نور بخش توکلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، اسی واقعہ کے سبب امام بخاری رحمہ اللہ کے دل میں حنفی علمائے کرام کی طرف سے کشیدگی پیدا ہو گئی چنانچہ انہوں نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو اپنی صحیح میں اور اس سے بھی بڑھ کر اپنی تاریخ میں توہین آمیز الفاظ سے یاد کیا ہے۔ تجاوز اللہ عنا وعنه۔ (الاقوال الصحیحہ فی جواب الجرح علی ابی حنیفہ: ۱۵۲)

امام بخاری رحمہ اللہ نے نعیم بن حماد کے علاوہ اپنے شیخ حمیدی کے حوالے سے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق ایسی لغو باتیں نقل کیں جو انکے شایان شان نہ تھیں۔ انہوں نے حمیدی کے حوالے سے لکھا کہ امام اعظم کو مکہ میں ایک حجام سے تین سنتیں حاصل ہوئیں۔ پھر حمیدی نے کہا، ”وہ شخص جس کو مناسک حج کی سنتیں معلوم نہ تھیں، احکام الہی، وراثت، فرائض، زکوٰۃ، نماز اور دوسرے امور اسلام میں کس طرح اسکی تقلید کی جاسکتی ہے۔“ (تاریخ صغیر: ۱۵۸)

حمیدی کے متعلق امام تاج الدین سبکی شافعی رحمہ اللہ کی رائے بھی ملاحظہ فرمائیے۔ فرمایا، ”وہ فقہائے عراق کے بارے میں شدت پسند تھے اور انکے خلاف برے کلمات استعمال کرتے تھے۔“ (طبقات الشافعیہ الکبریٰ)

حمیدی کے دعوے کے برخلاف جلیل القدر تابعی امام اعظم رضی اللہ عنہ گواہی دیتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ سے زیادہ حج کے مسائل جاننے والا کوئی نہیں۔ امام ابن حجر رحمہ

اللہ فرماتے ہیں، ”امام اعظم رضی اللہ عنہ جب حج پر جانے لگے تو انہوں نے حج کے مسائل امام اعظم رضی اللہ عنہ سے لکھوائے اور فرمایا، امام اعظم سے مناسک حج لکھ لو، میں حج کے مسائل کا ان سے بڑھ کر کسی کو عالم نہیں جانتا۔“ (الخیرات الحسان: ۹۹)

غیر مقلدوں کے امام ابن تیمیہ نے آزاد خیالی کے باوجود ایسے متعصب حاسدوں کی پھندہ و تردید کی اور لکھا، ”امام ابو حنیفہ سے بعض مسائل میں اختلاف کے باوجود کوئی شخص بھی انکے تفقہ، فہم اور علم میں شک و شبہ نہیں کر سکتا۔ کچھ لوگوں نے انکی توہین و تحقیر کے لیے انکی طرف ایسی باتیں منسوب کی ہیں جو قطعاً جھوٹ ہیں جیسے خنزیر بری کا مسئلہ اور اس قسم کے دیگر مسائل۔“ (منہاج السنۃ، ج ۱: ۲۵۹)

آخر میں علامہ سخاوی رحمہ اللہ کا فیصلہ نقل کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں، ”حافظ ابن حبان نے کتاب السنۃ میں، یا حافظ ابن عدی نے کامل میں، یا ابو بکر خطیب نے تاریخ بغداد میں، یا ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں، یا بخاری اور نسائی نے بعض ائمہ کے بارے میں جو لکھا، یہ انکی شانِ علم و اتقان سے بعید ہے۔ ان باتوں میں انکی پیروی نہ کی جائے، اس سے احتراز کیا جائے۔ بحمدہ تعالیٰ ہمارے مشائخ کا یہی طریقہ تھا کہ اسلاف کی اس قسم کی باتوں کو مشاجراتِ صحابہ کی قبیل سے مانتے تھے اور سب کا ذکر خیر سے کرتے تھے۔“ (مقدمہ نزہۃ القاری: ۲۱۶)

مقامِ امام اعظم اور امام بخاری:

چودھویں صدی ہجری کے مجدد و برحق، شیخ الاسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ علیہ غیر مقلدین کے ایک اعتراض کے جواب میں کثیر دلائل دیکر آخر میں فرماتے ہیں،

”امام الائمہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے امام و متبوع سیدنا امام شافعی رضی اللہ عنہ جن کی نسبت شہادت دیتے ہیں کہ ”تمام مجتہدین امام ابو حنیفہ کے بال

بچے ہیں۔“ حفظِ حدیث و نقدِ رجال و تصحیحِ صحت و ضعفِ روایات میں امام بخاری رحمہ اللہ کا اپنے زمانے میں پایۂ رفیع والا، صاحبِ رتبہ بالا، مقبولِ معاصرین و مقتدائے متاخرین ہونا مسلم۔ کتبِ حدیث میں انکی کتاب بیشک نہایت چیدہ و انتخاب جس کے تعالیق و متابعات و شواہد کو چھوڑ کر اصولِ مسانید پر نظر کیجیے تو ان میں گنجائشِ کلام تقریباً شاید ایسی ہی ملے جیسے مسائلِ ثانیہ امام اعظم میں۔ رضی اللہ عنہ

اور یہ بھی بحمد اللہ حنفیہ و شاگردانِ امام ابوحنیفہ و شاگردانِ شاگردِ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ مثل امام عبد اللہ بن مبارک و امام یحییٰ بن سعید قطان و امام فضیل بن عیاض و امام مسعر بن کدام و امام وکیع بن الجراح و امام لیث بن سعد و امام معلیٰ بن منصور رازی و امام یحییٰ بن معین و غیر ہم ائمہ دین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا فیض تھا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کے شاگردوں سے علم حاصل کیا اور ان کے قدم پر قدم رکھا اور خود امام بخاری کے استاذِ اجل امام احمد بن حنبل، امام شافعی کے شاگرد ہیں، وہ امام محمد کے، وہ امام ابو یوسف کے، وہ امام ابوحنیفہ کے، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ (گویا امام بخاری، امام اعظم کے پانچویں درجے میں شاگرد ہوئے)

مگر یہ کارِ اہم ایسا نہ تھا کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس میں ہمہ تن مستغرق ہو کر دوسرے کارِ اجل و اعظم یعنی فقہت و اجتہاد کی بھی فرصت پاتے۔ اللہ عز و جل نے انہیں خدمتِ الفاظِ کریمہ کے لیے بنایا تھا، خدمتِ معانی ائمہ مجتہدین خصوصاً امام الائمہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا حصہ تھا۔ محدث و مجتہد کی نسبت عطار و طبیب کی مثل ہے۔ عطار دوا شناس ہے، اسکی دکان عمدہ عمدہ دواؤں سے مالا مال ہے مگر تشخیص و معرفتِ علاج و طریق استعمالِ طبیب کا کام ہے۔ عطارِ کامل اگر طبیبِ حاذق کے مدارکِ عالیہ تک نہ پہنچے، معذور ہے خصوصاً ملکِ اطباء حذاق امام الائمہ آفاق جو ثریا سے علم لے آیا، جس کی وقتِ مقاصد کو اکابر ائمہ نے نہ پایا، بھلا امام بخاری رحمہ اللہ تو نہ تابعین سے ہیں نہ تبع

تابعین سے، بلکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے پانچویں درجے میں جا کر شاگرد ہیں، خود حضرت امام اجل سلیمان اعمش رضی اللہ عنہ کہ اجلہ تابعین و امام ائمہ محدثین سے ہیں، حضرت سیدنا انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ خادم رسول اللہ ﷺ کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم کے استاد، ان سے کچھ مسائل کسی نے پوچھے۔

اسوقت ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ امام اعمش رضی اللہ عنہ نے ہمارے امام سے فتویٰ لیا۔ آپ نے سب مسائل کا فوراً جواب دیا۔ امام اعمش رضی اللہ عنہ نے کہا، یہ جواب آپ نے کہاں سے اخذ کیے؟

آپ نے فرمایا، انہی حدیثوں سے جو میں نے آپ سے سنیں۔ اور پھر آپ نے وہ احادیث مع اسانید پڑھ کر بتادیں۔ امام اعمش نے فرمایا، ”بس کیجیے، میں نے جو حدیثیں سو دن میں بیان کیں وہ آپ نے گھڑی بھر میں مجھے سنا دیں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ احادیث سے اسقدر مسائل اخذ کرتے ہیں۔

یا معشر الفقہاء انتم الاطباء ونحن الصیادلة وانت ایہا الرجل بکلا الطرفين۔
اے فقہاء! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار ہیں۔ اور اے ابو حنیفہ! تم نے تو دونوں کنارے گھیر لیے۔“

یہ روایت امام ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ وغیرہ ائمہ شافعیہ نے اپنی تصانیف الخیرات الحسان وغیرہا میں بیان فرمائی۔ یہ تو یہ، خود ان سے بدرجہا اجل واعظم، ان کے استاذ اکرم و اقدم، امام عامر شععی رضی اللہ عنہ جنہوں نے پانچ سو صحابہ کرام کا زمانہ پایا، حضرت مولیٰ علی وسعد بن ابی وقاص وسعید بن زید و ابو ہریرہ و انس بن مالک و عبد اللہ بن عمرو عبد اللہ بن عباس و عبد اللہ بن زبیر و عمران بن حصین و جریر بن عبد اللہ و مغیرہ بن شعبہ و عدی بن حاتم و امام حسن و امام حسین وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم، جمیع بکثرت اصحاب کرام رسول اللہ ﷺ کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم کے استاذ جن کا پایہ رفیع، حدیث میں

ایسا تھا کہ فرماتے ہیں، ”میں سال گزرنے ہیں کہ کسی محدث سے کوئی حدیث میرے کان تک ایسی نہیں پہنچتی جس کا علم مجھے اس محدث سے زائد نہ ہو۔“ ایسے مقام والا مقام با آں جلالتِ شان فرماتے ہیں، ”ہم لوگ فقیہ و مجتہد نہیں، ہم نے تو حدیثیں سن کر فقیہوں کے آگے روایت کر دی ہیں جو ان پر مطلع ہو کر کاروائی کریں گے۔“ اسے شیخ زین نے تذکرۃ الحفاظ میں تحریر کیا ہے۔

کاش امام اجل سیدنا امام بخاری علیہ رحمۃ الہاری اگر فرصت پاتے اور زیادہ نہیں، دس بارہ ہی برس امام حفص کبیر بخاری رحمہ اللہ وغیرہ ائمہ حنفیہ سے فقہ حاصل فرماتے تو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے اقوال شریفہ کی جلالتِ شان و عظمتِ مکان سے آگاہ ہو جاتے، امام ابو جعفر طحاوی حنفی رحمہ اللہ کی طرح ائمہ محدثین و ائمہ فقہاء دونوں کے شمار میں یکساں آتے مگر تقسیم ازل جو حصہ دے۔

میل او اندر دلش انداختند

ہر کسے را بہر کارے ساختند

یعنی جس کو کسی کام کے لیے تیار کرنا ہوتا ہے اس کام کی محبت اس کے دل میں ڈال دیتے ہیں۔

اور انصافاً یہ تمنا بھی عبث ہے کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ ایسے ہوتے تو امام بخاری ہی نہ ہوتے بلکہ ان ظاہر بینوں کے یہاں وہ بھی ائمہ حنفیہ کی طرح معتب و معیوب قرار پاتے۔ فالی اللہ المشتکی و علیہ الحکان (اللہ تعالیٰ ہی کی بارگاہ میں فریاد ہے اور اسی پر بھروسہ ہے)۔

بالجملہ ہم اہل حق کے نزدیک حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کو حضور پر نور امام اعظم رضی اللہ عنہ سے وہی نسبت ہے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضور پر نور امیر المومنین مولیٰ المسلمین سیدنا و مولانا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسبی سے کہ فرق مراتب بے شمار اور حق بدست حیدر کرار، مگر معاویہ بھی ہمارے سردار، طعن ان پر بھی کارِ فجار۔ جو حضرت

پس معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث کا سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں۔ پھر سمجھنے والے بھی مختلف مدارج کے ہوتے ہیں۔ ایک چیز سے ایک بات ایک کے سمجھ میں آتی ہے اور دوسرے لوگ اسے نہیں سمجھ پاتے۔ دو مثالیں پیش خدمت ہیں:-

(۱) حضور اقدس ﷺ نے اخیر عمر مبارک، دورانِ خطبہ فرمایا: ”اللہ نے ایک بندے کو یہ اختیار دیا کہ دنیا پسند کرے یا حضوری بارگاہ، اس بندے نے حضوری بارگاہ کو پسند کیا۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی حدیث کہتے ہیں، ہم لوگوں کو اس پر تعجب ہوا کہ آپ رو کیوں رہے ہیں۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بندہ مختار خود حضور اقدس ﷺ تھے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ علم والے تھے۔ (بخاری ج ۱: ۵۱۶)

(۲) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے قریب رکھتے تھے۔ یہ بات دوسرے بزرگوں کو نا پسند ہوئی کہ ہمارے لڑکوں کو اتنا قریب کیوں نہیں کرتے۔ خدمت میں عرض کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب کے صاحبزادوں کو اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بھی بلایا اور دریافت کیا کہ سورۃ النصر سے کیا سمجھتے ہو، کچھ صاحبزادے تو بالکل خاموش رہے۔ کچھ نے عرض کیا کہ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب ہماری مدد ہوئی ہمیں فتح نصیب ہوئی تو ہم اللہ کی تسبیح اور تحمید کریں، استغفار کریں، یعنی اس کا شکر کریں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ تم کیا کہتے ہو تو انہوں نے عرض کیا۔ اس میں حضور اقدس ﷺ کے وصال کے قرب کی خبر دی جا رہی ہے۔

کچھ اسی قسم کا معاملہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے معاصرین و معاندین کا بھی ہے۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن و احادیث کے معانی کے سمجھنے

حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے اس سے ایک طرف حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا نحوی تبحر ثابت ہوتا ہے تو دوسری طرف معاندین کی جہالت اور علم نحو میں ان کی بے مائیگی ثابت ہوتی ہے اور حد یہ ہے کہ بخاری سے بھی واقفیت نہیں۔

بخاری قتل ابی جہل میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ابو جہل کا سر قلم کرنے گئے تو اس سے کہا، انت ابا جہل۔ جو روایت بطریق محمد بن ثنیٰ ہے اس میں معتمد روایت یہی ہے۔ جیسا کہ فتح الباری میں ہے، حالانکہ ہونا چاہیے ابو جہل۔ اپنے مخالف پر اعتراض کرنے چلے تھے اور وہ ان کے ہی امام پر لوٹ آیا۔ اولیاء اللہ کے ساتھ عداوت کا یہی حال ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نہ ”بابا قبتیس“ غلط ہے اور نہ ”انت ابا جہل“ غلط۔ اسمائے ستہ مکبرہ میں ایک لغت یہ بھی ہے کہ ”جب غیر یائے متکلم کی جانب مضاف ہو تو ہر حالت میں الف کے ساتھ ان کا اعراب ہوگا۔“

چنانچہ اسی لغت پر مندرجہ ذیل شعر ہے،

ان اباھا و ابا اباھا قد بلغا فی المجد مغایتاھا

مگر ان غریبوں کو یہی معلوم ہے کہ چونکہ نحو میر میں اسمائے ستہ مکبرہ کا اعراب یہ لکھا ہے کہ حالت جر میں ”یا“ کے ساتھ اور حالت رفع میں ”واو“ کے ساتھ اس لئے ”انت ابا جہل“ اور ”ولو قتلہ بابا قبتیس“ غلط ہے۔ (مقدمہ نزہۃ القاری: ۲۱۱)



نامور اساتذہ کرام کا مختصر ذکر کرتے ہیں:-

امام محمد بن علی باقر رضی اللہ عنہما:

آپ امام حسین بن علی رضی اللہ عنہم کے پوتے ہیں۔ آپ نے اپنے والد امام زین العابدین، حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے حدیث سماعت فرمائی۔ آپ کو وسیع العلم اور کثیر الحدیث ہونے کی وجہ سے باقر العلوم کہا جاتا تھا۔ آپ کے فقیہ اور محدث ہونے پر امام نسائی رحمہ اللہ اور دیگر اکابر محدثین نے گواہی دی۔ آپ کو سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے بڑی محبت تھی۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے، ”میں ان لوگوں سے بیزار ہوں جو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے بغض رکھتے ہیں اور اہلبیت کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں کیونکہ میں نے اپنے اہلبیت میں سے ہر کسی کو ان سے محبت کرتے ہوئے پایا ہے۔“

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے امام محمد بن علی بن حسین بن علی المعروف امام محمد باقر رضی اللہ عنہم سے بھی اکتساب فیض کیا۔ ایک بار انکی خدمت میں حاضر ہوئے تو امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ابوحنیفہ! ہم سے کچھ پوچھیے۔ آپ نے چند سوالات دریافت کیے اور پھر اجازت لے کر وہاں سے رخصت ہوئے تو امام باقر رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے فرمایا، ”ابوحنیفہ کے پاس ظاہری علوم کے خزانے ہیں اور ہمارے پاس باطنی و روحانی علوم کے ذخائر ہیں۔“ (مناقب للموفق: ۱۹۲)

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ، امام باقر رضی اللہ عنہ سے علمی گفتگو کر کے رخصت ہوئے تو امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ”ان (ابوحنیفہ) کا طریقہ اور انداز کتنا اچھا ہے اور انکی فقہ کتنی زیادہ ہے۔“ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے امام باقر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت لی ہے کہ امام باقر محمد بن علی رضی اللہ عنہما نے فرمایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جنازے کے پاس گئے۔ اور جنازے پر چادر

پڑی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا، کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ میں اسکا نامہ اعمال لیکر اللہ کے پاس جاؤں سوائے اس چادر پوش کے (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نامہ اعمال پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فخر تھا)۔ (سوانح بے جہائے امام اعظم: ۱۹۵)

۱۱۸ھ میں آپ نے وصال فرمایا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی آپ سے پہلی ملاقات کے وقت کی گفتگو بہت مشہور ہے جو کہ پہلے مذکور ہو چکی۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ:

آپ امام باقر رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔ آپ کے شاگردوں میں امام اعظم کے علاوہ امام مالک، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن سعید، ابن جریج وغیرہ رضی اللہ عنہم کئی اکابر محدثین شامل ہیں۔ آپ بحد متقی اور مستجاب الدعوات تھے۔ بلا وضو کبھی حدیث روایت نہ کرتے۔ ایک بار امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے چند مسائل پر گفتگو ہوئی تو فرمایا، ”یہ شخص بڑا عالم و فاضل اور فقیہ ہے۔“ ۱۲۸ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں مدینہ منورہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے اپنے بالکل قریب بٹھالیا۔ میں نے عرض کی، آپ کا حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق کیا نظریہ ہے؟ کیونکہ بعض لوگ آپ پر الزام لگاتے ہیں کہ آپ ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، رب کعبہ کی قسم! یہ لوگ جھوٹے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں۔ اے ابوحنیفہ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دیا تھا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے نانا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سید الانبیاء اور انکی نانی سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ام المومنین ہیں اور انکے بھائی حسن و حسین رضی اللہ عنہما

یاد تھیں۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، ”اگر امام شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں کوئی حدیث کا پیچا نہ ہوتا۔“

آپ کو اپنے شاگرد رشید امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے بڑی محبت تھی۔ آپ ان کی بڑی تعریف کیا کرتے۔ ایک بار ان کے ذکر پر فرمایا، ”جس طرح مجھے یقین ہے کہ آفتاب روشن ہے اسی طرح مجھے یقین ہے کہ علم اور ابوحنیفہ ساتھی اور ہم نشین ہیں۔“

امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا،

”امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ثقہ ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ انہیں امام شعبہ رحمہ اللہ نے حدیث و روایت کی اجارت دی ہے اور شعبہ آخر شعبہ ہی ہیں۔“

عراق میں یہ پہلے محدث ہیں جنہوں نے جرح و تعدیل کے مراتب مقرر کیے۔ ۱۶۰ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ:

آپ نہایت مشہور تابعی ہیں۔ مکہ مکرمہ میں سب سے وسیع حلقہ درس آپ ہی کا تھا۔ آپ کا ارشاد ہے کہ میں نے دو سو صحابہ کرام کی زیارت کی ہے۔ علم حدیث میں آپ کو ابن عباس، ابو ہریرہ، ابو سعید خدری اور دیگر کئی صحابہ رضی اللہ عنہم کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ مجتہدین صحابہ نے آپ کے علم و فضل کی تعریف کی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں۔

امام اوزاعی، امام زہری وغیرہ آپ ہی کے شاگرد ہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ جب بھی مکہ مکرمہ جاتے، ان کے درس میں ضرور شریک ہوتے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ذہانت کی وجہ سے آپ دوسروں کو ہٹا کر امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو سب سے آگے اپنے پہلو میں جگہ

یتے۔ ۱۱۵ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام اور شاگرد تھے۔ انکے علاوہ آپ حضرت علی، ابو ہریرہ، ابن عمر اور دوسرے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کی تعلیم و تربیت کر کے اپنی حیات میں ہی آپ کو اجتہاد اور فتویٰ کی اجازت دی۔ تقریباً ستر (۷۰) مشہور تابعین تفسیر حدیث میں آپ کے شاگرد ہیں۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا، دنیا میں آپ سے بڑا بھی کوئی عالم ہے؟ فرمایا، ہاں، عکرمہ رحمہ اللہ۔ امام شعبی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے، قرآن جاننے والا عکرمہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر میں نے نہیں دیکھا۔ ۱۰۷ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت سلمہ بن کہیل رضی اللہ عنہ:

آپ مشہور محدث اور تابعی ہیں۔ حضرت جندب بن عبداللہ، عبداللہ بن ابی اوفی، ابو الطفیل اور بہت سے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے حدیثیں روایت کیں۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے تھے، ”سلمہ بن کہیل رضی اللہ عنہ ارکان میں سے ایک رکن ہیں۔“ ابن سعد نے انہیں ”کثیر الحدیث“ تحریر کیا ہے۔ ابن مہدی کا قول ہے کہ ”کوفہ میں چار لوگ سب سے زیادہ صحیح الروایت تھے۔ منصور بن معتمر، عمرو بن مرہ، ابو حصین اور سلمہ بن کہیل۔“ رضی اللہ عنہم

حضرت محارب بن وثار رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت جابر، عبداللہ بن عمر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ امام احمد، ابن معین، ابو زرعہ، دارقطنی، ابو حاتم اور امام نسائی وغیرہ نے آپ کو ثقہ تسلیم کیا ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ محارب عموماً حجت ہیں۔

آپ نہایت متقی پرہیزگار تھے۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے تھے، میں نے محارب بن وثار رحمہ اللہ سے زیادہ عابد و زاہد کوئی نہ دیکھا۔ آپ کوفہ میں منصب قضا پر مامور تھے۔ ۱۱۶ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ:

آپ عظیم محدث اور مشہور تابعی ہیں۔ آپ بے پناہ قوت حافظہ کے مالک تھے اس لیے احادیث من وعن سنانے میں شہرت رکھتے تھے۔ حضرت انس، حضرت ابوالطفیل اور دیگر کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے حدیثیں روایت کیں۔

آپ فرماتے تھے، ”جو بات میرے کان میں پڑتی ہے اسے میرا دل محفوظ کر لیتا ہے۔“ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے ان سے بھی کتاب علم کیا۔ ۱۰۷ھ میں وصال ہوا۔

حضرت سماک بن حرب رضی اللہ عنہ:

آپ جلیل القدر تابعی اور محدث ہیں اور حدیث میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے استاد ہیں۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ ”مجھے اسی (۸۰) صحابہ کرام کی زیارت کا شرف حاصل ہے۔“ آپ سے دو سو (۲۰۰) حدیثیں مروی ہیں۔

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ ”سماک بن حرب رضی اللہ عنہ نے کبھی حدیث میں غلطی نہیں کی۔“ آپ جابر بن سمرہ، نعمان بن بشیر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ ۱۲۳ھ میں وصال ہوا۔

حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ:

آپ معروف محدث اور تابعی ہیں، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔ آپ نے بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔

محدث ابو حاتم رحمہ اللہ نے آپ کو امام الحدیث قرار دیا۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً

دینی علم حاصل کیا۔ تابعین کی جماعت میں علم و فضل کے لحاظ سے نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ آپ اپنے زمانے کے صلحاء و عابدین میں بے مثال اور زہد و تقویٰ اور علم و فضل میں بے نظیر تھے۔ ۱۰۶ھ میں وصال ہوا۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں فقہائے مدینہ سے اکتساب علم کیا اور ان سے حدیثیں روایت کیں۔

فقہ حنفی کا سلسلہ:

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ جب پہلی بار عباسی خلیفہ منصور کے دربار میں آئے تو مشہور عابد و زاہد عیسیٰ بن موسیٰ رحمہ اللہ نے خلیفہ سے کہا، یہ دنیا کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ خلیفہ نے پوچھا، آپ نے کس سے علم حاصل کیا؟

آپ نے فرمایا، ”میں نے حضرت عمر کے ساتھیوں سے اور انہوں نے سیدنا عمر سے، اور میں نے حضرت علی کے ساتھیوں سے اور انہوں نے سیدنا علی سے، نیز میں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود کے اصحاب سے اور انہوں نے سیدنا ابن مسعود سے“۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین) خلیفہ نے کہا، علم تو بہت پختہ حاصل کیا ہے۔ (الخیرات الحسان: ۱۸)

مشہور فقیہ و محدث امام مسروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ”میں نے صحابہ کرام کی صحبت سے فیض پایا ہے۔ میں نے دیکھا کہ سب صحابہ کرام کا علم سٹ کر ان چھ اکابر صحابہ کی طرف لوٹتا ہے۔ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوالدرداء اور حضرت زید بن ثابت۔ پھر میں نے ان چھ حضرات سے اکتساب فیض کیا تو دیکھا کہ ان سب کا علم حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے علم پر ختم ہو گیا“۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

(طبقات ابن سعد ج ۲: ۲۵، نذرۃ الحفاظ ج ۱: ۲۴)

گویا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام کے علم کا خزینہ دار اور محافظ کہا جا

سکتا ہے۔ امام شعی رضی اللہ عنہ جو کوفہ کے عظیم محدث و فقیہ اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے استاد ہیں، فرماتے ہیں، حضور ﷺ کے صحابہ کرام کے بعد کوفہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہی دین کے فقہاء تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۲: ۲۹۹)

آپ کے خاص شاگردوں میں حضرت علقمہ، حضرت اسود، قاضی شریح، امام مسروق اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم زیادہ مشہور ہوئے۔

پس فقہ حنفی کا سلسلہ یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ نے امام حماد سے، انہوں نے حضرت ابراہیم نخعی سے، انہوں نے علقمہ و اسود سے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے علم حاصل کیا۔

اب ہم اس سلسلے کے جلیل القدر ائمہ کرام کے بارے میں مختصر گفتگو کرتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

آپ اسلام قبول کرنے والے چھٹے شخص ہیں۔ بارگاہ نبوی میں آپ کے خصوصی مقام کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ آقا دہلوی علیہ السلام نے آپ سے یہ فرمایا، ”تمہیں اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں، پردہ اٹھا کر اندر آ جاؤ اور ہماری خاص باتیں سنو جب تک کہ میں تم کو روکوں۔“

آپ رسول کریم ﷺ کے خاص خادم اور رازدار صحابی تھے۔ آپ صحابہ کرام میں ”صاحب النعلین والسواک والبراد“ کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ کے ذمہ یہ خدمتیں تھیں مثلاً آقا کریم ﷺ کی نعلین پاک اٹھانا، مسواک ساتھ رکھنا، آپ کے آگے چلنا، وضو کے لیے پانی فراہم کرنا، سفر میں بستر مبارک اٹھانا، خواب سے بیدار کرنا۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ۱۰۴)

حضرت ابو وائل بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے حالتوں میں بیٹھا ہوں، میں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بات سے انکار کرتے کسی کو نہیں

دیکھا اور نہ ہی کسی صحابی نے آپ کا رد کیا۔ (ایضاً: ۱۰۷)

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مجمع میں دعویٰ کیا کہ ”تمام صحابہ جانتے ہیں کہ میں قرآن کا سب سے زیادہ عالم ہوں“۔ آپ کے اس دعویٰ کا کسی صحابی نے انکار نہیں کیا۔

جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا مسئلہ درپیش ہوا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہم اپنے دنیوی امور کے لیے اس ہستی کو پسند کرتے ہیں جسکو ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ نے ہمارے دینی کام کے لیے پسند کیا۔ یعنی حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی ظاہری حیات مبارکہ میں نماز پڑھانے کے لیے مقرر کیا تھا (اس لیے وہی ہمارے خلیفہ ہونگے)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس دلیل کو صحابہ نے تسلیم کیا۔

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے وصال ظاہری کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد پہلا اجتہاد تھا۔ (ایضاً: ۱۰۶)

نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فضیلت یوں بیان فرمائی کہ ”تم ابن مسعود کے حکم کو مضبوط پکڑے رہو“۔ (ترمذی) ایک اور حدیث پاک میں آقا و مولیٰ ﷺ نے چار صحابہ سے قرآن سیکھنے کا حکم فرمایا، ان میں سب سے پہلے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ (مشکوٰۃ)

یہ وہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں جن کے متعلق امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے، ”یہ ایک تھیلہ ہیں علم سے بھرا ہوا“۔ اور نہایت یہ کہ سید المرسلین ﷺ نے فرمایا، ”میں نے اپنی امت کے لیے وہ پسند فرمایا جو کچھ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے لیے پسند کریں“۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۵: ۳۱۱ بحوالہ مستدرک للحاکم)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا، ایسے شخص کے بارے میں بتائیے جو صورت و

سیرت میں نبی کریم ﷺ سے قریب تر ہوتا کہ ہم اس سے کچھ سیکھیں۔ فرمایا، میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے زیادہ نبی کریم ﷺ سے قریب ہو۔ (بخاری کتاب المناقب، باب عبد اللہ بن مسعود)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، ”ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قرآن پڑھ کر جو اس میں حلال تھا اس کو حلال کیا اور جو حرام تھا اس کو حرام کیا، وہ دین کے فقیہ ہیں اور سنت کے عالم۔“ امام شعبی رحمہ اللہ کا قول ہے، رسول کریم ﷺ کے صحابہ میں سے ہمارے استاد ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہ تھا۔ (امام ابو حنیفہ اور ان کے ناقدین: ۶۶)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ علوم مصطفیٰ ﷺ کے مرجع اخیر اور فقہ کے مرجع کل ہیں اور آپ پہلے صحابی ہیں جو باقاعدہ طور پر فقہ کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ سے کثیر صحابہ اور تابعین احادیث روایت کرتے ہیں جن میں ابن عباس، ابن عمر اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ آپ ۲۰ھ تا ۳۰ھ کوفہ میں مقیم رہے۔ ۳۲ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ، محدث علی قاری رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ہمارے ائمہ کے نزدیک سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خلفاء اربعہ کے بعد سب سے زیادہ فقیہ ہیں۔ اسی لیے ہمارے امام اعظم ان کی روایت و قول کو خلفائے اربعہ کے بعد سب صحابہ کے قول پر ترجیح دیتے ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۵: ۳۱۲ بحوالہ مرقاة شرح مشکوٰۃ)

حضرت علقمہ بن قیس نخعی رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے، ”علقمہ کا علم میرے علم سے کم نہیں ہے۔“

امام یافعی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کا علم و فضل اس قدر تھا کہ ان سے

صحابہ کرام بھی فوتے لیا کرتے تھے۔

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے صاحبزادے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے آئینے کہلائے۔ یہ دونوں حضرات کامل طور پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے احوال سے متصف تھے۔ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کا وصال ۶۲ھ میں ہوا۔ آپ کے وصال کی خبر سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ”آج علم کا سر پرست فوت ہو گیا“۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ۱۰۲)

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام حماد رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا کہ جب میں ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کو دیکھتا تو ان کی سیرت و عادات دیکھنے والا ہر کوئی یہ کہتا کہ ان کی خصلت و سیرت عین حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کی عادات و سیرت ہے اور جو علقمہ رضی اللہ عنہ کو دیکھتا وہ کہتا، انکی عادات و سیرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی عادات و سیرت ہے اور جو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی عادات و سیرت دیکھتا تو وہ یہ کہتا، یہ تو بعینہ رسول اللہ ﷺ کی عادات و سیرت ہے۔ (مسند امام اعظم: ۳۱۰)

خوش نصیبی دیکھیے کہ یہ خود تابعی و فقیہ و محدث، ان کے دو بھتیجے اسود اور عبد الرحمن بلند پایہ تابعی فقیہ و محدث، اور ایک نواسہ ابراہیم نخعی تابعی فقیہ و محدث۔ یعنی ایک گھر میں چار تابعی اور عالی قدر محدث و فقیہ۔ سبحان اللہ! آپ کا وصال ۶۲ھ یا ۷۳ھ میں ہوا۔

حضرت اسود بن یزید نخعی رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں۔ آپ صاحب علم و فضل اور متقی و پرہیزگار تھے۔ آپ کثرت سے نوافل پڑھتے اور سارا سال روزے رکھتے۔ آپ نے اتنی حج اور عمرے کیے۔ کوفہ میں آپ کی عبادات و کرامات اس قدر مشہور ہوئیں کہ لوگ آپ کو ”اسود جنتی“ کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ ۷۵ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں خشک سالی ہوئی تو انہوں نے حضرت اسود بن یزید رضی اللہ عنہ کا بازو پکڑ کر کہا، الہی! ہم اپنے میں سب سے اچھے افضل شخص اسود بن یزید رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے تجھ سے بارش مانگتے ہیں۔ اور پھر آپ سے بھی دعا کا کہا۔ چنانچہ آپ نے بھی ہاتھ اٹھا کر دعا کی تو اسی وقت بارش ہو گئی۔

جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو رونے لگے۔ کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا، مجھ سے زیادہ رونے کا حقدار اور کون ہے؟ خدا کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے مجھے بخش دے تو بھی مجھے اپنے مولیٰ سے شرمندگی رہے گی۔ دیکھو کوئی شخص معمولی خطا کرتا ہے اور جس کی خطا کی ہو وہ اسکو معاف بھی کر دیتا ہے پھر بھی وہ ہمیشہ اس شخص سے شرمندہ رہتا ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت اسود رضی اللہ عنہ میں سے افضل کون ہے؟ آپ نے فرمایا، ”خدا کی قسم! میری کیا بساط ہے جو دونوں کا موازنہ کروں، میرا کام یہ ہے کہ انکے لیے دعا کروں۔“

(اولیاء رجال الحدیث: ۳۷، سوانح بے بہائے امام اعظم: ۱۰۳)

امام ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ:

حضرت ابراہیم بن یزید نخعی رضی اللہ عنہ عراق کے نامور فقیہ اور علم الحدیث کے امام ہیں۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر کئی صحابہ کرام کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آپ اکثر صحابہ کرام سے بطریق ارسال اور تابعین میں سے حضرت علقمہ، حضرت مسروق اور حضرت اسود رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

حضرت علقمہ بن قیس آپ کے ماموں جبکہ حضرت اسود بن یزید آپ کے ماموں زاد بھائی تھے اور یہ دونوں حضرات ابن مسعود کے خصوصی اصحاب میں سے تھے۔ رضی اللہ عنہم! جمعین آپ کا لقب ”صیر فی الحدیث“ تھا یعنی کھری کھوٹی احادیث کا پرکھنے والا۔ امام اعظم

رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ”محدثین تو بہت ہیں مگر حدیث کو پرکھنے والا ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی نہیں۔“ آپ کا وصال ۹۵ھ یا ۹۶ھ میں ہوا۔

جب آپ کا وصال ہوا تو امام شعیبی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، حدیث و فقہ کا سب سے بڑا عالم دنیا سے چلا گیا۔ کسی نے کہا، کیا وہ حسن بصری رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ عالم تھے؟ فرمایا، صرف حسن بصری رضی اللہ عنہ سے زیادہ نہیں بلکہ وہ پورے عراق و شام و حجاز میں سب سے بڑے فقیہ تھے۔ (اولیاء رجال الحدیث: ۴۰، سوانح امام اعظم: ۱۰۰)

امام حماد بن ابی سلیمان رضی اللہ عنہ:

آپ کو فنی کے عظیم فقیہ، جلیل القدر محدث اور اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم تھے۔ صحابہ کرام میں سے حضرت انس رضی اللہ عنہ اور تابعین میں سے ابراہیم نخعی، سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، زید بن وہب، ابو وائل اور امام شعیبی وغیرہ رضی اللہ عنہم جیسے فقہاء و محدثین کے مایہ ناز شاگرد ہیں خصوصاً حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کے تمام علوم کے وارث اور جانشین ہیں۔

امام مسلم اور اصحاب سنن نے آپ کی مرویات لکھی ہیں۔ حدیث شریف روایت کرتے وقت آپ پر حال طاری ہو جاتا، بعض اوقات آپ پر بخود کا غلبہ ہو جاتا۔ امام یحییٰ بن معین، امام نسائی، امام بخاری اور ابن حبان وغیرہ بڑے بڑے نقاد حدیث اماموں نے آپ کو کثیر الحدیث، ثقہ اور فقیہ تحریر کیا ہے۔

آپ کے شاگردوں میں امام ابو حنیفہ، امام اعظم، سفیان ثوری، امام شعبہ، امام عاصم احول وغیرہ رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر ائمہ فقہ و حدیث ہیں۔ ۱۲۰ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ (اولیاء رجال الحدیث: ۹۷)



سے یہ حکم نکلتا ہے۔ اور استخراج کی وجہ بھی بیان کی جائے۔ اور اگر یہ ضروری قرار دیں تو اس میں کتنی دقت اور دشواری اور حرج ہے وہ ظاہر ہے۔ علاوہ ازیں جن جزئیات میں کوئی آیت یا حدیث نہیں ان جزئیات کے بارے میں کیا کیا جائے۔ جہاں تک میری معلومات ہیں امت کا اس پر عملی طور پر اجماع ہے کہ عوام کو اتنا بتادینا کافی ہے کہ اس صورت کا یہ حکم ہے۔

اس لئے ضروری ہوا کہ امت کے جن علماء کو اللہ عزوجل نے یہ صلاحیت اور استطاعت دی ہے کہ وہ قرآن و احادیث کے حفظ و ضبط کے ساتھ ساتھ ان کے معانی اور مطالب سے کما حقہ واقف ہیں اور ان کے نسخ و منسوخ کو جانتے ہیں، جن میں اجتہاد و استنباط کی پوری قوت ہے، وہ خداداد قوت اجتہاد سے احکام شرعیہ کا ایسا مجموعہ تیار کر دیں جن میں مستفح احکام مذکور ہوں۔

اس ضرورت کو سب سے پہلے امام الائمہ، سراج الائمہ، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا۔ اور آپ نے اپنی پوری خداداد صلاحیت کو قرآن و احادیث و اقوال صحابہ سے مسائل کے استخراج و استنباط میں صرف فرمادیا جسکے احسان سے امت مرحومہ عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً جب کہ وہ دور شروع ہو چکا تھا کہ سینکڑوں نت نئے فتنے اٹھ رہے تھے۔ بد مذہب اسلام دشمن عناصر مسلمانوں میں گھل مل کر ہزار ہا ہزار احادیث گڑھ کر پھیلا چکے تھے۔ اگر فقہ مرتب نہ ہوتی تو امت کا کیا حال ہوتا وہ کسی عاقل سے پوشیدہ نہیں۔ (مقدمہ نزہۃ القاری: ۱۹۰)

کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ کے قسم عبادات کے مقدمہ میں لکھا ہے، ”امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے امام حماد رضی اللہ عنہ سے علم حاصل کیا، انہوں نے ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے علقمہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے علم سیکھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا میلان رائے سے اجتہاد کی طرف تھا

اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکو کوفہ بھیجا تو وہاں انکے خیال کو تقویت ملی اور انکے میلانِ رائے میں اضافہ ہوا کیونکہ عراق میں بہت سے ایسے مسائل پیش آئے جن سے مدینہ منورہ کے قیام میں سابقہ نہیں پڑا تھا۔ روزِ روز نئی جزئیات پیش آتی تھیں لہذا ضروری ہوا کہ ان پیش آمدہ مسائل کو قواعدِ شرعیہ پر پیش کیا جائے اور اسکے حکم کے مطابق ان کا جو حکم ہو، استنباط کیا جائے۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ۱۰۹)

فقہ کی ابتدا:

”شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں احکام کی قسمیں نہیں پیدا ہوئی تھیں۔ آنحضرت ﷺ صحابہ کے سامنے وضو فرماتے تھے اور کچھ نہ بتاتے تھے کہ یہ رکن ہے، یہ واجب ہے، یہ مستحب ہے۔ صحابہ آپ کو دیکھ کر اسی طرح وضو کرتے تھے، نماز کا بھی یہی حال تھا، یعنی صحابہ فرض و واجب وغیرہ کی تفصیل و تدقیق نہیں کیا کرتے تھے جس طرح رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا خود بھی پڑھ لی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے کسی قوم کو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے بہتر نہیں دیکھا لیکن انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تیرہ مسئلوں سے زیادہ نہیں پوچھے جو سب کے سب قرآن میں موجود ہیں البتہ جو واقعات غیر معمولی طور سے پیش آتے تھے ان میں لوگ آنحضرت ﷺ سے استفتاء کرتے اور آنحضرت ﷺ جواب دیتے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ لوگوں نے کوئی کام کیا اور آپ نے اس پر تحسین کی یا اس سے نارضا مندی ظاہر کی۔ اس قسم کے فتوے عام مجمعوں میں ہوتے تھے اور لوگ آنحضرت ﷺ کے اقوال کو ملحوظ رکھتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد فتوحات کو نہایت وسعت ہوئی اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ واقعات اس کثرت سے پیش آئے کہ اجتہاد و استنباط کی ضرورت پڑی اور اجمالی احکام کی تفصیل پر متوجہ ہونا پڑا۔ مثلاً کسی شخص نے غلطی سے نماز میں کوئی عمل

ترک کر دیا۔ اب بحث پیش آئی کہ نماز ہوئی یا نہیں اس بحث کے پیدا ہونے کے ساتھ یہ تو ممکن نہ تھا کہ نماز میں جس قدر اعمال تھے سب کو فرض کہہ دیا جاتا۔ صحابہ کو تفریق کرنی پڑی کہ نماز میں کتنے ارکان فرض و واجب ہیں؟ کتنے مسنون اور مستحب؟ اس تفریق کے لیے جو اصول قرار دیے جاسکتے تھے ان پر تمام صحابہ کی آراء کا متفق ہونا ممکن نہ تھا۔ اس لیے مسائل میں اختلاف آراء ہوا اور اکثر مسئلوں میں صحابہ کرام کی مختلف آراء قائم ہوئیں۔

بہت سے ایسے واقعات پیش آئے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں انکا عین و اثر بھی پایا نہیں گیا تھا۔ صحابہ کو ان صورتوں میں استنباط، تفریع، حمل النظر اور قیاس سے کام لینا پڑا۔ ان اصولوں کے طریقے یکساں نہ تھے اس لیے ضروری اختلاف پیدا ہوئے۔ غرض صحابہ ہی کے زمانے میں احکام اور مسائل کا ایک دفتر بن گیا اور جدا جدا طریقے قائم ہو گئے۔ (سیرۃ النعمان: ۲۱۹)

مجتہد صحابہ کرام اپنے فتاویٰ اور اجتہادات کو جمع نہیں کرتے تھے لیکن بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کے پیش نظر تابعین کے دور میں علماء و فقہاء نے احادیث نبوی اور فقہ و فتاویٰ کی تدوین کا کام شروع کیا۔ شیخ ابو زہرہ مصری رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ”مدینہ کے فقہاء حضرت عائشہ، ابن عمر، ابن عباس اور انکے بعد کے تابعین کے فتاویٰ جمع کرنے لگے، وہ انکو دوسرے مسائل کے لیے مبنی قرار دیتے تھے۔ عراق کے فقہاء ابن مسعود اور حضرت علی کے فتاویٰ اور قاضی شریح وغیرہ دیگر قاضیوں کے فیصلوں کو جمع کرتے تھے۔ راویوں کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم نخعی نے بھی فتاویٰ کو ایک مجموعہ میں جمع کیا تھا۔ امام ابو حنیفہ کے استاد امام حماد کا بھی ایک مجموعہ تھا تاہم یہ مجموعے کتابوں کی حیثیت نہیں رکھتے تھے بلکہ انکی حیثیت ایک ذاتی ڈائری کی تھی کہ مجتہد ضرورت کے وقت اسکی طرف رجوع کرتا تھا۔“ (حیات امام ابو حنیفہ: ۳۳۸) رضی اللہ عنہم، جمعین

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے مسائل کے استنباط کے قواعد وضع کیے جس کی وجہ سے فقہ، جو ابتدا میں جزئیات مسائل کا نام تھا، ایک مستقل فن بن گیا۔ بعد میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تلامذہ نے مرتب، منظم اور کتابی شکل میں علم فقہ کی اشاعت کی۔

فقہی احکام کی اقسام:

مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں،

”روایۃ کی قلت اور کثرت کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں۔ متواتر، مشہور، خبر واحد۔ اب یہ بالکل بدیہی ہے کہ قرآن مجید کی ایک ایک آیت کا ثبوت ایسا یقینی و قطعی ہے کہ اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں اور یہی حال حدیث متواتر کا ہے۔ حدیث مشہور کا ثبوت بھی یقینی ہے مگر متواتر کی طرح نہیں۔ اور خبر واحد میں یہ یقین اور کم درجہ کا ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ راوی لاکھ قوی الحافظہ سہی، لاکھ متدین سہی، لاکھ محتاط و متیقظ سہی مگر ہے تو انسان ہی۔ بہر حال اس سے سہو، نسیان، خطا، بھول چوک مستبعد نہیں۔ اس لئے جو درجہ دو اور دو سے زائد راویوں کا ہے وہ تنہا ایک کا نہیں ہو سکتا۔ اور یہ تعداد جتنی بڑھتی جائے گی قوت بڑھتی جائے گی۔ اور تعداد گھٹنے میں قوت گھٹتی جائے گی۔ اگرچہ راوی قوی الحافظہ، صدوق، ثقہ، تام الضبط، وغیرہ جامع شرائط ہو۔

اب چونکہ فقہ کی بنیاد جن پر تھی وہ سب ایک درجہ کے نہیں۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ان سے ثابت ہونے والے امور بھی ایک درجہ کے نہ ہوں بلکہ ان میں بھی مختلف مدارج ہوں۔ اس لئے احناف کے یہاں احکام کی ابتدائی تین قسمیں ہوئیں۔ مامور بہ، منہی عنہ، مباح۔ پھر مامور بہ کی سات قسمیں ہیں۔ فرض اعتقادی، فرض عملی، واجب اعتقادی، واجب عملی، سنت مؤکدہ، سنت غیر مؤکدہ، مستحب۔ منہی عنہ کی بھی پانچ قسمیں ہیں۔ حرام قطعی، مکروہ تحریمی، اساءت، مکروہ تنزیہی، خلاف اولیٰ۔

یہ سب صرف اس لئے کہ قرآن کی عظمت اور قطعیت اپنی جگہ رہے اور احادیث کی عظمت اپنی جگہ۔ اور ثابت ہونے والے امور کی ان کے ثبوت کی نوعیت کے اعتبار سے حیثیت اپنی جگہ رہے۔

احکام کے ان فرق مراتب کے موجد حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ ہیں۔ فرق مراتب کو سبھی مجتہدین نے قبول کیا۔ اس تقسیم سے بہت سے وہ خلیجان جو قرآن و احادیث میں بظاہر نظر آتے ہیں خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں نماز کے سلسلے میں صرف قیام، قرأت، رکوع، سجود کا حکم ہے احادیث میں ان کی تفصیل ہے۔

مثلاً قیام میں قرأت ہو اور قرأت میں سورۃ فاتحہ ہو۔ رکوع، سجود میں تسبیح پڑھی جائے۔ فقہاء نے جتنی باتیں قرآن مجید یا احادیث متواترہ سے ثابت ہوئی ان کو فرض قرار دیا بقیہ باتوں کو احادیث کی نوعیت کے لحاظ سے واجب، سنت، مستحب قرار دیا۔ اس کو آپ ایک جزئی مثال سے ذہن نشین کیجئے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ۔ جتنا تم پر آسان ہو قرآن پڑھو۔

اس آیت کا عموم اس کا مقتضی ہے کہ نمازی قرآن کی جو بھی سورۃ، آیت پڑھ لے نماز ہو جائے گی مگر احادیث میں ہے کہ:

لا صلوة الا بفاتحة الكتاب۔ اور کثیر احادیث سے ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ سورۃ فاتحہ کے بعد اور بھی قرآن مجید کچھ نہ کچھ پڑھا کرتے تھے جو با اعتبار معنی حد شہرت تک پہنچی ہیں۔ ان احادیث کا مفاد یہ ہوا کہ بغیر سورۃ فاتحہ اور ضم سورۃ کے نماز نہیں ہوگی۔ فقہاء نے فرق مراتب سے فائدہ اٹھا کر اس تعارض کو دور فرمایا کہ مطلق قرأت فرض اور خاص سورۃ فاتحہ پڑھنا اور ضم سورۃ واجب۔

اگر (معاذ اللہ) احناف احادیث کو قابل عمل نہ جانتے تو بہت آسانی سے کہہ سکتے تھے کہ چونکہ یہ احادیث قرآن کے معارض ہیں لہذا متروک العمل ہیں، اسی لئے احناف

اصول فقہ کا مسلمہ کلیہ مشہور ہے کہ جب قرآن و حدیث میں تعارض ہو تو پہلے تطبیق کی کوشش کی جائے۔ تطبیق ہو جائے فہماور نہ بدرجہ مجبوزی کتاب اللہ کے مقابلہ میں آحاد ضرور متروک ہوں گی۔ کیا کوئی اسے عمل بالحدیث کا ترک کہہ سکتا ہے؟ نہیں۔ عناد کا کوئی علاج نہیں۔ (مقدمہ نزہۃ القاری: ۱۹۴)

حنفی کی بنیاد:

مروف دانشور ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں اسلامی قانون کے دو مستقل، غیر تبدیل پذیر ماخذ یعنی قرآن و حدیث مکمل ہو جاتے۔ قانونی نکتہ نظر سے جب کوئی نئی گتھی پیدا ہوتی تو اسے سلجھانے کے لیے مسلمان سب سے پہلے قرآن اور پھر حدیث سے رجوع کرتے اور اگر ان دونوں میں کوئی حل ملتا تو پیغمبر کے عطا کردہ عظیم الشان اصول یعنی اجتہاد پر عمل کرتے۔ یہ اصول بعد میں مسلمانوں کے بہت کام آیا اور نہ اسلامی قانون منجمد ہو جاتا اور مسلمان اسے ناکافی نہ کر شاید غیر اسلامی قوانین اختیار کر لینے پر مجبور ہو جاتے۔ اجتہاد کے ذریعے سے ہر نئی چیز کے بارے میں قانون بنانے کا موقع مل گیا۔“ (خطبات بہاولپور: ۸۱)

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کا ایک طویل عرصہ کوفہ میں گزارا اور درس و تدریس کے ذریعہ اپنے کئی شاگردوں کو حدیث و فقہ کا ماہر بنا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی مدت خلافت میں کوفہ ہی میں مقیم رہے اور آپ نے بھی کئی طالبان علم کو فیضیاب کیا۔ ان دونوں صحابہ کی وجہ سے ہی کوفہ کو ”فقہ کا دارالعلوم“ کہا گیا۔

معروف دانشور ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بقول، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو قانون میں خاص ملکہ حاصل تھا اس لیے ان کے درس میں قانونی مباحث اور فقیہانہ عناصر ہمیشہ زیادہ ہوتے تھے۔ (خطبات بہاولپور: ۸۳)

چونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اجتہاد و فتوے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے طریق کار سے متاثر تھے اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ کوفہ میں فقہ کی اساس حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن مسعود سے منقول فتاویٰ تھے جو آگے چل کر فقہ حنفی کی بنیاد بنے۔ ان فقہاء صحابہ کی تعلیمات کو حضرت علقمہ، حضرت اسود اور قاضی شریح وغیرہ نے کوفہ میں خوب پھیلایا پھر ان سے حضرت ابراہیم نخعی نے اکتساب علم و فضل کر کے تمام علم حضرت حماد کو منتقل کیا جو امام اعظم ابو حنیفہ کے استاد تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

شیخ ابوزہرہ مصری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں، ”جب یہ ثابت ہو چکا کہ ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ نے ان تین اکابر صحابہ کی فقہ نقل کر کے حضرت حماد رضی اللہ عنہ تک پہنچائی پھر یہ فقہی ورثہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے حصے میں آیا تو کوئی وجہ نہیں کہ امام نخعی رضی اللہ عنہ نے نقد حدیث میں انکے طرز فکر اور نقل روایت میں انکی شدید احتیاط کو امام حماد رضی اللہ عنہ تک نہ پہنچایا ہو۔ چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ عالم تھا کہ حدیث روایت کرتے وقت ان پر کپکپی طاری ہو جاتی تھی مبادا وہ ایسی چیز بیان کر دیں جو حضور ﷺ نے نہ فرمائی ہو مگر اپنی رائے سے فتویٰ دینے میں انھیں کوئی مضائقہ نہ تھا۔

ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو قلت روایت کی تلقین کرتے تھے مبادا وہ حدیث رسول ﷺ میں دروغ گوئی کا ارتکاب نہ کر بیٹھیں۔ ایسے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حالت تھی کہ اگر کوئی ثقہ راوی بھی حدیث بیان کرتا تو اسے حلف دلاتے اور اس طرح انکی روایت کا تذکرہ کرتے۔“ (حیات امام ابو حنیفہ: ۵۰۶)

حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ حدیث کی روایت میں ارسال کے عادی تھے اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنے سے ڈرتے تھے۔ قال رسول اللہ ﷺ کہنے پر قال الصحابی کہنے کو ترجیح دیتے تھے۔ آپ سے کہا جاتا، کیا آپ کوئی حدیث نبوی بیان نہیں کر سکتے؟ تو فرماتے، ”حدیث تو بیان کر سکتا ہوں مگر میں قال عمر، قال

عبداللہ، قال علقہ، قال اسود کہنے کو آسان تر اور پسندیدہ خیال کرتا ہوں۔“
بعض دفعہ آپ الفاظ حدیث روایت کرنے کے بجائے حدیث کا مفہوم خود اپنی طرف
سے بیان کر دیا کرتے تھے۔ (ایضاً: ۳۹۹)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ سے شریعت اخذ کرنے اور اسے دوسروں تک
پہنچانے کے دو طریقے رائج تھے۔
اول: ظاہری طریقہ یعنی اسناد کے ساتھ حدیث بیان کرنا (متواتر ہو یا غیر متواتر)۔
(بطریق ظاہر)

دوم: حضور ﷺ کے اقوال و افعال و تقریر سے جو مسئلہ سمجھنا، اسے آپ ﷺ کی طرف
انتساب کیے بغیر بیان کرنا۔ (بطریق دلالت)

اول الذکر طریقے سے احادیث بیان کرنے میں صحابہؓ بحد احتیاط کرتے بلکہ دوسروں کو
بھی منع فرماتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کثرتِ روایت سے منع فرمایا۔
حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا روایات میں احتیاط کرنا اوپر
مذکور ہوا۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو
حدیثیں رسول اللہ ﷺ سے روایت کیں انکی تعداد سترہ سے زیادہ نہیں۔ حضرت عمر رضی
اللہ عنہ کی روایت سے پچاس حدیثیں بھی ثابت نہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بھی یہی
حال ہے۔“ (سیرۃ النعمان: ۱۷۸ بحوالہ مناقب الشافعی)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ظاہری طریقے سے احادیث بیان کرنے کے بجائے
مسائل کے استنباط کے لیے اجتہاد کرتے تھے چنانچہ آپ عہدِ نبوی ہی میں فقیہ اور مفتی
کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ معروف دانشور ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

”ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ تمہیں کوئی چیز معلوم
کرنا ہو تو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھ لو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک ماہر قانون تھے اور

صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کو ہر چھوٹی چیز کے متعلق زحمت دینے کے بجائے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے اور ان سے پوچھ لیتے۔ انہیں ایک طرح اجازت تھی کہ وہ چھوٹے موٹے مسائل میں فتویٰ دیں۔ (خطبات بہاولپور: ۷۹)

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے اس قانون پر عمل کیا اور حدیث کی پہلی قسم کی روایت میں کثرت نہ کی۔ (فقه الفقہ: ۳۴۰ بحوالہ ترمذی)

یہ اکابر صحابہ کرام حدیث کی روایت موخر الذکر طریقے سے کیا کرتے یعنی جو کوئی مسئلہ دریافت کرتا تو اس پر قرآن و سنت کی روشنی میں فتویٰ صادر فرماتے۔ چنانچہ یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی مرویات جو فقہ حنفی کے نام سے جانی جاتی ہیں، دراصل مذکورہ جید صحابہ کرام کی فقہ یا بالفاظ دیگر محمدی فقہ ہے۔

مذہب حنفی کے اصول:

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ”یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ علماء کی اس بات سے کہ ”امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب اہل رائے ہیں“ کوئی یہ نہ سمجھے کہ علماء نے انکی توہین کی ہے اور نہ ہی یہ سمجھے کہ یہ حضرات اپنی رائے کو سنت پر ترجیح دیتے ہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بات متعدد طریقوں سے ثابت ہو چکی ہے کہ آپ سب سے پہلے قرآن مجید سے راہنمائی لیتے ہیں اگر قرآن میں حکم نہیں ملے تو سنت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اگر سنت میں نہ ملے تو صحابہ کرام کا قول لیتے ہیں اور اس قول کو لیتے ہیں جو قرآن و سنت کے زیادہ قریب ہو اور اگر صحابہ کا قول نہیں ملتا تو پھر آپ تابعین کے قول کے پابند نہیں رہتے بلکہ خود اجتہاد کرتے ہیں جیسا کہ دوسرے تابعین اجتہاد کرتے ہیں۔“ (الخیرات الحسان ص ۹۴)

محدث علی قاری رحمہ اللہ نے بھی آپ کے اصحاب رائے ہونے کا یہی مفہوم بیان کیا ہے کہ ”ان کو اصحاب رائے اس لیے کہا جاتا ہے کہ انکی رائے دقیق اور عقل تیز ہوتی ہے۔“

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد دوم)

اس سے معلوم ہوا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کو اصحاب الرائے اس لیے نہیں کہا جاتا کہ وہ (معاذ اللہ) اپنی رائے کو حدیث پر ترجیح دیتے ہیں بلکہ انہیں اس لیے اہل رائے کہا جاتا ہے کہ وہ عقل و دانائی سے حدیث کے مشکل معانی سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ امام ربیعہ بن ابی عبد الرحمن رضی اللہ عنہ (المتوفی ۱۳۶ھ) جو ربیعۃ الرائے کے نام سے مشہور تھے، انکی وجہ تسمیہ کے متعلق امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”وہ امام، حافظ الحدیث، فقیہ، مجتہد اور رائے و قیاس کے ماہر تھے، اسی وجہ سے انہیں ربیعۃ الرائے کہا گیا ہے۔“ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱: ۱۳۸)

اسی طرح امام مالک، امام شافعی، امام سفیان ثوری و دیگر مجتہدین حضرات بھی صاحب الرائے ہیں لیکن فقہ و اجتہاد اور قیاس و رائے میں جو بلند مقام امام اعظم اور آپ کے اصحاب کو ملا، وہ کسی اور کو نہ مل سکا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ”اگر حدیث معروف ہو اور اس میں رائے کی ضرورت ہو تو امام مالک، امام سفیان ثوری اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم کی رائے ملحوظ رکھنی چاہیے اور امام اعظم رضی اللہ عنہ ان سب میں فقہ کی تہ تک پہنچنے والے ہیں اور ان تینوں میں بڑے فقیہ ہیں۔“ (الخیرات الحسان: ۱۰۴)

آپ ہی کا ارشاد ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ”لوگوں پر تعجب ہے کہ وہ میرے متعلق کہتے ہیں کہ میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں حالانکہ میں تو حدیث سے فتویٰ دیتا ہوں۔“

آپ نے ان سے یہ بھی روایت کیا کہ ”کتاب اللہ میں حکم ہوتے ہوئے کسی کو بھی اپنی رائے سے بولنے کا حق نہیں ہے، اور سنت رسول ﷺ میں حکم ہوتے ہوئے کسی کو اپنی رائے سے بولنے کا حق نہیں ہے، اور اسی طرح صحابہ کرام کے اجماع کے ہوتے ہوئے کسی کو اپنی رائے سے بولنے کا حق نہیں ہے البتہ جس مسئلے میں صحابہ کا اختلاف

ہوا ہے تو ہم ان کے اس قول کو لیتے ہیں جو قرآن و سنت کے زیادہ قریب ہو اور جو ان کے علاوہ ہے اس میں اجتہاد کیا جاتا ہے اور اپنی رائے سے اجتہاد وہ شخص کر سکتا ہے جس کو اختلاف کا صحیح علم ہو اور وہ قیاس کے اصول و ضوابط جانتا ہو۔ (الخیرات الحسان: ۹۶)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ مذہب حنفی کی بنیاد و اساس دین کے چار معروف اصول یعنی کتاب و سنت اور اجماع و قیاس ہیں۔ ان چاروں اصولوں کے حجت ہونے پر احادیث پہلے ہی پیش کی جا چکی ہیں۔

ایک دن امام اعظم رضی اللہ عنہ کسی سے قیاس کے متعلق گفتگو فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے چیخ کر کہا، قیاس کو چھوڑ دو کیونکہ پہلا قیاس ابلیس نے کیا تھا۔ آپ نے اس شخص سے فرمایا، تم نے ٹھیک بات نہیں کی کیونکہ ابلیس نے اپنے قیاس سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو رد کیا۔ اس لیے وہ کافر ہوا جبکہ ہمارا قیاس تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی اتباع کے لیے ہے کیونکہ ہم قیاس کے ذریعے مسئلہ کو اللہ تعالیٰ کی کتاب، اس کے رسول ﷺ کی سنت اور صحابہ و تابعین کرام کے اقوال کی طرف لے جا رہے ہیں اور اتباع کے ارد گرد ہی رہتے ہیں تو ہم کس طرح ابلیس ملعون کے مساوی ہو سکتے ہیں؟

یہ سن کر اس شخص نے کہا، ”مجھ سے غلطی ہوئی میں توبہ کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے دل کو منور کرے جس طرح آپ نے میرے دل کو منور کیا۔“ (الخیرات الحسان: ۹۷)

امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”امام اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے تلامذہ قرآن و سنت سے ہٹ کر کوئی بات نہیں کرتے۔ اگر قرآن و سنت میں حکم نہ ملے تو وہ صحابہ کرام کے اقوال و اعمال کو مشعل راہ بناتے ہیں اور اگر ان ذرائع سے بھی مسئلہ حل نہ ہو تو پھر قرآن و سنت کی روشنی میں قیاس کرتے ہیں۔“ (مناقب للموفق: ۱۱۸)

دلی کامل حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کی گواہی بھی ملاحظہ فرمائیے۔ آپ کا ارشاد ہے، ”اگر کسی مسئلہ میں صحیح حدیث مل جاتی تو امام اعظم رحمہ اللہ اس کی اتباع کرتے اور اگر

صحابہ کرام و تابعین عظام سے اسکا حکم ملتا تو انکی پیروی کرتے ورنہ قیاس کرتے اور بہترین قیاس کرتے۔“ (الخیرات الحسان: ۹۵)

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے ”تم یہ نہ کہا کرو کہ یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی رائے ہے بلکہ یوں کہا کرو کہ یہ حدیث کی تفسیر ہے۔“ (ذیل الجواہر ج ۲: ۴۶۰) آپ ہی کا ایک اور ارشاد ہے، ”حدیث و اثر کا سیکھنا بیشک ضروری ہے مگر اسکی تشریح اور وضاحت کے لیے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی عقل و فہم کی ضرورت ہے تاکہ حدیث کی تفسیر اور اسکا مفہوم سمجھا جاسکے۔“ (مناقب للموفق: ۳۶۳)

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ قرآن و حدیث اور صحابہ کرام کے اقوال و آثار کے ہوتے ہوئے ہرگز قیاس و رائے کو اختیار نہ کرتے تھے۔ اور جب آپ قیاس و اجتہاد کرتے تو اسکی بنیاد قرآن و سنت اور اجماع صحابہ پر قائم ہوتی، اس لیے امت کی اکثریت اسکی تعریف اور پیروی کرتی۔ اسکے باوجود آپکی انکساری اور وسعت نظری کا یہ عالم تھا کہ آپ فرماتے ہیں،

”یہ ہمارا قیاس و اجتہاد ہے۔ ہم اس پر کسی کو مجبور نہیں کرتے اور نہ یہ کہتے ہیں کہ اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ اگر کسی کے پاس اس سے بہتر رائے ہو تو وہ لے آئے، ہم اسکو قبول کرنے کو تیار ہیں۔“ (الخیرات الحسان: ۹۸)

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کا ابتدا میں یہ گمان تھا کہ آپ قیاس کو احادیث پر مقدم رکھتے ہیں چنانچہ امام عبدالوہاب شعرائی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”ایک دن جامع مسجد کوفہ میں سفیان ثوری، مقاتل بن حیان، حماد بن سلمہ، امام جعفر صادق اور دوسرے علماء رضی اللہ عنہم آئے اور انہوں نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے کہا، ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ آپ دین میں بکثرت قیاس کرتے ہیں۔ آپ نے ان علماء سے گفتگو شروع کی اور ظہر تک یہ گفتگو جاری رہی۔“

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنا مذہب یہ بیان کیا، ”میں سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں پھر سنت نبوی پر اور پھر صحابہ کرام کے فیصلوں پر۔ اگر ان سب میں مجھے کوئی مسئلہ نہ ملے تو پھر قیاس کرتا ہوں۔“ یہ سن کر علماء کرام کھڑے ہوئے اور آپ کے سر اور گھٹنوں کو چوما اور فرمایا، ”آپ علماء کے سردار ہیں۔ ماضی میں جو کچھ ہم نے آپ کے متعلق ناروا کہا وہ لاعلمی میں تھا۔ آپ اسے معاف کر دیں۔“ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ہماری اور آپ کی مغفرت فرمائے۔ (المیزان: ۶۶)

قرآن و حدیث میں تطبیق:

”احناف کے اصول فقہ کا مشہور کلیہ ہے کہ جب قرآن و حدیث میں تعارض ہو تو پہلے تطبیق کی کوشش کی جائے۔ تطبیق ہو جائے تو بہتر ورنہ بدرجہ مجبوری کتاب اللہ کے مقابلہ میں خبر آحاد ضرور متروک ہوں گی۔“

بات یہ ہے کہ جب قرآن مجید کے قطعی الدلالت معنی کے معارض کوئی روایت ہے تو وہ حدیث ہی نہیں اگرچہ وہ سب طرح سے درست ہو۔ یہ قاعدہ بھی احناف کا تراشیدہ نہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں کسی نے کہا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

ان المیت یعذب ببكاء الحی۔ زندہ کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔
ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا، اللہ عزوجل ابو عبد الرحمن رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے۔ یہ یقین ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولے مگر بھول گئے یا چوک گئے۔ قصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک یہودی عورت کا جنازہ گزرا۔ فرمایا، یہ لوگ اس پر رورہے ہیں حالانکہ اس پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی یہ تنقید اس حدیث کے قرآن کی اس آیت کے معارض ہونے کی وجہ سے تھی کہ فرمایا:
وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ۔ کوئی دوسرے کا وبال نہیں اٹھائے گا۔

قرآن واحادیث دونوں پر احناف کبھی کبھی ایسے اہم نازک موقعوں پر عمل کر لیتے ہیں کہ ہر منصف، دیانت دار اور ذی فہم داد دے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ اس کی مثال قرأت خلف امام ہے جس کی قدرے تفصیل یہ ہے:

احناف کا مسلک یہ ہے کہ جب جماعت سے نماز پڑھی جائے تو مقتدی قرأت نہیں کرے گا، خاموش رہے گا، خواہ نماز سرری ہو یا جہری۔

غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ مقتدی سورۃ فاتحہ ضرور پڑھے گا ان کی دلیل یہ حدیث ہے: لا صلوة الا بفاتحة الكتاب او كما قال۔ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ احناف کی دلیل قرآن مجید کا یہ ارشاد ہے:

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔

”اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“ (الاعراف: ۲۰۴)

یہ آیت نماز ہی میں قرآن مجید پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس لئے یہ اپنے مورد کے اعتبار سے نماز میں قرآن پڑھے جانے کے بارے میں اور قطعی ہو جاتی ہے۔ اور اگر نماز کے بارے میں نہ بھی ہوتی جیسا کہ معاندین احناف کی ضد ہے تو بھی اذا قرئ القرآن کا عموم نماز میں قرآن پڑھے جانے کو بھی بلاشبہ شامل ہے۔ اس لئے نماز میں قرآن مجید پڑھے جانے کے وقت استماع اور سکوت بننا قرآنی ثابت ہے۔ اور حکم صرف بغور سننے کا نہیں بلکہ خاموش رہنے کا بھی ہے۔ حالانکہ بغور سننے کے لئے خاموش رہنا لازم ہے جو خاموش نہ رہے اور خود بولے جائے وہ کیا سنے گا۔ بغور سننے کے بعد خاموش رہنے کو علیحدہ ذکر کرنے کا سبب یہ ہے کہ کچھ نمازوں میں قرآن مجید بلند آواز میں پڑھا جاتا ہے، اور کچھ میں آہستہ جن میں بلند آواز سے پڑھا جاتا ہے ان میں بغور سننے کے ساتھ خاموش رہنا پایا ہی جائے گا۔ جن نمازوں

میں آہستہ پڑھا جاتا ہے ان میں چونکہ سنائی نہیں دیتا تو بغور سننا تو نہ ہوگا مگر چپ رہنا ضروری ہوگا۔ اس لئے نماز خواہ سڑی ہو خواہ جہری، امام جب قرأت کرے تو مقتدی پر چپ رہنا بہر حال ضروری ہے، کچھ پڑھنے کی اجازت نہیں۔

اس پر ایک اعتراض امام بخاری نے جزء القراءة میں یہ کیا کہ یہ آیت خطبے کے وقت نماز پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی۔ یعنی جب خطبہ ہو رہا ہو اور کوئی آئے تو دو رکعت نماز پڑھے، اس نماز میں یہ قرآن پڑھ رہا ہے اور حاضرین خاموش ہیں۔ مگر اس کے متعلق وہ کوئی سند نہیں پیش کر سکے۔ ان کے برخلاف امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا، اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت مطلقاً نماز میں قرأت کے بارے میں نازل ہوئی۔ اسی بناء پر وہ جہری نمازوں میں مقتدی کو قرأت کی اجازت نہیں دیتے۔ اس سے قطع نظر نص جب عام ہو تو حکم مورد کے ساتھ خاص نہیں رہتا، عام ہی رہتا ہے۔

جب آیت کا صریح مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی قرآن پڑھے تو تم لوگ بغور سنو اور خاموش رہو۔ قرأت اور خاموش رہنے کی تاویل تو امام بخاری نے کر لی کہ آنے والا قرأت کر رہا ہے لوگ چپ ہیں۔ اگرچہ یہاں حاضرین کا چپ رہنا اس کی قرأت کی وجہ سے نہیں بلکہ خطبہ کی وجہ سے ہے۔ مگر بغور سننے کا یہاں کیا محل؟ اسے امام بخاری نے نہیں بتایا۔ یہ اشکال لائیکل ہے۔ لہذا اگر اس آیت کو خطبے کی حالت کے ساتھ خاص کریں تو لازم آئے گا کہ فاستمعوا لہ کا ارشاد حشو اور بے معنی ہو جائے۔

(مقدمہ نزہۃ القاری: ۱۹۳ تا ۱۹۶)



باب سیزدہم (13)

فقہ حنفی کی تدوین:

فقہ اپنی وسعت و جامعیت کے اعتبار سے زندگی کے تمام مسائل پر حاوی ہے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے تک اگرچہ فقہ کے بعض مسائل مدون ہو چکے تھے لیکن اسے باقاعدہ ایک کامل دستور اور جامع قانون کی حیثیت حاصل نہ تھی۔ اس وقت تک نہ تو استدلال و استنباط مسائل کے قواعد مقرر ہوئے تھے نہ ہی ایسے اصول و ضوابط طے ہوئے تھے جن کی روشنی میں احکام کی تفریع کی جاتی۔

بارہا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے سرکاری قاضیوں اور حکام کو فیصلوں میں غلطیاں کرتے دیکھا، یہ بھی تدوین فقہ کا ایک سبب تھا۔ نیز تمدن میں وسعت کی وجہ سے روز بروز نئے مسائل پیدا ہوتے جا رہے تھے۔ اطراف و بلاد سے آنے والے سینکڑوں استفتاء امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آنے لگے تو آپ نے یہ ارادہ کیا کہ احکام و مسائل کے وسیع و کثیر جزئیات کو اصولوں کے ساتھ ترتیب دیکر ایک جامع فن کی شکل دیدی جائے تاکہ آنے والی نسلوں کے لیے اسلامی دستور مشعل راہ بن جائے۔

چنانچہ آپ نے تدوین فقہ کے عظیم کام کے لیے اپنے شاگردوں میں سے چالیس نامور افراد جو اپنے اپنے فن کے ماہر تھے، ان کا انتخاب کر کے ایک دستوری کمیٹی تشکیل دی۔ یہ سب ائمہ حضرات درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔ ان اراکین کمیٹی میں امام ابو یوسف، امام داؤد طائی، حضرت یحییٰ بن ابی زائدہ، حضرت حفص بن غیاث اور حضرت عبداللہ بن مبارک کو روایت اور حدیث و آثار میں خاص کمال حاصل تھا۔ حضرت قاسم بن معن اور امام محمد عربیت اور ادب میں مہارت رکھتے تھے جبکہ امام زفر "قوت استنباط میں مشہور تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

مہر وف دانشور ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، "امام اعظم ابو حنیفہ نے ایک

کارنامہ انجام دیا جو اسلامی قانون کی تاریخ میں سب سے زیادہ اہم اور یادگار کارنامہ ہے۔ اس زمانے میں امام مالک، امام اوزاعی وغیرہ بڑے بڑے فقیہ موجود تھے۔ انہوں نے کتابیں بھی لکھیں لیکن ان کی کوششیں انفرادی تھیں۔ امام ابوحنیفہ نے سوچا کہ انفرادی کوشش کی جگہ، اسلامی قانون کی تدوین اگر اجتماعی طرز پر کی جائے تو بہتر ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بہت سے شاگردوں میں سے چالیس ماہرین قانون منتخب کر کے ایک اکیڈمی قائم کی۔

انتخاب میں اس بات کا خیال رکھا کہ جو لوگ قانون کے علاوہ دیگر علوم اور معاملات کے ماہر ہوں، انہیں بھی اکیڈمی کا رکن بنایا جائے غرض مختلف صلاحیتوں کے ماہرین کو اس اکیڈمی میں جمع کیا گیا۔ (خطبات بہاولپور: ۸۵)

چونکہ فقہ زندگی کے ہر شعبے سے متعلق مسائل پر مبنی ہے اس لیے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے مختلف علوم و فنون کے ماہرین کو جمع کیا اور پھر انکی معاونت سے اسلامی قوانین کو مرتب کرنے میں مصروف ہو گئے۔

تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ اپنی مسند پر رونق افروز ہوتے، آپ کے سامنے کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا اور پھر اس مسئلہ پر آپ کے تلامذہ گفتگو کرتے۔ بعض اوقات بحث و تمحیص میں انکی آوازیں بلند ہونے لگتیں اور دیر تک بحث ہوتی رہتی۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نہایت خاموشی سے انکی گفتگو سنتے رہتے پھر جب آپ گفتگو شروع کرتے تو ہر طرف خاموشی چھا جاتی۔

ایک دن امام اعظم رضی اللہ عنہ کسی مسئلہ پر گفتگو فرما رہے تھے اور یہ سب حضرات خاموش بیٹھے سن رہے تھے۔ ایک شخص نے یہ منظر دیکھ کر کہا، ”پاک ہے وہ ذات جس نے امام ابوحنیفہ کے لیے ان حضرات کو خاموش کرایا۔“ (مناقب للموفق: ۴۱۲)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ طریقہ تھا کہ آپ اپنے تلامذہ سے بحث کرتے۔ کبھی تو آپ

کے اصحاب دلائل سن کر آپ کی بات مان لیتے اور کبھی آپ کے دلائل کے مقابل اپنے دلائل پیش کرتے۔ امام اعظم رحمہ اللہ آپ کے طریقہ کار پر یوں تبصرہ کرتے ہیں، ”جب اس مجلس کے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہوتا ہے تو اسکے اراکین اس مسئلے کو اس قدر گردش دیتے ہیں اور اسکے ہر پہلو کا اس قدر غور سے جائزہ لیتے ہیں کہ بالآخر اس حل روشن ہو جاتا ہے۔“ (مناقب للکردری، ج ۲: ۳)

صدر الائمہ علامہ موفق رحمہ اللہ لکھتے ہیں، امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے مذہب کی اساس اپنے تلامذہ کی شوریٰ پر رکھی اور ان پر اپنی رائے مسلط نہ کی۔ اس سے آپ کا مقصد دین میں احتیاط اور خدا و رسول ﷺ سے پر خلوص تعلق میں انتہائی حد تک کوشاں رہنا تھا۔ آپ ایک مسئلہ پیش کر کے اپنے تلامذہ کی رائے سنتے اور پھر اپنا نظریہ بیان فرماتے۔ ضرورت ہوتی تو ایک ماہ یا زیادہ عرصہ بحث ہوتی۔ حتیٰ کہ جب کسی ایک قول پر آکر بات ٹھہر جاتی تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ اسے اصول میں درج کر لیتے اس طرح انہوں نے سب اصول تحریر کر لیے۔ (حیات امام ابو حنیفہ: ۳۴۱)

خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں بحث شروع ہو جاتی اور امام عافیہ رحمہ اللہ اس وقت موجود نہ ہوتے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے، اس بحث کو عافیہ کے آنے تک ختم نہ کرو۔ جب عافیہ آ جاتے اور وہ سب کی رائے سے متفق ہو جاتے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے، اب اس مسئلہ کو لکھ لو۔ (تاریخ بغداد ج ۱۲: ۱۰۸)

ان چالیس میں سے دس یا بارہ ائمہ کی ایک اور خصوصی مجلس تھی جس میں امام اعظم کے علاوہ امام ابو یوسف، امام زفر، داؤد طائی، عبد اللہ بن مبارک، یحییٰ بن زکریا، حبان بن علی، امام مندل بن علی، عافیہ بن یزید، علی بن مسہر، علی بن ظبیان، قاسم بن معن اور اسد بن عمرو شامل تھے جو فیصلہ کو حتمی شکل دیتی اور پھر اسے تحریر کر دیا جاتا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

دستور اسلامی کی تمدن کا یہ عظیم الشان کام ۱۲۱ھ میں شروع ہوا اور کئی سال جاری رہا

حتیٰ کہ آپکی اسیری کے ایام میں بھی یہ کام جاری تھا۔ اس دستور کے جتنے اجزاء تیار ہو جاتے، ساتھ ہی ساتھ انہیں شائع کر دیا جاتا۔ یہ مجموعہ ”کتاب فقہ ابی حنیفہ“ کے نام سے مشہور ہوا۔ محدث علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

”امام اعظم رضی اللہ عنہ نے تراویٰ ہزار (۸۳،۰۰۰) مسائل طے کیے، ان میں سے اڑتیس ہزار (۳۸،۰۰۰) عبادات سے متعلق اور دیگر پینتالیس ہزار (۲۵،۰۰۰) مسائل معاملات سے متعلق تھے۔“ (ذیل الجواہر ج ۲: ۲۷۲)

آزاد خیال عالم شبلی نعمانی بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ ”امام ابو حنیفہ نے جس قدر مسائل مدون کیے ان کی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار سے کچھ زیادہ تھی۔ شمس الائمہ کروری نے لکھا ہے کہ یہ مسائل چھ لاکھ تھے۔ یہ خاص تعداد شاید صحیح نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ انکی تعداد لاکھوں سے کم نہ تھی۔ امام محمد کی جو کتابیں آج موجود ہیں، ان سے اس کی تصدیق ہو سکتی ہے۔“ (سیرۃ النعمان: ۱۰۹)

حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اپنے شاگردوں کو تدوین فقہ کا اس قدر ماہر بنادیا تھا کہ یہ کام آپ کے وصال کے بعد بھی جاری رہا۔

ایک شخص نے امام وکیع رحمہ اللہ سے کہا، ”امام ابو حنیفہ سے غلطی ہوئی۔“ تو امام وکیع الجراح رحمہ اللہ نے فرمایا، جو لوگ یہ کہتے ہیں وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ غلطی کیسے کر سکتے ہیں جبکہ انکے ساتھ امام ابو یوسف اور امام زفر جیسے فقہ کے امام تھے اور یحییٰ بن زکریا بن زائدہ، حفص بن غیاث، امام حبان، امام مندل جیسے محدثین تھے اور قاسم بن حسن جیسے لغت و عربیت کے ماہر تھے اور داؤد طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زہد و تقویٰ کے امام موجود تھے۔ تو جس کے ساتھی ایسے لوگ ہوں اس سے خطا کیونکر ممکن ہے، کیونکہ اگر وہ غلطی کرتے تو یہ لوگ انکو حق کی طرف لوٹا دیتے۔“ رحمۃ اللہ علیہم۔ (الخیرات الحسان: ۱۰۰)

امام وکیع رحمہ اللہ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ تدوین فقہ میں جو لوگ شریک تھے وہ سب علم و فضل کے اعتبار سے استاذِ زمانہ اور رہبر و راہنما کی حیثیت کے حامل تھے۔ ان اکابرین امت نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی فقہی بصیرت اور مجتہدانہ راہنمائی میں فقہ حنفی کی تدوین کر کے اسے مذاہبِ ثلاثہ (مالکی، شافعی اور حنبلی مذاہب) کے لیے نشانِ راہ اور سنگِ میل بنا دیا۔

فقہاء نے کیا خوب فرمایا ہے، ”فقہ کا کھیت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بویا، حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے اسے سیراب کیا، حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ نے اسے کاٹا، حضرت حماد رضی اللہ عنہ نے اسکا اناج جدا کیا، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اسے پیسا، امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ نے اسے گوندھا اور امام محمد رضی اللہ عنہ نے اسکی روٹیاں پکائیں جبکہ باقی لوگ اسکے کھانے والے ہیں۔“ (در مختار)

کتب فقہ کی تدوین:

امت مسلمہ کی سہولت اور علماء کی آسانی کے لیے سب سے پہلے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے تدوین کتب کی ضرورت محسوس کی اور علم شریعت کی تدوین فرمائی۔ امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں،

”امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں یہ صفت منفرد اور خاص ہے کہ آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم شریعت کی تدوین کی اور اسے ابواب میں تقسیم فرمایا پھر اسکی پیروی امام مالک نے ”موطا“ کی ترتیب میں کی۔ امام صاحب سے پہلے کسی نے ایسا نہ کیا کیونکہ صحابہ کرام اور تابعین نے علم شریعت کو نہ تو ابواب میں تقسیم کیا اور نہ ہی کوئی کتاب مرتب کی بلکہ وہ اپنے حافظ کی قوت پر اعتماد کرتے تھے۔ جب امام اعظم رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ علم منتشر ہوتا جا رہا ہے تو انہیں اس کے ضائع ہونے کا خوف ہوا تو آپ نے اسے مدون کر کے ابواب میں تقسیم کیا۔ آپ نے علم الفقہ کو باب الطہارۃ سے

شروع کیا پھر باب الصلوٰۃ، پھر تمام عبادات پھر معاملات اور آخر میں وراثت کا باب مرتب کیا۔ (تبیض الصحیفہ: ۴۵)

”امام اعظم رضی اللہ عنہ سے پہلے مسائل بیان کیے جاتے تھے مگر جس ترتیب اور ضبط سے امام صاحب نے تدوین فرمائی وہ آپ ہی کی اولیت ہے۔“ (مناقب للموفق: ۳۷۹)

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ”آپ سب سے پہلے وہ شخص ہیں جس نے علم فقہ کی تدوین کی اور اسکو ابواب میں مدون کیا اور اسکی کتابیں مرتب کیں جیسا کہ آج کل موجود ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”موطا“ میں انہیں کی پیروی کی۔ اس سے قبل لوگ اپنی یادداشت پر اعتماد کرتے تھے۔ آپ ہی سب سے پہلے شخص ہیں جس نے کتاب الفرائض اور کتاب الشروط وضع کی۔“ (الخیرات الحسان: ۱۰۱)

”تعجب ہے کہ جن لوگوں کو امام صاحب سے ہمسری کا دعویٰ تھا وہ بھی (امام اعظم کی) اس کتاب سے بے نیاز نہ تھے۔ امام سفیان ثوری نے بڑے لطائف الخیل سے کتاب الرہن کی نقل حاصل کی اور اسکو اکثر پیش نظر رکھتے تھے۔ زائدہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن سفیان کے سرہانے ایک کتاب دیکھی جسکا وہ مطالعہ کر رہے تھے۔ ان سے اجازت مانگ کر میں اسکو دیکھنے لگا تو وہ امام ابو حنیفہ کی کتاب الرہن نکلی۔ میں نے تعجب سے پوچھا، کہ آپ ابو حنیفہ کی کتابیں دیکھتے ہیں؟، بولے، ”کاش انکی سب کتابیں میرے پاس ہوتیں۔“ یہ بھی کچھ کم تعجب کی بات نہیں کہ اسوقت بڑے بڑے مدعیان فن موجود تھے اور ان میں بعض امام ابو حنیفہ کی مخالفت بھی رکھتے تھے تاہم کسی کو اس کتاب کی رد و قدح کی جرأت نہیں ہوئی۔ (سیرۃ النعمان: ۲۲۸)

حنفی فقہ جس میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ انکے نامور شاگردوں کے مسائل بھی شامل ہیں، دنیائے اسلام کا بہت بڑا مجموعہ قوانین تھا۔ اگرچہ بعد میں علمائے حنفیہ نے اس میں بہت سا اضافہ کیا، لیکن امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ اور آپ کے دیگر شاگرد

آپ کے طریقہ اجتہاد کی پیروی کرتے ہوئے اور آپ کے مرتب کردہ فقہی قواعد و اصول کے مطابق ہی قرآن و حدیث سے مسائل اخذ کرتے رہے۔ اسی بناء پر امام اعظم رضی اللہ عنہ ”مجتہد فی الشرع“ ہیں اور آپ کے ان شاگردوں کو ”مجتہد فی المذہب“ کا درجہ حاصل ہے اور وہ اصول میں امام اعظم رضی اللہ عنہ ہی کے مقلد ہیں۔

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے کئی مسائل میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔ بعض لوگ اس وجہ سے امام اعظم رضی اللہ عنہ پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ حالانکہ اس حقیقت کو خود امام ابو یوسف، امام زفر اور امام محمد رحمہم اللہ نے بیان کیا۔ ان کے بقول، ہم نے جو اقوال بظاہر امام اعظم رضی اللہ عنہ کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہے وہ بھی دراصل امام اعظم رضی اللہ عنہ ہی کے اقوال ہیں کیونکہ بعض مسائل میں امام اعظم رضی اللہ عنہ نے مختلف اور متعدد آراء ظاہر کی تھیں۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا، ”میں نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے کسی قول کی سوائے ایک قول کے مخالفت نہیں کی“۔ (شامی ج ۱: ۴۹)

اس طرح امام زفر رحمہ اللہ کا ارشاد ہے،

ما خالفت ابا حنیفة فی قول الا وقد کان ابو حنیفة یقول بہ۔

”میں نے کسی قول میں امام ابو حنیفہ کی مخالفت نہیں کی مگر یہ کہ وہ بھی امام اعظم رضی اللہ عنہ ہی کا ایک قول ہوتا تھا“۔ (الجواہر المصنیۃ، ج ۱: ۲۴۴)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا فقہی مجموعہ جو کتب فقہ ابی حنیفہ کے نام سے موسوم ہے، اسکی تفصیل حسب ذیل ہے، اسے امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ نے مرتب کیا ہے۔

۱۔ کتب ظاہر الروایۃ: اس میں چھ کتابیں ہیں۔ جامع صغیر، جامع کبیر، مبسوط، زیادات، السیر الصغیر، السیر الکبیر۔

امام ابو الفضل محمد بن احمد مردزی رحمہ اللہ نے ظاہر الروایۃ کی تمام کتب کے مسائل پر

مشمثل ایک کتاب ”کافی“ لکھی۔ امام سرخی رحمہ اللہ نے اس کتاب کی تیس (۳۰) جلدوں میں شرح لکھی جو ”مبسوط“ کے نام سے مشہور ہے۔

2۔ کتب نوادر:

کتب ظاہر الروایۃ کے علاوہ جو دیگر کتب امام محمد رحمہ اللہ نے تصنیف فرمائیں انہیں نوادرات کہتے ہیں۔ انہیں کیسانیات، جرجانیات، ہارونیات، امالی امام محمد، نوادر ابن رستم وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے علاوہ حدیث وفقہ میں امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کی دوسری کتب مثلاً کتاب الحج، کتاب الآثار، کتاب الخراج، اختلاف ابی حنفیہ و ابن ابی لیلیٰ، الرد علی سیرالاوزاعی اور موطا امام محمد وغیرہ پر بھی کتب نوادر کا اطلاق ہوتا ہے۔

تصانیفِ امام اعظم:

صحابہ کرام اور تابعین عظام کے زمانے میں کتابیں لکھنے کا باقاعدہ رواج نہیں تھا۔ لوگ اپنے حافظے اور یادداشت پر اعتماد کرتے۔ دوسری صدی ہجری میں تصنیف و تالیف کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے تدوین فقہ کے لیے کوفہ میں مجلس فقہ قائم کی جس میں آپ اپنے شاگردوں کو احادیث اور فقہ کا املا کراتے تھے۔ اس علمی ذخیرہ کو آپ کے تلامذہ نے اپنے اپنے حلقوں میں بیان کیا اس طرح یہ روایات انہی کی طرف منسوب ہو گئیں۔ گویا آپ کے تلامذہ کی طرف منسوب تصانیف درحقیقت امام اعظم ہی کی تصانیف ہیں۔

ان کے علاوہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تصانیف کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے:-

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی نہایت معروف تصنیف ”فقہ اکبر“ ہے جو کہ اہلسنت و جماعت کے عقائد پر مشتمل ایک رسالہ ہے۔ اسکی متعدد شرحیں لکھی گئیں جن میں محدث علی قاری رحمہ اللہ کی شرح سب سے زیادہ مقبول ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی دیگر تصانیف حسب ذیل ہیں:

کتاب السیر - کتاب الاوسط - الفقه الاوسط - کتاب الرد علی القدریہ - العالم
والمستعلم - کتاب الراى - رسالۃ الامام ابی عثمان التیمی فی الارجاء - کتاب اختلاف
الصحابہ - کتاب الجامع - مکتوب وصایا -

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ احادیث پر مشتمل کئی کتب تھیں جنہیں امام محمد بن
محمود خوارزمی رحمہ اللہ نے یکجا جمع کر دیا ہے۔ مقدمے میں انہوں نے ان سب کو جمع
کرنے کا سبب یہ لکھا، کہ بعض جابلوں نے شام میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ
رضی اللہ عنہ کو حدیث میں زیادہ دخل نہیں اسی وجہ سے حدیث میں انکی کوئی تصنیف نہیں۔
اس پر مجھے غیرت آئی اور میں نے ان تمام مسانید کو جو علماء نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی
احادیث سے جمع کیے تھے، اکٹھا کر دیا۔ انکی تفصیل یہ ہے:

۱۔ مسند حافظ ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاری۔

۲۔ مسند امام ابو القاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد۔

۳۔ مسند حافظ ابو الحسن محمد بن المظفر بن موسیٰ بن عیسیٰ۔

۴۔ مسند حافظ ابو نعیم الاصبہانی۔

۵۔ مسند شیخ ابو بکر محمد بن عبد الباقی محمد الانصاری۔

۶۔ مسند امام ابو احمد عبد اللہ بن بن عدی الجرجانی۔

۷۔ مسند امام حافظ عمر بن حسن الاشثانی۔

۸۔ مسند ابو بکر احمد بن محمد بن خالد الکلاعی۔

۹۔ مسند امام قاضی ابو یوسف یعقوب۔

۱۰۔ مسند امام محمد بن حسن الشیبانی۔ ۱۱۔ مسند امام حماد بن امام ابو حنیفہ۔

۱۲۔ آثار امام محمد بن حسن۔ ۱۳۔ مسند امام عبد اللہ بن ابی العوام۔

امام خوارزمی رحمہ اللہ نے اپنی جامع المسانید میں ان مسانید کو جمع کیا ہے اور انکی اکابر

محدثین تک اسناد بھی بیان کر دی ہیں۔

انکے علاوہ اور بھی مسانید ہیں مثلاً:-

۱۴۔ مسند حافظ ابو عبد اللہ حسنین بن محمد بن خسر و بلخی۔

۱۵۔ مسند امام ہکفی، محدث علی قاری رحمہ اللہ نے اس کی شرح لکھی ہے۔

۱۶۔ مسند امام ماوردی۔

۱۷۔ مسند ابن البرزازی، ان دونوں کی بھی شرحیں لکھی گئی ہیں۔

علامہ کوثری مصری رحمہ اللہ نے ”تانیب الخطیب“ میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مسانید کی تعداد اکیس بتائی ہے جن کی سندیں متصل ہیں۔ حافظ حدیث محمد بن یوسف صالحی شافعی رحمہ اللہ نے ”عقود الجمان“ میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی سترہ مسانید کا سلسلہ روایت بالاتصال مسانید کے جامعین تک بیان کیا ہے۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے مناقب الامام الاعظم میں کہا، ”امام اعظم رضی اللہ عنہ سے محدثین اور فقہاء کی اتنی بڑی جماعت نے حدیث کی روایت کی ہے کہ جن کا شمار نہیں“۔ علامہ مزنی رحمہ اللہ نے تہذیب الکمال میں ایک سو کے لگ بھگ ایسے کبار محدثین کو شمار کیا ہے۔ جامع المسانید دیکھیں تو سینکڑوں محدثین کی امام صاحب سے روایات مذکور ہیں جن میں اکثر وہ دائمہ حدیث ہیں جوائمہ ستہ اور انکے بعد کے دوسرے محدثین کے شیوخ واساتذہ بواسطہ یا بلا واسطہ ہیں۔

ان مسانید کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں وہ احادیث بھی ہیں جو امام اعظم رضی اللہ عنہ نے براہ راست صحابہ کرام سے سنی ہیں اور ثلاثیات تو اکثر ہیں جن میں امام اعظم رضی اللہ عنہ اور حضور ﷺ تک درمیان میں صرف تین راوی ہیں۔

(مقدمہ مزہۃ القاری: ۱۸۵)



باب چہارم (14)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ:

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن حضرات نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے علم حدیث وفقہ حاصل کیا ان کا شمار ناممکن ہے۔ بعض ائمہ کا قول ہے کہ کسی کے اتنے اصحاب اور شاگرد نہیں ہوئے جتنے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہوئے اور علماء اور عوام کو کسی سے اس قدر فیض نہ پہنچا جتنا کہ امام اعظم اور ان کے اصحاب سے مشتبہ احادیث کی تفسیر، اخذ کردہ مسائل، جدید پیش آنے والے مسائل اور قضا و احکام میں فائدہ پہنچا۔ خدا ان حضرات کو جزائے خیر دے۔ بعض متاخر محدثین نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں ان کے شاگردوں کی تعداد تقریباً آٹھ سو لکھی ہے اور ان کے نام و نسب بھی لکھے ہیں۔ طوالت کے خوف سے ہم اسے حذف کرتے ہیں۔ (الخیرات الحسان: ۸۴)

حافظ ابوالحسن شافعی رحمہ اللہ نے ۹۱۸ لوگوں کے نام بقید نام و نسب لکھے ہیں جو امام صاحب کے حلقہ درس سے مستفید ہوئے۔ (سیرۃ النعمان: ۳۱۹)

اب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے چند مشہور شاگردوں کے مختصر احوال تحریر کیے جا رہے ہیں، بعد ازاں آپ کے اُن چالیس مشہور شاگردوں کی فہرست تحریر کی جائے گی جنہوں نے تدوین فقہ کے کام میں حصہ لیا تھا۔

۱۔ امام ابو یوسف:

آپ کا نام یعقوب اور کنیت ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بصیرت و فراست سے آپ کی پیشانی پر علم و فضل کے آثار دیکھے اور پھر آپ کے علم حاصل کرنے کا شوق ملاحظہ کیا تو آپ کے اخراجات اپنے ذمے لے لیے۔ آپ نے علم فقہ و حدیث امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا نیز اس زمانے میں کئی اکابر محدثین سے بھی استفادہ کیا۔

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، امام ابو یوسف رحمہ اللہ قاضی، فقیہ، عالم اور حدیث کے حافظ تھے۔ حدیث حفظ کرنے میں مشہور تھے۔ آپ پچاس ساٹھ حدیثیں سنتے اور پھر کھڑے ہو کر دوسروں کو لکھوا دیتے تھے۔ آپ کثیر الحدیث تھے۔ آپ تین عباسی خلفاء مہدی، ہادی اور ہارون رشید کے عہد میں قاضی القضاۃ یعنی چیف جسٹس کے عہدے پر فائز رہے۔ (سوانح بے بہائے امام اعظم: ۱۵۱)

امام اعظم رحمہ اللہ کا ارشاد ہے ”میرے شاگردوں میں جس نے سب سے زیادہ علم حاصل کیا وہ ابو یوسف ہیں“۔ آپ نے کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں سے بیس کتابوں کے نام علامہ ابوالحسن زید فاروقی رحمہ اللہ نے تحریر کیے ہیں۔ (ایضاً: ۱۵۲)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے امام ابو یوسف کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے جبکہ جرح و تعدیل کے نامور امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے آپ کو ”صاحب حدیث و صاحب سنہ“ فرمایا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ) شیخ ابوزہرہ مصری رحمہ اللہ کے بقول امام ابو یوسف رحمہ اللہ، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اصحاب میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔ آپ نے چالیس گرانقدر کتب تصنیف کیں۔ (حیات ابو حنیفہ: ۳۵۱)

ایک موقع پر امام اعظم رحمہ اللہ نے اپنے خاص شاگردوں کے متعلق فرمایا، ”یہ میرے ۱۳۶ اصحاب ہیں جن میں سے ۲۸ میں قاضی بننے کی پوری اہلیت ہے اور چھ افراد میں فتویٰ دینے کی صلاحیت ہے جبکہ میرے دو شاگرد امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام زفر رحمہ اللہ یہ صلاحیت رکھتے ہیں کہ قاضیوں اور مفتیوں کو مہذب اور مؤدب بنائیں“۔ (حیات امام ابو حنیفہ: ۳۵۱)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ارشاد ہے، جب کسی مسئلہ میں یہ تین حضرات متفق ہوں تو انکی مخالفت نہیں کی جاسکتی۔ پوچھا گیا، وہ تین حضرات کون ہیں؟ فرمایا، امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد ابن الحسن۔ امام ابو حنیفہ قیاس میں بہت بصیرت رکھتے ہیں، امام

ابو یوسف آثار پر وسیع نظر رکھتے ہیں اور امام محمد عربیت میں تمام لوگوں سے زیادہ مہارت رکھتے ہیں (رضی اللہ عنہم)۔ (تقدیم موطا امام محمد: ۲۸)

امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد کے اساتذہ امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین نیز امام بخاری کے شیخ علی بن مدینی یہ تینوں امام ابو یوسف ہی کے مشہور شاگرد ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ (مناقب للموفق: ۵۰۴) آپ کا وصال ۱۸۲ھ میں ہوا۔

2۔ امام محمد بن حسن:

امام محمد بن حسن رحمہم اللہ ۱۳۲ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ آپ کو علم حاصل کرنے کا شوق اس قدر تھا کہ والد کی میراث سے آپ کو تیس ہزار درہم ملے۔ نصف رقم علم نحو، لغت اور ادب وغیرہ کی تحصیل پر خرچ کی اور بقایا نصف حدیث و فقہ کا علم حاصل کرنے میں خرچ کیے۔ رب تعالیٰ نے آپ کو خاص صلاحیتوں سے نوازا تھا اسی بناء پر آپ نے صرف ایک ہفتہ میں قرآن کریم حفظ کر لیا۔ (تقدیم موطا امام محمد: ۱۷)

گمان یہ ہے کہ علم نحو اور عربی زبان و ادب میں مہارت کے باعث آپ کو امام اعظم نے کم عمری ہی میں اپنی مجلس کا رکن بنالیا تھا۔ بعد ازاں آپ نے دو سال تک امام اعظم رحمہم اللہ سے درس لیا پھر ان کے وصال کے بعد امام ابو یوسف، مسعر بن کدام، سفیان ثوری، امام مالک اور امام اوزاعی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے اکتساب فیض کیا۔ اس طرح آپ کم عمری ہی میں عالم و فقیہ بن گئے۔ امام اعظم کے پوتے اسماعیل بن حماد کی روایت کے مطابق، امام محمد کا حلقہ درس کوفہ میں قائم ہو چکا تھا حالانکہ اس وقت وہ صرف بیس برس کے تھے۔ (مناقب للکردری، ج ۲: ۱۵۰)

آپ کے تلامذہ بشمار ہیں جن میں امام شافعی، ابو حفص کبیر، محمد بن ساعد، خلف بن ایوب، قاسم بن سلام، عیسیٰ بن ابان رحمہم اللہ تعالیٰ زیادہ مشہور ہیں۔ آپ نے نو سو سے زیادہ دینی کتب تصنیف فرمائیں۔ آپ نے امام شافعی رحمہم اللہ کی والدہ سے نکاح کر لیا

تھا۔ (اولیاء رجال الحدیث: ۲۳۱)

آپ ہی نے امام شافعی رحمہ اللہ کی دینی تربیت فرمائی جس کے باعث امام شافعی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ ”علم فقہ میں مجھ پر سب سے بڑا احسان امام محمد رحمہ اللہ کا ہے۔“

ایک اور ارشاد ہے، ”میں نے ان سے زیادہ فصیح کوئی نہیں پایا، وہ جب گفتگو فرماتے تو یوں محسوس ہوتا کہ گویا قرآن انہی کی لغت میں نازل ہوا ہے۔“ (تاریخ بغداد

ج ۲: ۱۷۵)

امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور قول ہے کہ ”میں نے امام محمد سے بڑھ کر کوئی قرآن مجید کا عالم نہیں دیکھا۔“ (الجواہر المصیۃ) ابراہیم حربی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا، کہ آپ ایسے دقیق مسائل کہاں سے بیان فرماتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا، یہ سب امام محمد رحمہ اللہ کی کتابوں کا فیض ہے۔ (تاریخ بغداد، ج ۲: ۱۷۷)

خلیفہ ہارون رشید نے آپکو ”زکوٰۃ“ کا قاضی مقرر کیا۔ آپ قاضی مقرر ہوئے اور کچھ مدت بعد بغداد چلے گئے۔ ۱۸۹ھ میں وصال ہوا۔

ایک بار خلیفہ کے دربار میں بیٹھے تھے کہ خلیفہ کی آمد ہوئی سب لوگ کھڑے ہو گئے، لیکن آپ کھڑے نہ ہوئے۔ خلیفہ نے آپ کو خلوت میں بلا کر سب پوچھا، تو آپ نے فرمایا، آپ نے مجھے علماء کی صف میں شامل کیا ہے اس لیے میں نے آپ کے خادموں کی صف میں شامل ہونا پسند نہ کیا۔ (سوانح: ۱۶۶)

3۔ امام زفر بن ہذیل:

آپ ۱۱۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے بہت محبوب و محمد شاگرد ہیں۔ امام صاحب کی مجلس میں سب سے آگے بیٹھتے اور امام اعظم رحمہ اللہ ہر موقع پر آپ کی تعظیم اور مدح و ثنا فرماتے۔ آپ کو حدیث میں امامت اور فقہ میں اجتہاد کا درجہ حاصل تھا۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے شاگردوں میں حار لوگ فقہ کے اے حافظ تھے جیسے قرآن کے

حافظ ہوا کرتے ہیں۔ زفر، ابو یوسف، اسد بن عمرو، علی بن مسہر۔ رحمہم اللہ تعالیٰ
(اخبار ابی حنیفہ: ۶۶)

جرح و تعدیل کے امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کا قول ہے، زفر صاحب الراۃ ثقة
مامون۔ امام زفر نے فقہ کی تحصیل سے پہلے اپنے دور کے نامور تابعین سے علم حدیث
حاصل کیا اور اس میں اس قدر کمال حاصل کیا کہ لوگ آپ کو ”صاحب الحدیث“ کہتے
اور آپ کے پاس اکتساب علم کے لیے آتے۔ بعد ازاں آپ نے امام اعظم سے فقہ کا علم
حاصل کیا۔ امام زفر رحمہ اللہ کا ارشاد ہے، امام اعظم رحمہ اللہ کا ہر تربیت یافتہ شاگرد امت کا
فقیہ ہے۔ (مناقب للموفق: ۳۹۵)

ایک شخص امام مزنی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے دریافت کیا، امام
ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا، اہل عراق کے سردار، پھر پوچھا، امام
ابو یوسف رحمہ اللہ کے متعلق کیا رائے ہے؟ فرمایا، وہ سب سے زیادہ حدیث کا اتباع
کرنے والے ہیں۔

اس نے پھر پوچھا، امام محمد رحمہ اللہ کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ فرمایا، وہ تعریفات
میں سب پر فائق ہیں۔ وہ بولا، امام زفر رحمہ اللہ کے متعلق فرمائیے۔ فرمایا، وہ قیاس و
اجتہاد میں سب سے زیادہ تیز ہیں۔ (حیات امام ابو حنیفہ: ۴۸۴)

امام اعظم رحمہ اللہ نے ان کا نکاح پڑھایا تو خطبہ کے دوران فرمایا، ”اے حاضرین! یہ زفر
ہیں جو مسلمانوں کے اماموں میں سے ایک امام اور شرافت و علمیت کے لحاظ سے
مسلمانوں کی عظمت کا ایک نشان ہیں۔“

امام زفر رحمہ اللہ زہد و تقویٰ میں بھی بے مثال تھے۔ دو مرتبہ حکومت نے آپ کو قاضی بننے پر
مجبور کیا مگر دونوں مرتبہ آپ نے اپنے استاد امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرح انکار
کر دیا اور گھر چھوڑ کر روپوش ہو گئے۔ غصہ کے باعث دونوں بار حکومت نے آپ کا

مکان گرا دیا۔ چنانچہ آپ کو دومرتبہ اپنا مکان تعمیر کرنا پڑا۔

علوم القرآن، معرفت حدیث اور فن رجال کے علاوہ قیاس و استنباط میں آپ کی حد درجہ مہارت کے باعث امام اعظم رحمہ اللہ آپ کو امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ پر ترجیح دیتے تھے۔ دیگر اصحاب کے مقابلے میں کم عمری میں آپ کا انتقال ہو گیا اس لیے آپ تصنیف و تالیف کا کام نہیں کر سکے۔ آپ امام اعظم رحمہ اللہ کے وصال کے بعد انکی جگہ تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۵۸ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

(اولیاء رجال الحدیث: ۱۲۷)

4۔ امام مالک بن انس:

چالیس اراکین شوریٰ کے علاوہ امام اعظم رحمہ اللہ کے دیگر اصحاب میں امام مالک رحمہ اللہ سر فہرست ہیں۔ آپ ۹۵ھ میں پیدا ہوئے۔ جب بھی امام اعظم رحمہ اللہ مدینہ منورہ میں حاضری دیتے تو امام مالک رحمہ اللہ آپ سے استفادہ کرتے۔ یہ بھی پہلے بیان کیا گیا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے موطا کی تصنیف میں امام اعظم کی کتب سے استفادہ کیا۔ امام مالک رحمہ اللہ اکثر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اقوال کو بیان فرمایا کرتے تھے اور آپ کے اقوال کی تلاش میں رہتے تھے۔ اسحاق بن محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسائل دینیہ میں امام مالک رحمہ اللہ، امام اعظم رحمہ اللہ کے اقوال کو معتبر سمجھتے تھے۔ (مناقب للموفق: ۳۲۴)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ آپ دینی مسائل میں امام اعظم رحمہ اللہ کے اقوال کو معتبر سمجھتے تھے۔ یہ بھی واضح رہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بھی نماز میں رفع یدین منسوخ ہے۔ آپ امام اعظم رحمہ اللہ کا بہت ادب کیا کرتے۔

محمد بن اسماعیل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک بار میں نے دیکھا کہ امام مالک رحمہ اللہ امام اعظم رحمہ اللہ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے جا رہے تھے جب مسجد کے دروازے پر پہنچے تو امام مالک رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو آگے کر دیا۔ (ایضاً: ۳۲۵)

یک مرتبہ مسجد نبوی میں عشاء کے بعد امام مالک رحمہ اللہ اور امام اعظم رحمہ اللہ کی علمی گفتگو شروع ہوئی۔ راوی کہتے ہیں کہ امام اعظم رحمہ اللہ بات کرتے تو امام مالک رحمہ اللہ ادب اور خاموشی سے سنتے اور اس پر اعتراض نہ کرتے اور جب امام مالک رحمہ اللہ بات کرتے تو امام اعظم رحمہ اللہ خاموشی سے سنتے۔ اس طرح یہ سلسلہ فجر کی اذان تک جاری رہا۔
(ایضاً: ۴۱۵)

امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے، اگر امام مالک رحمہ اللہ اور ابن عیینہ رحمہ اللہ ہوتے تو حجازیوں کا علم نیست و نابود ہو جاتا۔

بعض لوگ امام مالک رحمہ اللہ کو امام اعظم رحمہ اللہ کا شاگرد ماننے کی بجائے ان کا استاد قرار دیتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ سے امام مالک رحمہ اللہ کی روایت حدیث ثابت ہے مگر امام مالک رحمہ اللہ سے امام اعظم رحمہ اللہ کی روایت ثابت نہیں چنانچہ حافظ ابن حجر شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام اعظم رحمہ اللہ کی روایت امام مالک رحمہ اللہ سے ثابت نہیں اور دارقطنی نے جو روایتیں ذکر کی ہیں وہ محل نظر ہیں کیونکہ وہ بطور مذاکرہ تھیں نہ کہ تحدیث بالقصد روایت۔ (انوار الباری ج ۱: ۵۴)

آقا و مولیٰ ﷺ سے آپ کو اس قدر محبت تھی کہ آپ ایک بار حج کے ایام کے سوا ساری عمر مدینہ منورہ میں رہے مگر زمانہ بیماری کے سوا کبھی شہر مدینہ میں قضاے حاجت نہیں فرمائی بلکہ ہمیشہ حرم سے باہر تشریف لے جاتے۔ آپ مدینہ منورہ میں کبھی گھوڑے پر سوار نہیں ہوئے اور یہی فرماتے رہے کہ ”مجھے شرم آتی ہے کہ میں اپنی سواری کے جانور کے سموں سے اس زمین کو روندوں جس کے چپے چپے کو میرے آقا و مولیٰ ﷺ کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہے۔“

5۔ امام مسعر بن کدام:

امام اعظم رحمہ اللہ کے اصحاب میں ایک اہم نام امام مسعر بن کدام رحمہ اللہ کا آتا ہے جو عظیم

محدث تھے۔ آپ پہلے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے حسد کرتے اور آپ کی غیبت بھی کرتے۔ ایک بار امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے تو آپ کا زہد و تقویٰ دیکھ کر سخت نادم ہوئے۔ (یہ واقعہ ”عبادت و ریاضت“ کے عنوان کے تحت مذکور ہو چکا ہے) چنانچہ توبہ کر کے آپ کی صحبت اختیار کر لی یہاں تک کہ آپ ہی کی مسجد میں حالت سجدہ میں انتقال کیا۔ (ایضاً: ۲۶۳)

سلیم بن سالم رحمہ اللہ نے فرمایا، ہم امام مسعر بن کدام رحمہ اللہ کے درس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم ان سے سوال کرتے تو وہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال سے بات شروع کرتے۔ ایک شخص نے کہا، ہم آپ سے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پوچھتے ہیں تو آپ بدعتیوں کی باتیں شروع کر دیتے ہیں۔ امام مسعر رحمہ اللہ اس شخص سے بہت ناراض ہوئے اور فرمایا، تمہاری اس بیہودہ بات کا جواب صرف یہ ہے کہ تم میری مجلس سے اٹھ کر چلے جاؤ۔ تمہیں معلوم نہیں کہ امام اعظم رحمہ اللہ کا چھوٹا سا شاگرد حج کے ایام میں خانہ کعبہ کے پاس کھڑا ہو جائے تو ساری دنیا کے علماء اسے سنتے رہیں۔ اسکے بعد آپ نے یہ دعا مانگی، ”اے اللہ میں تیرا قرب چاہتا ہوں اور اس کے لیے امام ابو حنیفہ کا وسیلہ پیش کرتا ہوں۔“ (ایضاً: ۲۱۸)

جب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ تشریف لاتے تو امام مسعر رحمہ اللہ تعظیم میں کھڑے ہو جاتے اور جب ان کے سامنے بیٹھتے تو دوزانو بیٹھتے اور آپ کی رائے رد نہ کرتے۔ امام اعظم رحمہ اللہ نے مسند میں کئی احادیث ان سے روایت کی ہیں۔ (ایضاً: ۳۳۰)

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، جب کسی حدیث میں ہمارا اختلاف ہو جاتا تو ہم امام مسعر بن کدام سے پوچھتے تھے۔ وہ آپ کو حدیث کا ”میزان“ کہا کرتے تھے۔ (الجواہر المصیۃ ج ۲: ۱۶۷)

امام مسعر رحمہ اللہ سے پوچھا گیا، آپ اصحاب ابی حنیفہ کی رائے چھوڑ کر امام اعظم رحمہ اللہ

کی رائے کی طرف کیوں مائل ہوئے؟ فرمایا، اس کی صحت کی بنا پر۔ تو اب تم اس سے بھی زیادہ صحیح لاؤ تاکہ میں اسے اپناؤں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے کہا، ”میں نے امام مسعر رحمہ اللہ کو امام اعظم سے سوال کرتے اور استفادہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔“ (الخیرات: ۱۱۰) آپ کا وصال ۱۵۳ھ یا ۱۵۵ھ میں ہوا۔

6۔ امام عبداللہ بن مبارک:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ، امام اعظم کے نہایت مشہور شاگردوں میں سے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ نے کشف المحجوب میں آپ کو ”زاہدوں کا سردار، اوتاد کا پیش رو اور اہل طریقت و شریعت کا امام“ فرمایا ہے۔ آپ علم حدیث میں اس قدر بلند مقام کے حامل تھے کہ محدثین آپ کو ”امیر المومنین فی الحدیث“ کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الاسماء واللغات میں آپ کا ذکر یوں کیا ہے، ”وہ امام جس کی امامت و جلالت پر ہر باب میں اجماع کیا گیا ہے، جس کے ذکر سے اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور جس کی محبت سے مغفرت کی امید کی جاسکتی ہے۔“

ایک موقع پر انہیں کسی نے ”عالم مشرق“ کہہ دیا تو امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا، ”صرف مشرق کے عالم نہیں، وہ تو مشرق و مغرب کے عالم ہیں۔“ آپ کا ارشاد ہے، میں نے چار ہزار مشائخ سے حدیث کا علم حاصل کیا اور ایک ہزار شیوخ سے احادیث روایت کیں۔ آپ نے فقہ و حدیث میں کئی کتب تصنیف فرمائیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں، عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے زمانے میں ان سے بڑھ کر کسی نے حدیث کے حصول کی کوشش نہیں کی۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آپ کی روایت سے سینکڑوں حدیثیں مروی ہیں۔

آپ امام اعظم کی مجلس فقہ اور اس کی ذیلی بارہ رکنی خصوصی کمیٹی کے بھی رکن

تھے۔ آپ نے امام اعظم سے بھی حدیثیں روایت کی ہیں۔ امام اعظم کی شاگردی پر آپ کو اس قدر فخر تھا کہ آپ علانیہ فرماتے، ”اگر اللہ تعالیٰ نے امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کے ذریعہ سے میری دستگیری نہ کی ہوتی تو میں عام آدمیوں جیسا ہوتا۔“ (تبیض الصحیفہ: ۱۹) آپ ہی کا ایک اور ارشاد گرامی ہے، ”کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ یہ کہے کہ یہ میری رائے ہے لیکن امام اعظم ابوحنیفہ کو زیبا ہے کہ وہ یہ کہیں کہ یہ میری رائے ہے۔“ (ایضاً: ۲۰)

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے تھے، ”میں نے کسی کو امام ابوحنیفہ کے اوصاف اس طرح بیان کرتے ہوئے نہ پایا جیسا کہ ابن مبارک انکے اوصاف بیان کرتے اور انکو بھلائی کے ساتھ یاد کرتے تھے۔“ (الخیرات الحسان: ۱۳۷)

ایک موقع پر آپ نے فرمایا، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کی آیات (نشانیوں) میں سے ایک آیت (نشانی) ہیں۔ کسی نے سوال کیا، آیت خیر ہیں یا آیت شر؟ فرمایا، تم قرآن کی روشنی میں آیت کا لفظ تلاش کرو۔ وجعلنا ابن مریم وامہ آیت۔ ترجمہ: ”اور ہم نے مریم اور اسکے بیٹے کو آیت کیا۔“ (المومنون: ۵۰) کیا آیت شر سے بھی بن سکتی ہے؟ (مناقب للموفق: ۳۱۷)

سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ کے علم و فضل کے متعلق آپ کا ارشاد ہے، اگر امام ابوحنیفہ تابعین کے ابتدائی دور میں ہوتے جب صحابہ کرام کی کثرت تھی تو کئی تابعین بھی آپ کے علوم سے بہرہ ور ہوتے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ کا قیاس دراصل حدیث کی تفسیر و تشریح تھا۔ (ایضاً: ۳۳۸) آپ کا وصال ۱۸۱ھ میں ہوا۔

7۔ امام وکیع بن الجراح:

آپ امام اعظم رحمۃ اللہ کے خاص شاگرد اور تدوین فقہ کی مجلس کے رکن تھے۔ فن حدیث و رجال کے متعلق آپ کی روایات اور آراء معتمد و مستند سمجھی جاتی ہیں۔ امام بخاری اور

امام مسلم نے آپ کی روایت سے کئی حدیثیں صحیحین میں درج کی ہیں۔ بلکہ امام بخاری نے تو امام عبداللہ بن مبارک، امام وکیع اور امام اعظم کے دیگر شاگردوں کی کتابیں حفظ کر رکھی تھیں۔ (طبقات الکبریٰ ج ۲: ۴)

امام ذہبی رحمہ اللہ نے تذکرۃ الحفاظ میں امام وکیع کا تعارف ان القابات سے کرایا ہے،
 امام الحافظ الثبت محدث العراق احد الائمة الاعلام وکیع بن جراح۔ آپ کے علم و فضل کے متعلق امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کا ارشاد ہے، ”میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جسے امام وکیع پر ترجیح دوں۔“

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ آپ کے ممتاز شاگرد تھے۔ انہیں آپ کی شاگردی پر اس قدر از تھا کہ جب وہ آپ کی روایت سے کوئی حدیث سناتے تو سننے والوں سے فرماتے، ”یہ حدیث مجھ سے اس شخص نے بیان کی کہ تمہاری آنکھوں نے اس جیسا کوئی دوسرا نہیں دیکھا ہوگا۔“ (تہذیب الاسماء واللغات)

امام وکیع رحمہ اللہ اکثر مسائل میں امام اعظم کی تقلید کیا کرتے اور انہی کے فتوے کے موافق فتویٰ دیا کرتے۔

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ویفتی بقول ابی حنیفہ۔ یعنی امام وکیع امام ابوحنیفہ کے قول کے موافق فتوے دیا کرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱: ۲۸۰) امام وکیع رحمہ اللہ نے امام اعظم سے کثیر حدیثیں سنیں اور روایت کیں۔ (ایضاً ج ۱: ۱۵۱، تبیض الصحیفہ: ۱۵) خطیب بغدادی نے بھی تاریخ بغداد میں اس کی تصدیق کی ہے۔

یہ مشہور واقعہ پہلے تحریر ہو چکا کہ ایک شخص نے امام وکیع رحمہ اللہ سے کہا، ”امام ابوحنیفہ سے غلطی ہوئی۔“ تو آپ نے فرمایا، جو لوگ یہ کہتے ہیں وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ غلطی کیسے کر سکتے ہیں جبکہ ان کے ساتھ امام ابو یوسف اور امام زفر جیسے فقہ کے امام تھے اور یحییٰ بن زکریا بن زائدہ، حفص بن

غیاث، امام حبان، امام مندل جیسے محدثین تھے اور قاسم بن معن جیسے لغت و عربیت کے ماہر تھے اور داؤد طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زہد و تقویٰ کے امام موجود تھے۔ تو جس کے ساتھی ایسے لوگ ہوں اس سے خطا کیونکر ممکن ہے، کیونکہ اگر وہ غلطی کرتے تو یہ لوگ انکو حق کی طرف لوٹا دیتے۔“۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین (الخیرات الحسان: ۱۰۰)

8۔ امام یحییٰ بن سعید قطان:

امام اعظمؒ کی مجلس فقہ کے رکن، امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ وہ جلیل القدر محدث ہیں جن کے متعلق علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ فن رجال میں جس محدث نے سب سے پہلے لکھنے کا آغاز کیا وہ یحییٰ بن سعید القطان ہیں، پھر آپ کے بعد آپ کے شاگردوں یحییٰ بن معین، علی بن المدینی اور امام احمد بن حنبل وغیرہ نے اس فن میں گفتگو کی اور ان کے بعد ان کے شاگردوں امام بخاری، امام مسلم وغیرہ نے فن رجال میں کام کیا۔ امام احمد بن حنبل کا معروف قول ہے کہ ”میں نے اپنی آنکھوں سے یحییٰ بن سعید جیسا کوئی دوسرا نہیں دیکھا“۔ رحمہم اللہ تعالیٰ (میزان الاعتدال، دیباچہ)

حدیث کے راویوں کی تحقیق و تنقید میں آپ کو اس قدر بلند مقام حاصل تھا کہ ائمہ حدیث عموماً کہا کرتے تھے، ”یحییٰ جس راوی کو چھوڑ دیں گے ہم بھی اسے چھوڑ دیں گے“۔ علم و فضل کے اس قدر بلند مقام پر فائز ہونے کے باوجود آپ امام اعظم کے حلقہ درس میں شریک ہوتے، ان کی شاگردی پر فخر کرتے اور ان کے مخالفین کے پروپیگنڈے کا جواب دیتے۔

علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان امام اعظم ہی کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج ۱: ۲۸۰)

امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ میں نے امام یحییٰ بن سعید کو یہ فرماتے ہوئے سنا، ”ہم اللہ تعالیٰ سے جھوٹ نہیں بولتے۔ ہم نے امام ابو حنیفہ کے اجتہاد سے بہتر کسی سے نہیں

نا، اور ہم نے آپ کے اکثر اقوال اختیار کیے ہیں۔“ رحمہم اللہ تعالیٰ
(تہذیب التہذیب، جزء عاشر: ۴۵۰)

آپ کا یہ ارشاد بھی خاص توجہ کے لائق ہے۔ فرمایا، ”میں عمر بھر فقہی مسائل میں تمام
لوگوں پر چھایا رہا مگر جب میں امام اعظم کے پاس پہنچا تو یوں محسوس ہوا کہ میں انکے
سامنے کچھ بھی نہیں۔ جو مقام امام اعظم کو حاصل تھا کوئی دوسرا اس تک نہ پہنچ سکا۔“
(مناقب للموفق: ۳۴۰)

زہیر بن نعیم کا بیان ہے کہ آپ کے وصال کے بعد میں نے خواب دیکھا کہ یحییٰ بن
سعید قطان کے بدن پر ایک گرتا ہے جس یہ لکھا ہے، ”اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تحریر
ہے کہ یحییٰ بن سعید کے لیے جہنم سے نجات ہے۔“ (اولیاء رجال الحدیث: ۲۶۲)
9۔ امام یحییٰ بن زکریا:

حافظ حدیث، امام یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ کو امام المحمد ثین بھی کہا جاتا ہے کیونکہ
آپ امام احمد بن حنبل، ابوبکر بن ابی شیبہ، یحییٰ بن معین، قتیبہ اور علی بن المدینی کے بھی
استاد ہیں۔ آپ کے متعلق امام بخاری کے استاد، امام علی بن المدینی فرمایا کرتے
تھے، ”یحییٰ کے زمانہ میں یحییٰ پر علم کا خاتمہ ہو گیا۔“ (میزان الاعتدال ترجمہ یحییٰ)
یہ امام علی بن المدینی رحمہ اللہ خود اتنے بڑے عالم تھے کہ انکے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ
فرماتے تھے، ”میں نے علی بن المدینی کے سوا کسی کے سامنے اپنے آپ کو چھوٹا نہیں
سمجھا۔“ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲: ۱۶)

گویا امام بخاری جن کے سامنے خود کو چھوٹا سمجھتے تھے وہ امام اعظم کے ایک شاگرد امام
یحییٰ بن زکریا کے متعلق گواہی دیتے ہیں کہ ان پر علم کا خاتمہ ہو گیا۔ اب آپ فیصلہ کیجیے
کہ جس کے شاگرد کا یہ مقام ہے اس امام اعظم کا کس قدر اعلیٰ مقام و مرتبہ ہوگا؟
امام یحییٰ بن زکریا رحمہ اللہ، امام اعظم کے ایسے خاص شاگردوں میں سے ہیں کہ علامہ

ذہبی شافعی رحمہ اللہ نے آپ کو ”صاحب ابی حنیفہ“ قرار دیتے ہوئے آپ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے، الحافظ الثبت المتقن الفقیہ ابوسعید الہمدانی الوداعی مولاهم الکوفی صاحب ابی حنیفہ۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱: ۲۴۳)

آپ امام اعظم کے محبوب شاگردوں میں سے ہیں اور مجلس فقہ کے علاوہ بارہ رکنی ذیلی مجلس کے بھی رکن ہیں۔ آپ کو طویل عرصہ تک مجلس فقہ کے کاتب یعنی تحریر و تصنیف کی خدمت انجام دینے کا اعزاز بھی حاصل رہا۔ صحاح ستہ خصوصاً صحیح بخاری میں آپ کی روایت سے کثیر تعداد میں احادیث موجود ہیں۔ آپ مدائن میں اقاضی کے منصب پر فائز رہے۔ ۱۸۲ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

10۔ امام یزید بن ہارون:

آپ امام اعظم ابو حنیفہ کے شاگرد اور تدوین فقہ کی مجلس کے اہم رکن تھے۔ امام احمد بن حنبل، علی بن المدینی، یحییٰ بن معین جیسے بڑے بڑے ائمہ حدیث آپ کے شاگرد تھے۔ امام جلال الدین سیوطی نے امام یزید بن ہارون کو امام اعظم کے تلامذہ میں شمار کیا ہے۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ یزید بن ہارون نے امام اعظم سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ (تہذیب الصنیفہ: ۱۵، تذکرۃ الحفاظ ج ۱: ۱۵۱)

آپ کے متعلق امام بخاری کے نامور استاد امام علی بن المدینی کا ارشاد ہے، ”میں نے یزید بن ہارون سے بڑھ کر کسی کو احادیث کا حافظ نہیں دیکھا“۔ (تذکرۃ الحفاظ)

امام بخاری کے ایک اور استاد ابو بکر بن ابی شیبہ کہتے ہیں، ”یزید بن ہارون سے زیادہ ہم نے کسی کو حفظ حدیث میں کامل نہیں دیکھا“۔ آپ کے درس میں ستر ہزار حاضرین کا مجمع ہوتا تھا۔ (اولیاء رجال الحدیث: ۲۶۳)

یزید بن ہارون رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے، میں بیٹار لوگوں سے ملا ہوں مگر میں نے کسی کو امام اعظم سے بڑھ کر عاقل، فاضل اور پرہیزگار نہیں پایا۔ (تہذیب الصنیفہ: ۲۵)

مقام غور ہے کہ امام یزید بن ہارون جو اصحاب صحاح ستہ خصوصاً امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں، انہوں نے امام اعظم کی کیسی تعریف فرمائی ہے۔ یہی نہیں بلکہ جو لوگ بغض و عناد کے باعث امام اعظم کا ذکر پسند نہ کرتے، آپ ان سے ناراض ہو جاتے۔ ایک دن امام یزید بن ہارون رحمہ اللہ درس کے دوران امام اعظم کے ارشادات سنا رہے تھے کہ کسی نے کہا، ہمیں حدیثیں سنائیے اور لوگوں کی باتیں نہ کیجیے۔

آپ نے اس سے فرمایا، ”اے احمق! یہ رسول کریم ﷺ کی حدیث کی تفسیر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا مقصد صرف حدیثیں سننا اور جمع کرنا ہے، اگر تمہیں علم حاصل کرنا ہوتا تو تم حدیث کی تفسیر اور معانی معلوم کرتے اور امام اعظم ابو حنیفہ کی کتابیں اور ان کے اقوال دیکھتے جو تمہارے لیے حدیث کی تفسیر کرتے ہیں۔“ پھر آپ نے اس کو ڈانٹ کر مجلس سے نکال دیا۔ (مناقب للموفق: ۳۴۳)

۱۱۔ امام عبدالرزاق بن ہمام:

آپ جلیل القدر محدث اور فقیہ ہیں۔ انہی اوصاف کی بناء پر سیدنا امام اعظم رحمہ اللہ نے آپ کو تدوین فقہ کی مجلس میں شامل کیا تھا۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے آپ کا تذکرہ یوں شروع کیا ہے، احد الاعلام الثقات۔ آپ نے امام اعظم سے احادیث روایت کی ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱: ۱۵۱، تبییش الصحیفہ: ۱۳)

امام اعظم رحمہ اللہ کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے، میں نے امام اعظم سے بڑھ کر کسی کو حلم والا نہیں دیکھا۔ (الخیرات الحسان)

بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل، علی بن المدینی رحمہم اللہ تعالیٰ نے فن حدیث میں آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ علم حدیث میں آپ کی شہرت اس قدر تھی کہ لوگ دور دراز سے سفر کر کے آپ کی خدمت میں حدیث سیکھنے آتے تھے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ رسول کریم ﷺ کے بعد کسی شخص کے

پاس اس قدر دور دراز سے طویل فاصلے طے کر کے لوگ نہیں گئے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آپ کی روایت سے کثیر حدیثیں موجود ہیں۔ حدیث کی ضخیم کتاب ”مُصَنَّفُ عَبْدِ الرَّزَّاقِ“ آپ ہی کی تصنیف ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کتاب کو علم کا خزانہ فرمایا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس کتاب سے استفادہ کرنے کا اعتراف کیا ہے۔

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ حدیث کی روایت میں کیا آپ نے امام عبدالرزاق سے بہتر کسی کو دیکھا؟ انہوں نے جواب میں فرمایا، ”نہیں“۔ (میزان الاعتدال)

12۔ امام ابو عاصم النبیل:

آپ کا نام ضحاک بن مخلد اور لقب نبیل ہے۔ آپ امام اعظم رحمہ اللہ کے خاص شاگرد اور ان کی مجلس فقہ کے رکن تھے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آپ کی روایت سے بہت سی احادیث مروی ہیں۔ آپ نے امام اعظم سے حدیثیں روایت کی ہیں۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۱: ۱۵۱، تہذیب الصنیفہ: ۱۴)

امام بخاری کہتے ہیں کہ امام ابو عاصم نے فرمایا، جب سے مجھے معلوم ہوا کہ غیبت حرام ہے، اس وقت سے میں نے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی۔ (الجواہر المہیہ)

علامہ ذہبی لکھتے ہیں، ابو عاصم کے ثقہ ہونے پر سب علماء کا اتفاق ہے۔ عمر بن شیبہ کا قول ہے، اللہ کی قسم! میں نے امام ابو عاصم کا مثل نہیں دیکھا۔ (میزان الاعتدال)

ایک مرتبہ آپ سے کسی نے پوچھا کہ سفیان ثوری زیادہ فقیہ ہیں یا امام ابو حنیفہ؟ فرمایا، موازنہ تو ان چیزوں میں ہوتا ہے جو ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہوں۔ امام اعظم نے فقہ کی بنیاد رکھی جبکہ سفیان صرف فقیہ ہیں۔ اللہ کی قسم! میرے نزدیک امام اعظم تو ابن جریج سے بڑھ کر فقیہ ہیں، میری آنکھ نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو فقہ میں امام اعظم

سے بڑھ کر قدرت رکھتا ہو۔ (تاریخ بغداد، الخیرات الحسان، مناقب للموفق)

13۔ امام مکی بن ابراہیم:

آپ کا نام عمر بن ہارون ہے، بلخ کے رہنے والے ہیں۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے آپ کو حافظ و امام اور شیخ خراسان فرمایا ہے۔ ابتداء میں آپ ایک تاجر تھے۔ ایک بار آپ کی ملاقات امام اعظم سے ہوئی تو انہوں نے فرمایا، تم تجارت تو کرتے ہو مگر علم بھی سیکھو کیونکہ جب تک انسان عالم نہ ہو اس کی تجارت میں بڑی خرابی رہتی ہے۔

یہ نصیحت آپ کے دل پر اثر کر گئی اور آپ نے امام اعظم سے فقہ و حدیث کا علم سیکھنا شروع کیا یہاں تک کہ ان علوم میں امامت کے مقام پر فائز ہوئے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نامور شاگرد امام مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ (المتوفی ۲۱۵ھ) امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین اور امام بخاری رحمہم اللہ کے بھی استاد ہیں اور صحیح بخاری میں بائیس ثلاثیات میں سے گیارہ ثلاثیات صرف امام مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ کی سند سے مروی ہیں اور نو ثلاثیات دیگر حنفی شیوخ سے۔

گویا امام بخاری رحمہ اللہ کو اپنی صحیح میں عالی سند کے ساتھ بیس ثلاثیات درج کرنے کا شرف سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے شاگردوں ہی کا صدقہ ہے۔

امام مکی رحمہ اللہ کو امام اعظم سے والہانہ عقیدت تھی چنانچہ آپ ہر مجلس اور ہر نماز کے بعد امام اعظم کے لیے دعائے خیر کرتے اور فرماتے تھے کہ انہی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے میرے لیے علوم کا دروازہ کھولا۔

ایک مرتبہ درس حدیث کی مجلس میں یوں روایت شروع کی، حَدَّثَنَا أَبُو حَنِيفَةَ۔ تو ایک طالب علم نے کہا، آپ ابن جریج کی احادیث بیان کیجیے اور ابو حنیفہ کی روایات نہ سنائیے۔ یہ سُنکر آپ کو اس قدر غصہ آیا کہ چہرے کا رنگ بدل گیا اور فرمایا، ”ہم بیوقوفوں کو حدیث نہیں سناتے۔ تم میری مجلس سے نکل جاؤ، تمہارے لیے مجھ سے

حدیث لکھنا حرام ہے۔ چنانچہ جب تک اس طالب علم کو مجلس سے نکال نہیں دیا گیا آپ نے حدیث بیان نہیں فرمائی۔ جب اسے نکال دیا گیا تو پھر حدثنا ابو حنیفہ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ (اولیاء رجال الحدیث: ۲۳۳)

امام اعظم کے دیگر تلامذہ میں سفیان ابن عیینہ، ابراہیم بن ادہم، حمزہ بن مقبری، عباد بن العوام، علی بن مسہر، قاسم بن معن، حسن بن صالح، ابوبکر بن عیاش، عیسیٰ بن یونس، اسحق بن یوسف، شعیب بن اسحاق، عبدالوارث بن سعید، محمد بن بشر، حماد بن زید (رحمہم اللہ تعالیٰ) قابل ذکر ہیں اور یہ سب صحاح ستہ کے محدثین کے مشائخ میں سے ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ نے سفیان ثوری رحمہ اللہ کو بھی آپ کا شاگرد تحریر کیا ہے۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے امام اعظم رحمہ اللہ سے حدیث روایت کرنے والے 95 محدثین کے نام تحریر کیے ہیں۔ ان میں مکی بن ابراہیم، ابو عاصم ضحاک کے علاوہ ابو نعیم فضل بن دکین رحمہم اللہ تعالیٰ بھی شامل ہیں، یہ تینوں امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں اور ان سے صحیح بخاری و کتب صحاح میں بکثرت روایات موجود ہیں۔ (تبیض الصحیفہ: ۱۴)

ائمہ ثلاثہ اور صحاح ستہ کے محدثین:

ائمہ ثلاثہ اور صحاح ستہ کے تمام محدثین براہ راست یا بالواسطہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہی کے شاگرد ہیں۔ مثلاً امام مالک، امام اعظم کے شاگرد ہیں جبکہ امام شافعی، امام محمد بن حسن کے اور امام احمد بن حنبل، امام ابو یوسف کے شاگرد ہیں جو کہ دونوں امام اعظم کے نامور شاگرد ہیں۔ اس طرح ائمہ ثلاثہ بھی براہ راست یا بالواسطہ امام اعظم ہی کے شاگرد ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

یہ مذکور ہوا کہ امام احمد بن حنبل آپ کے شاگرد امام ابو یوسف کے شاگرد ہیں اور امام احمد کے شاگردوں میں امام بخاری، امام مسلم اور امام ابوداؤد شامل ہیں۔ امام ترمذی نے بخاری و مسلم سے اور امام نسائی نے امام ابوداؤد سے استفادہ کیا ہے جبکہ امام

ابن ماجہ بھی اسی سلسلے کے شاگرد ہیں رحمہم اللہ تعالیٰ۔ تو گویا صحاح ستہ کے تمام محدثین بالواسطہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہی کے شاگرد ہوئے۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

اراکین شوریٰ:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی مجلس شوریٰ جس نے تدوین فقہ کا عظیم کارنامہ سرانجام دیا، اسکے اراکین کی تعداد کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اکثر مؤرخین نے یہ تعداد چالیس لکھی ہے جس کا ماخذ امام طحاوی رحمہ اللہ کی مشہور روایت ہے۔

قاضی ابو عبد اللہ حسین بن علی صمیری اور خطیب بغدادی رحمہما اللہ نے اسماعیل بن حماد رحمہ اللہ کی روایت بیان کی ہے جس کے مطابق اس مجلس فقہ کے اراکین کی تعداد چھتیس ہے جبکہ علامہ کردری رحمہ اللہ نے مناقب الامام الاعظم میں وکیع بن الجراح رحمہ اللہ کی روایت نقل کی ہے جس میں انہوں نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ارشاد کے مطابق مجلس فقہ کے اراکین کی تعداد میں بتائی ہے۔

گمان یہ ہے کہ ۱۲۱ھ میں جب اس کام کا آغاز ہوا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے اس وقت کے لائق و ذہین ترین شاگرد اس مجلس کے رکن نامزد کیے گئے ہونگے لیکن دوسرے شہروں سے تعلق رکھنے والے بعض شاگرد کچھ عرصہ بعد چلے گئے ہونگے اور انکی جگہ دوسرے ائمہ نے لی ہوگی جبکہ اکثر ائمہ اس عظیم نیکی میں آغاز سے آخر تک شامل رہے ہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے آخری زمانے میں جو ائمہ کرام مجلس شوریٰ کے اراکین تھے، انہی کے ناموں کی فہرست اکثر تذکرہ نگاروں نے تحریر کی ہے۔

علامہ حافظ عبدالقادر قرشی رحمہ اللہ کی تصنیف، الجواہر المصیۃ کے حوالے سے ہم چالیس معروف اراکین شوریٰ کے نام سن وصال کے لحاظ سے تحریر کر رہے ہیں:-

متوفی ۱۵۸ھ

۱۔ امام زفر بن ہذیل رحمہ اللہ علیہ

متوفی ۱۵۹ھ

۲۔ امام مالک بن مغول رحمہ اللہ علیہ

- ۳۔ امام داؤد طائفی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۶۵ھ
- ۴۔ امام مندل بن علی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۶۸ھ
- ۵۔ امام نصر بن عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۶۹ھ
- ۶۔ امام عمرو بن ميمون رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۷۱ھ
- ۷۔ امام حبان بن علی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۷۲ھ
- ۸۔ امام ابو عصمہ نوح رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۷۳ھ
- ۹۔ امام زہیر بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۷۳ھ
- ۱۰۔ امام قاسم بن معن رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۷۵ھ
- ۱۱۔ امام حماد بن الامام اعظم رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۷۶ھ
- ۱۲۔ امام ہياج بن بسطام رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۷۷ھ
- ۱۳۔ امام شریک بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۷۸ھ
- ۱۴۔ امام عافیہ بن یزید رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۰ھ
- ۱۵۔ امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۱ھ
- ۱۶۔ امام قاضی ابو یوسف یعقوب رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۲ھ
- ۱۷۔ امام ابو محمد نوح التمیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۲ھ
- ۱۸۔ امام ہشتم بن بشیر السلمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۳ھ
- ۱۹۔ امام یحییٰ بن زکریا رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۳ھ
- ۲۰۔ امام فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۷ھ
- ۲۱۔ امام اسد بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۸ھ
- ۲۲۔ امام محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۹ھ
- ۲۳۔ امام علی ابن مسہر رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۹ھ

- متوفی ۱۸۹ھ
- متوفی ۱۹۲ھ
- متوفی ۱۹۲ھ
- متوفی ۱۹۲ھ
- متوفی ۱۹۲ھ
- متوفی ۱۹۷ھ
- متوفی ۱۹۷ھ
- متوفی ۱۹۸ھ
- متوفی ۱۹۸ھ
- متوفی ۱۹۹ھ
- متوفی ۱۹۹ھ
- متوفی ۱۹۹ھ
- متوفی ۲۰۴ھ
- متوفی ۲۰۶ھ
- متوفی ۲۱۱ھ
- متوفی ۲۱۲ھ
- متوفی ۲۱۵ھ
- ۲۴۔ امام یوسف بن خالد رحمۃ اللہ علیہ
- ۲۵۔ امام عبد اللہ بن ادريس رحمۃ اللہ علیہ
- ۲۶۔ امام فضل بن مویٰ رحمۃ اللہ علیہ
- ۲۷۔ امام علی بن ظبیان رحمۃ اللہ علیہ
- ۲۸۔ امام حفص بن غیاث رحمۃ اللہ علیہ
- ۲۹۔ امام وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ
- ۳۰۔ امام ہشام بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ
- ۳۱۔ امام یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ
- ۳۲۔ امام شعیب بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ
- ۳۳۔ امام حفص بن عبد الرحمن رحمۃ اللہ علیہ
- ۳۴۔ امام ابو مطیع بلخی رحمۃ اللہ علیہ
- ۳۵۔ امام خالد بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ
- ۳۶۔ امام حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ
- ۳۷۔ امام یزید بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ
- ۳۸۔ امام عبد الرزاق بن ہمام رحمۃ اللہ علیہ
- ۳۹۔ امام ابو عاصم الضحاك بن مخلد رحمۃ اللہ علیہ
- ۴۰۔ امام مکی بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ



تفسیر کرنے میں امام اعظم سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ (مناقب للموفق: ۳۳۷)
 ☆ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اپنے اسلاف کے جانشین تھے، خدا کی قسم! انہوں نے روئے
 زمین پر اپنے جیسا عالم و فقیہ نہیں چھوڑا۔ (الخیرات الحسان: ۱۱۱)
 حضرت شداد بن حکیم رحمہ اللہ:

☆ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگردوں کی شکل میں انعامات نہ فرماتا
 تو ہم عملی طور پر مفلس اور محروم رہ جاتے۔ نہ ہم احادیث کو سمجھ پاتے اور نہ دین کے
 مسائل سے صحیح واقف ہوتے۔ (ایضاً: ۳۶۰)
 حضرت حماد بن سلمہ رحمہ اللہ:

☆ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ لوگوں میں سب سے عمدہ اور احسن فتویٰ دینے والے تھے۔
 (تبیین الصحیفہ: ۳۴)

حضرت عیسیٰ بن یونس رحمہ اللہ:
 ☆ جو شخص بھی امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی شان میں گستاخی کرے، تم ہرگز اس کی تصدیق
 نہ کرو۔ خدا کی قسم! میں نے ان سے افضل، ان سے زائد متقی اور ان سے بڑا فقیہ نہیں
 دیکھا۔ (الخیرات الحسان: ۱۱۱، الانتقاء: ۱۳۶)

امام سیدی علی خواص شافعی رحمہ اللہ:
 ☆ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علوم انتہائی دقیق ہیں، انہیں صرف بلند مرتبہ اہل کشف اولیاء
 ہی سمجھ سکتے ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱: ۱۲۳)

ابن خلدون رحمہ اللہ:
 ☆ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علم حدیث کے بڑے مجتہدین میں سے ہیں۔ اسکی ایک دلیل یہ
 ہے کہ ان کے مذہب پر اعتماد کیا جاتا ہے اور رد و قبول میں ان پر اعتبار کیا جاتا ہے۔
 (مقدمہ: ۲۲۵)

2۔ حضرت علیؓ کی دعا:

یہ بات کتاب کے آغاز ہی میں تحریر کی گئی کہ امام اعظمؒ کے دادا اپنے نو مولود بیٹے ثابت کو لیکر سیدنا علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے ان کے لیے اور انکی اولاد کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔ امام ابوحنیفہؒ کے پوتے اسماعیل بن حماد رحمہ اللہ علیہا کہتے ہیں، نحن نرجوا ان يكون الله تعالى قد استجاب لعلیٰ فینا۔ ”ہم امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ کی دعا ہمارے حق میں ضرور قبول فرمائی ہے۔“ (تمییز الصنفہ: ۵)

یہ حضرت علیؓ کی دعاؤں کا ثمر ہے کہ حضرت ثابت رحمہ اللہ کے گھر امام ابوحنیفہؒ پیدا ہوئے اور امام الاولیاء شیر خدا سیدنا علی المرتضیٰؓ کی دعائے برکت کی مقبولیت کی دلیل ہے کہ رب تعالیٰ نے مذہب حنفی کو عالم اسلام کا سب سے بڑا مذہب بنا دیا۔ محدث علی قاری نے گیارہویں صدی ہجری میں حنفی مذہب کے مقلدین کو تمام اہل اسلام کا دو تہائی قرار دیا ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱: ۲۴)

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”کسی تکلف اور تعصب کے بغیر کہا جاسکتا ہے کہ کشف کی نظر میں مذہب حنفی ایک عظیم دریا کی صورت میں نظر آتا ہے اور دوسرے مذاہب نہروں کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔ ظاہری نظر سے بھی دیکھا جائے تو امت مسلمہ کا سوا اِمام اعظم امام ابوحنیفہؒ کا پیروکار ہے۔“ (مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب ۵۵)

3۔ نبوی بشارات:

امام اعظمؒ کے مذہب کی فضیلت اور فوقیت کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ آپ کے علم و فضل کی تعریف میں احادیث مبارکہ موجود ہیں جن کا تفصیلی ذکر کتاب کے آغاز ہی میں کیا جا چکا ہے۔ اس کا خلاصہ ملاحظہ ہو:-

”اگر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان راوی صحابہ اور تابعین ہیں تو پھر امام اعظم کے بعض دلائل کو ضعیف احادیث پر مبنی کیوں قرار دیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جن راویوں کو ضعیف کہا گیا ہے وہ امام اعظم کے وصال کے بعد کے راوی ہیں اور انہوں نے اس حدیث کو امام اعظم کی سند کے علاوہ کسی اور سند سے روایت کیا ہے کیونکہ امام اعظم کی اسانید ثلاثہ میں جتنی احادیث ہیں، وہ سب صحیح ہیں کیونکہ اگر وہ احادیث صحیح نہ ہوتیں تو امام اعظم ان سے کبھی استدلال نہ کرتے۔ اور امام اعظم کی سند کے نچلے راویوں میں سے کسی راوی کی طرف جھوٹ کی نسبت کی گئی ہو تو اس سے امام اعظم کی حدیث کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمارے نزدیک اس حدیث کی صحت کے لیے یہ بات کافی ہے کہ اس حدیث سے مجتہد و امام نے استدلال کیا ہے اس لیے ہم پر واجب ہے کہ ہم اس حدیث پر عمل کریں خواہ اس کو کسی اور نے روایت نہ کیا ہو۔

جب تک امام اعظم کی مسانید ثلاثہ میں ان کے مذہب کی دلیل دیکھ نہ لی جائے اور یہ یقین نہ ہو جائے کہ ان کی دلیل ان مسانید میں موجود نہیں ہے اس وقت تک ان کے مذہب کی کسی دلیل کو ضعیف نہ کہا جائے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ان کے بعد کے علمائے احناف نے مذہب حنفی پر جو دلائل قائم کیے ہیں ان میں سے کوئی دلیل کسی ضعیف حدیث پر مبنی ہو لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا دامن اس سے بری ہے۔“

(میزان الشریعۃ الکبریٰ ج ۱: ۶۵ طبع مصر)

5۔ قرآن حکیم سے مطابقت:

مذہب حنفی کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جو احکام قرآن و حدیث سے ماخوذ ہیں اور جن میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے ان میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جو پہلا اختیار کرتے ہیں وہ نہایت مضبوط دلائل پر مبنی اور اصول عقل کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ ہم اگلے عنوان ”مذہب حنفی اور قرآن“ کے تحت یہ ثابت کریں گے کہ فقہ حنفی کے مسائل قرآنی آیات

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ فطری طور پر انسان تعظیم کے موقع پر ہاتھ سیدھے کر کے ناف سے نیچے رکھتا ہے۔ یونہی مطلقہ باندھ عورت کے لیے دیگر ائمہ کرام کے برعکس احناف، نان فقہ اور ربائش کو واجب قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ فطری تقاضا ہے کہ اپنے حق میں کسی کو پابند کرنے والا، اس پابند شخص کی ضروریات کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ بقول نعمانی کے، ”حنفی فقہ جس قدر اصول عقلی کے مطابق ہے اور کوئی فقہ نہیں“ تفصیل کے لیے امام طحاوی رحمہ اللہ کی شرح معانی الآثار ملاحظہ فرمائیں۔

8۔ آسانی اور سہولت:

فرمان الہی، یرید اللہ بکم اليسر ولا یزید بکم العسر (اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا) کے مصداق امام اعظم نے فرض اور حرام کی تعریفات میں سخت قیود لگا کر لوگوں کے لیے آسانی پیدا کی ہے۔ آپ کے نزدیک فرض و حرام کا اثبات ایسی نص سے ہوتا ہے جو ثبوت اور دلالت دونوں اعتبار سے قطعی ہو۔ اسی طرح امام اعظم کے وضع کردہ دیگر اصولوں کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حنفی فقہ دیگر فقہوں کے مقابلے میں نہایت آسان اور نرمی پر مبنی ہے۔

مثلاً قرآن میں مطلقاً رکوع اور سجدے کا ذکر ہے اس لیے رکوع کے لیے منہ کے بل جھک جانا اور سجدے کے لیے زمین پر پیشانی لگا دینا کافی ہے۔ اس سے زائد کوئی کیفیت مثلاً اطمینان کے ساتھ ٹھہرنا یا اعتدال فرض نہ ہوگا۔

اسی طرح امام اعظم نے ہر نماز کی ادائیگی کے لیے اسی وقت کو افضل فرمایا ہے جس میں فطری طور پر انسان کے لیے سہولت ہے۔ جبکہ دیگر ائمہ کے نزدیک ہر نماز میں جلدی افضل ہے۔ یونہی چور کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ امام صاحب نے چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا کو ایک حد تک گرا قدر مال کی چوری سے مشروط کیا ہے۔ احناف کے علاوہ دیگر مذاہب کے علماء کی رائے یہی ہے، کہ لوگوں کے لیے آسانی اور سہولت امام اعظم

ہی کی فقہ میں ہے۔ (المیزان الکبریٰ)

9۔ جامعیت:

کسی ضابطے کا اپنی تمام جزئیات پر یکساں منطبق ہونا جامعیت کہلاتا ہے۔ احناف کا اصول یہ ہے کہ اگر نص کے مختلف معانی یا متعدد روایات ہوں تو اس کا وہ معنی یا وہ روایت قابل ترجیح ہوگی جس میں جامعیت ہو۔ مثال کے طور پر امام کے پیچھے قرأت کرنے سے متعلق دو روایات ہیں۔

ایک میں ہے، ”سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی“۔ اور دوسری میں ہے، ”جو امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔“

اگر مقتدی کے لیے پہلی روایت پر عمل ضروری سمجھا جائے تو جامعیت نہ ہوگی کیونکہ جہری نماز میں فاتحہ کے بعد یا رکوع میں کوئی مقتدی جماعت میں شامل ہوا تو اسکے لیے سورہ فاتحہ پڑھنا ممکن نہیں۔ لہذا یہ حکم جامع نہ رہا۔ اگر مقتدی کے لیے دوسری روایت پر عمل ضروری مانا جائے تو یہ حکم جامع رہے گا۔ کیونکہ یہ فاتحہ کے دوران یا بعد یا رکوع میں شامل ہونے والے تمام افراد کو جامع ہے۔ پس مقتدی کے لیے دوسری روایت کو ترجیح ہوگی۔

10۔ احتیاط اور تقویٰ:

مذہب ثلاثہ کی نسبت امام اعظم کے مذہب میں احتیاط و تقویٰ کا پہلو بہت نمایاں ہے۔ گویا جن معاملات میں ائمہ کا اجتہادی اختلاف ہے ان میں اگر امام اعظم کے موقف کا تجزیہ کیا جائے تو آپ کا نکتہ نظر ہی مبنی بر احتیاط نظر آئے گا۔ مثلاً خون بہہ جانے یا نکیہ پھوٹ نکلنے سے امام اعظم کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے جبکہ بعض کے نزدیک نہیں ٹوٹتا۔ البتہ کسی کے نزدیک بھی خون بہنے کے بعد دوبارہ وضو کرنا منع نہیں۔ اگر دوبارہ وضو نہ کیا جائے تو مذہب حنفی کے مطابق نماز نہ ہوگی۔ اس لیے احتیاط اسی

میں ہے کہ دوبارہ وضو کر لیا جائے تاکہ سب کے نزدیک نماز ہو جائے۔
 اسی طرح بعض ایک رکعت وتر پڑھتے ہیں جبکہ امام اعظم کے نزدیک وتر تین رکعت
 ہیں۔ ایک رکعت وتر والے تین رکعت وتر کے بھی قائل ہیں۔ پس اگر کوئی ایک رکعت
 پڑھے تو امت کے اکثر فقہاء کے نزدیک نماز نہ ہوگی جبکہ تین رکعت پڑھنے سے سب
 کے نزدیک نماز وتر ہو جائے گی۔ یونہی اگر کوئی آٹھ تراویح پڑھے تو صحابہ کرام اور ائمہ
 دین کے نزدیک اسکی نماز تراویح نہ ہوگی جبکہ بیس رکعت پڑھنے سے سب کے نزدیک
 تراویح ادا ہو جائے گی۔

اسی طرح امام اعظم کے نزدیک کنویں میں کوئی جانور گر کر مر جائے تو کنواں ناپاک ہو
 جاتا ہے، اب وہ پانی نکالنے سے پاک ہوگا جبکہ بعض کے نزدیک کنواں ناپاک نہیں
 ہوتا جب تک کہ پانی کا رنگ یا بو یا ذائقہ نہ بدل جائے۔ احتیاط اور تقویٰ یقیناً کنویں
 سے پانی نکالنے میں ہے جس کو کوئی بھی ناجائز نہیں کہتا اور یوں سب کے نزدیک اس
 پانی سے وضو غسل جائز ہوگا۔ پس مذہب حنفی زیادہ احتیاط اور تقویٰ پر مبنی ہے۔

11۔ شورائی مذہب:

ارشاد باری تعالیٰ ہے، وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ۔ ”اور اُن کا کام اُن کے آپس کے
 مشورے سے ہے۔“ (الشوری: ۳۸، کنز الایمان)

قرآن مجید نے یہ بتایا ہے کہ صحابہ کرام کے معاملات باہمی مشوروں سے طے ہوتے
 تھے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے، ”جو قوم مشورہ کرتی ہے وہ صحیح راہ پر پہنچتی
 ہے۔“ (تفسیر خزائن العرفان)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک سوال کے جواب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،
 شاوروا فیہ الفقہاء العابدین ولا تمضوا فیہ رای خاصۃ۔ ”جس مسئلے میں
 قرآن و سنت میں واضح حکم نہ ہو، اس میں تم عبادت گذار فقہاء سے مشورہ کر لیا کرو اور

کسی کی شخصی رائے پر نہ چلو۔ (مجمع الزوائد، جلد اول باب الاجماع)

قرآن و حدیث کے ان احکامات کی پیروی کرتے ہوئے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ حنفی کی تدوین کے لیے چالیس جید فقہاء پر مشتمل ایک مجلس قائم کر رکھی تھی۔ جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو آپ ان سے مشورہ اور تبادلہ خیال کرتے، انکے دلائل سنتے اور اپنے دلائل پیش کرتے یہاں تک کہ مسئلہ طے ہو جاتا اور اسے تحریر کر لیا جاتا۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مذہب کی اساس اپنے تلامذہ کی شوریٰ پر رکھی اور ان پر اپنی رائے مسلط نہ کی، اس سے آپ کا مقصد دین میں احتیاط اور اللہ عز و جل اور اسکے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پر خلوص تعلق میں انتہائی حد تک کوشاں رہنا تھا۔

گویا فقہ حنفی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ انفرادی نہیں بلکہ شورائی فقہ ہے جبکہ دیگر ائمہ کرام کی فقہ انکے انفرادی اجتہاد کا نتیجہ ہے۔

مذہب حنفی اور قرآن:

”ہمارا دعویٰ ہے کہ قرآن مجید کی تمام آیتیں جن سے کوئی مسئلہ فقہی مستنبط کیا گیا ہے ان کے وہی معنی صحیح اور واجب العمل ہیں جو امام ابو حنیفہ نے قرار دیے ہیں۔ قرآن مجید میں احکام کی آیتیں سو سے متجاوز ہیں اس لیے ان کا تجزیہ تو نہیں کر سکتے البتہ مثال کے طور پر متعدد مسائل کا ذکر کرتے ہیں جن سے ایک عام اجمالی خیال قائم ہو سکتا ہے۔“

وضو کا حکم قرآن کریم کی اس آیت میں وارد ہوا ہے،

يا ايها الذين امنوا اذا قمتم الى الصلوة فاغسلوا وجوهكم وايديكم الى المرافق وامسحوا برءوسكم وارجلكم الى الكعبين۔

”اے ایمان والو! جب نماز کو کھڑے ہونا چاہو تو اپنا منہ دھوؤ اور کہنیوں تک ہاتھ، اور

سروں کا مسح کرو اور گٹھوں تک پاؤں دھوؤ۔“ (المائدہ: ۶، کنز الایمان)

”امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ وضو میں چار فرض ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ دو فرض کا اور اضافہ کرتے ہیں۔ یعنی نیت اور ترتیب، امام مالک رحمہ اللہ بجائے ان کے موالاۃ کو فرض کہتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ وضو کے وقت بسم اللہ کہنا ضروری ہے اور اگر قصد آنہ کہا تو وضو باطل ہے۔

امام صاحب کا استدلال ہے کہ آیت میں صرف چار حکم مذکور ہیں اس لیے جو چیز ان احکام کے علاوہ ہے وہ فرض نہیں ہو سکتی۔ نیت و موالاۃ و تسمیہ کا تو آیت میں کہیں وجود نہیں۔ ترتیب کا گمان البتہ واؤ کے حرف سے پیدا ہوتا ہے لیکن علمائے عربیت نے محققاً طے کر دیا ہے کہ واؤ کے مفہوم میں ترتیب داخل نہیں۔“

علامہ عبداللہ بن احمد نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”رکوع و سجود کے حکم میں تعدیل ارکان کو فرض کے درجے میں شامل کرنا جائز نہیں، اسی طرح آیت وضو میں اعضاء کو پے در پے دھونا، ترتیب کے ساتھ دھونا، آغاز میں بسم اللہ پڑھنے اور نیت کرنے کو شرط قرار دینا صحیح نہیں ہے۔“ (النار متن نور الالوار، ج ۱: ۳۰)

اس عبارت سے واضح ہو رہا ہے کہ خبر واحد سے قرآنی حکم پر اضافہ فرض یا شرط کے طور پر جائز نہیں مگر وجوب اور استحباب کے درجے میں جائز ہے۔ تعدیل ارکان سے مراد رکوع، سجود، قومہ اور جلسہ میں اطمینان کے ساتھ ٹھہرنا ہے۔ احناف کے نزدیک یہ واجب ہے مگر فرض یا شرط نہیں کیونکہ یہ خبر واحد سے ثابت ہے۔

اسی طرح وضو میں ترتیب، تسمیہ اور نیت بھی خبر واحد سے ثابت ہیں اس لیے یہ وضو کی سنتوں میں سے ہیں، فرائض یا شرائط میں سے نہیں کیونکہ انکا ثبوت آیت قرآنی یا خبر متواتر سے نہیں ہے۔

”لما رازی نے تفسیر کبیر میں ترتیب کی فرضیت کے لیے متعدد دلیلیں پیش کی ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ ان کا رتبہ تاویل سے بڑھ کر نہیں۔ بڑا استدلال یہ ہے کہ لا غسلوا

ٹوٹ جاتا ہے۔ لیکن اس کا استدلال اس آیت پر نہیں ہے کہ وہ حدیث سے استناد کرتے ہوئے، غالباً اُنکے بعد ان کے مقلدوں نے حنفیہ کے مقابلے کے لیے آیت سے استدلال کیا اور اس کو امام شافعی کی طرف منسوب کر دیا۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ ایک تیمم سے کئی فرض ادا ہو سکتے ہیں، امام مالک و امام شافعی کی رائے ہے کہ ہر فرض کے لیے نیا تیمم کرنا چاہیے۔ امام صاحب کا استدلال ہے کہ جو حیثیت وضو کے حکم کی ہے وہی تیمم کی ہے۔ اور جب ہر نماز کے لیے نئے وضو کی ضرورت نہیں تو تیمم کی تجدید کی بھی ضرورت نہیں۔ البتہ جن لوگوں کا مذہب ہے کہ ایک وضو سے کئی نمازیں ادا نہیں ہو سکتیں وہ تیمم کی نسبت بھی یہ حکم لگا سکتے ہیں لیکن وضو اور تیمم میں تفریق کرنی جیسا کہ امام شافعی وغیرہ نے کی، محض بے وجہ ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ اثنائے نماز میں متیمم کو اگر پانی مل جائے تو تیمم جاتا رہے گا۔ امام مالک و امام احمد بن حنبل اس کے مخالف ہیں امام صاحب کا استدلال یہ ہے کہ قرآن میں تیمم کا جواز اس قید کے ساتھ مشروط ہے کہ لَمْ تَجِدْ وَامَاءً یعنی جب پانی نہ ملے۔ صورت مذکورہ میں جب شرط باقی نہ رہی تو مشروط بھی باقی نہیں رہا۔ (سیرۃ النعمان: ۳۰۴ تا ۳۰۵)

”امام صاحب کا مذہب ہے کہ قرأت فاتحہ ضروری نہیں، امام شافعی و امام بخاری وجوب کے قائل ہیں، امام صاحب اس آیت سے استدلال کرتے ہیں، یعنی ”جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور خاموش رہو“۔

اگرچہ اس آیت سے سڑی نمازوں میں بھی ترک قرأت کا حکم ثابت ہوتا ہے لیکن جہری نماز کے لئے تو وہ نص قاطع ہے جس کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی۔ تعجب ہے کہ شافعیہ نے ایسی صاف اور صریح آیت کے مقابلے میں حدیثوں سے استدلال کیا ہے۔ حالانکہ حدیثیں جو اس باب میں داخل ہیں وہ خود متعارض ہیں۔ جس درجہ کی

وجوبِ قرأت کی حدیثیں ہیں اسی درجہ کی ترکِ قرأت کی حدیثیں بھی ہیں۔
امام بخاری نے اس بحث میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور کوشش کی ہے کہ آیت کے
استدلال کا جواب دیں لیکن جواب ایسا دیا ہے جس کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔

(سیرۃ النعمان: ۳۰۶)

ایک اہم مسئلہ تین طلاقوں کا ہے۔ چاروں ائمہ مجتہدین اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کوئی
شخص ایک ہی بار تین طلاق دے دے تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور پھر
رجعت نہ ہو سکے گی۔ ان میں صرف اس بارے میں اختلاف ہے کہ اس طرح طلاق
دینا جائز اور مشروع ہے یا نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مشروع ہے اور اللہ تعالیٰ
نے اس کی اجازت دی ہے جبکہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ حرام اور ممنوع
ہے اور اس طرح طلاق دینے والا گنہگار ہے۔

سیدنا امام اعظم رحمہ اللہ کا استدلال اس آیت مبارکہ سے ہے، الطلاق مرتان
فامساک بمعروف او تسریح باحسن۔ (البقرة: ۲۲۹)

”یہ طلاق دو بار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے (یعنی رجعت کر لینا ہے) یا
احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔“

امام اعظم رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ اس آیت میں طلاق کا جو طریقہ بتایا گیا صرف یہی
شرعی طلاق کا طریقہ ہے یعنی ایک وقت میں ایک یا دو بار تک طلاق دی جاسکتی ہے۔
احادیث سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت محمود بن لبید رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ آقا و مولیٰ علیہ السلام کو یہ خبر دی گئی کہ ایک شخص
نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دے دیں۔ آپ یہ سن کر غصہ میں کھڑے
ہو گئے اور فرمایا، ”لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے کھیل کرتے ہیں حالانکہ میں تمہارے
درمیان ابھی موجود ہوں۔“ (نسائی ج ۲: ۱۸۱)

معلوم ہوا کہ تین طلاق ایک ساتھ دینا گناہ ہے اور اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کو سخت ناپسند ہے۔ حضور ﷺ اسی لیے ناراض ہوئے کہ اس شخص نے قرآن و سنت کے خلاف طریقے سے طلاق دے کر گناہ کا ارتکاب کیا۔

ضمناً یہ بات عرض کرنی ضروری ہے کہ کسی کام کا ممنوع ہونا اور چیز ہے اور نافذ ہونا دوسری چیز ہے۔ ایک ساتھ تین طلاقیں دینا گناہ ہے لیکن اگر کوئی ایسا کرے تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ حضرت غویرہؓ نے نبی کریم ﷺ کے سامنے تین طلاقیں دیں تو آقا و مولیٰ ﷺ نے ان تینوں طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ (ابوداؤد، ج ۱: ۳۰۶) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں رقمطراز ہیں، ”جمہور صحابہ، تابعین اور ان کے بعد والے مسلمانوں کے ائمہ کرام کا اس پر اجماع ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں تین ہی ہوں گی۔“ حضرت عمرؓ کے دور میں جو تین طلاق ایک ساتھ دیتا، آپ اسے درے مارتے تھے۔ (نووی شرح مسلم کتاب الطلاق)

کسی نے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ کی خدمت میں سوال کیا، کہ اگر ایک لفظ سے تین طلاقیں یا ایک وقت میں تین طلاقیں دینا (غیر مقلدین کے بقول) کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں تو حضرت عمرؓ کہاں سے یہ حکم لائے اور اس پر اجماع کیوں ہوا؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا، حضرت عمرؓ یہ حکم وہاں سے لائے جہاں اللہ تعالیٰ نے سیدنا عمر فاروقؓ کے متعلق فرمایا ہے،

لَعَلَّمَهُ الَّذِينَ يَسْتَبْطُونَهُ مِنْكُمْ۔ (القرآن: ۸۳/۴) ”حکم کو معلوم کر لیں گے وہ لوگ جو استنباط کریں گے تم میں سے۔“ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۲: ۲۵۹)



مولیٰ ﷺ کو ضرور دیکھوں گا کہ وہ کس طرح نماز ادا فرماتے ہیں۔
چنانچہ میں نے دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ کھڑے ہوئے اور تکبیر کہہ کر اپنے ہاتھوں کو
کانوں تک اٹھایا پھر آپ نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر اس طرح رکھا کہ دائیں
ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے بائیں ہاتھ کے جوڑ کو پکڑ لیا اور دائیں ہاتھ کی باقی
تین انگلیاں کلائی پر تھیں۔

(سنن نسائی باب فی الامام اذ رائی رجلاً، زجاجة المصانح ج ۱ ص ۵۸۳)

3- امام کے پیچھے قرأت کرنا منع اور ناجائز ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش
رہو تا کہ تم پر رحم ہو۔“ (الاعراف: ۲۰۴، کنز الایمان از امام احمد رضا محدث بریلوی)
☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”اس آیت کریمہ سے واضح ہے کہ
جب نماز میں قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سننا اور خاموش رہنا واجب ہے۔“
☆ ”جمہور صحابہ و تابعین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں جو حکم مذکور
ہے وہ نماز سے متعلق ہے یعنی مقتدی نماز میں امام کے پیچھے قرأت نہ کرے۔“

(تفسیر مدارک التزیل، زجاجة المصانح باب القراءة فی الصلوة)

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا کریم ﷺ نے فرمایا، جب امام قرأت
کرے تو تم خاموش رہو۔ امام مسلم نے فرمایا، یہ حدیث صحیح ہے۔

(صحیح مسلم ج ۱: ۱۷۴)

☆ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول کریم ﷺ نے نماز سکھائی اور
فرمایا، جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ (صحیح مسلم ج ۱: ۱۷۴)

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، امام اس لیے
بنایا جاتا ہے کہ اسکی پیروی کی جائے، تو جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ

امام طحاوی (م ۲۰۰ھ) نے اسکی سند کو صحیح فرمایا ہے۔ (طحاوی باب التکبیرات)
 ☆ امام بخاری (م ۲۵۶ھ) کے استاد امام حمیدی (م ۲۱۹ھ) روایت کرتے ہیں،
 حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ نماز شروع کرتے وقت
 کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے اور پھر رکوع کے وقت اور رکوع کے بعد رفع یدین نہ
 کرتے۔ (مسند حمیدی ج ۲: ۲۷۷)

☆ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز
 پڑھی ہے وہ تکبیر تحریمہ کے سوا نماز میں کہیں بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے۔
 امام طحاوی نے فرمایا، یہی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے رسول اکرم ﷺ کو رفع
 یدین کرتے دیکھا (جسکا ذکر بخاری و مسلم میں ہے) پھر خود انہوں نے رفع یدین
 ترک کر دیا کیونکہ وہ منسوخ ہو گیا تھا۔

(شرح معانی الآثار ج ۱: ۱۳۳، زجاجہ ج ۱: ۵۷۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱: ۲۳۷)
 ☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، وہ دس صحابہ کرام جنہیں آقا و مولیٰ
ﷺ نے جنت کی بشارت دی یعنی عشرہ مبشرہ میں سے کوئی بھی تکبیر تحریمہ کے سوا رفع
 یدین نہیں کرتا تھا۔ (عمدة القاری شرح بخاری ج ۵: ۲۷۲)

☆ حضرت محمد بن عمرو بن عطاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔
 ہم نے رسول کریم ﷺ کی نماز کا ذکر کیا تو ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے، میں تم
 سب سے زیادہ آقا و مولیٰ ﷺ کی نماز کو جانتا ہوں۔ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ
 تکبیر کہتے تو دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے، جب رکوع کرتے تو دونوں ہاتھ گھٹنوں
 پر رکھتے اور کمر کو برابر کرتے پھر رکوع سے سر مبارک اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہو
 جاتے یہاں تک کہ ہر عضو اپنی جگہ آ جاتا۔

پھر آپ سجدہ کرتے تو ہاتھوں کو زمین پر بچھائے بغیر رکھتے اور ان کو پہلوؤں سے نہ

ملاتے اور اپنے پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ زور کھتے۔ آپ جب دو رکعتوں کے بعد بیٹھتے تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے اور دایاں پاؤں کھڑا کر لیتے۔

(صحیح بخاری جلد اول باب ستہ الجلوس فی التشہد)

صحیح بخاری کی اس حدیث میں صحابی رسول ﷺ نے حضور ﷺ کی نماز کا طریقہ بیان کیا اور رفع یدین کا ذکر نہیں کیا۔ پس معلوم ہوا کہ رفع یدین منسوخ ہو چکا تھا۔

☆ حضرت عبدالرحمن بن غنم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کو جمع کر کے فرمایا، میں تمہیں رسول کریم ﷺ کی نماز سکھاؤں گا جو آپ ہمیں مدینہ منورہ میں پڑھایا کرتے تھے..... (الی)

پس مردوں نے انکے نزدیک صف باندھی پھر مردوں کے پیچھے بچوں نے صف باندھی پھر انکے پیچھے عورتوں نے صف باندھی۔ پھر کسی نے اقامت کہی تو آپ نے ہاتھ اٹھا کر تکبیر تحریمہ کہی۔ پھر سورۃ فاتحہ اور اسکے ساتھ کوئی سورت خاموشی سے پڑھی پھر تکبیر کہہ کر رکوع کیا اور تین بار تسبیح پڑھی۔

پھر سمع اللہ لمن حمد کہہ کر سیدھے کھڑے ہو گئے پھر تکبیر کہہ کر سجدے میں گئے پھر تکبیر کہہ کر سجدے سے سر اٹھایا پھر تکبیر کہہ کر دوسرا سجدہ کیا اور پھر تکبیر کہہ کر کھڑے ہو گئے، اس طرح پہلی رکعت میں چھ تکبیریں ہوئیں۔ پس جس وقت نماز پڑھا چکے تو لوگوں سے فرمایا، میری تکبیروں کو یاد کر لو اور میرے رکوع و سجود سیکھ لو کیونکہ یہ آقا کریم ﷺ کی وہ نماز ہے جو آپ ہمیں دن کے اس حصہ میں پڑھایا کرتے تھے۔

(مسند احمد ج ۵: ۳۴۳، مجمع الزوائد ج ۲: ۱۳۰)

اس حدیث شریف میں بھی جلیل القدر صحابی نے رسول کریم ﷺ کی نماز کا طریقہ بیان کیا اور فرمایا، یہ مدینے والی نماز ہے۔ اس میں رفع یدین کا کہیں ذکر نہیں جس سے ثابت ہوا کہ رفع یدین منسوخ ہو چکا تھا۔

6- نماز وتر تین رکعت ہیں:

☆ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، رسول کریم ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زائد ادا نہیں فرماتے تھے۔ آپ چار رکعت (تہجد) ادا کرتے، انکا حسن اور طوالت نہ پوچھو پھر آپ چار رکعت (تہجد) ادا کرتے پھر آپ تین رکعت (وتر) ادا فرماتے۔ (بخاری کتاب التہجد ج ۱: ۱۵۴، مسلم ج ۱: ۲۵۴)

☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایک طویل حدیث میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے تین مرتبہ دو دو رکعت کر کے چھ رکعت (تہجد) پڑھی اور اسکے بعد آپ نے تین رکعت وتر ادا کیے۔ (صحیح مسلم ج ۱: ۲۶۱)

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔ امام ترمذی نے کہا، اہل علم صحابہ و تابعین کرام کا یہی مذہب ہے۔

(جامع ترمذی ابواب الوتر ج ۱: ۱۱۰، نزاجۃ المصانح باب الوتر ج ۲: ۲۶۳)

☆ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، سرکارِ دو عالم ﷺ نماز وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ، دوسری رکعت میں سورۃ الکافرون اور تیسری رکعت میں سورۃ الاخلاص پڑھتے اور تینوں رکعتوں کے آخر میں سلام پھیرتے تھے۔ (سنن نسائی ج ۱: ۱۷۵)

☆ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، آقا و مولیٰ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور تینوں رکعتوں کے آخر میں سلام پھیرتے تھے۔ امام حاکم نے کہا، یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ (مستدرک للحاکم کتاب الوتر ج ۱: ۳۰۴)

7- نماز تراویح بیس رکعت ہیں:

ماہ رمضان المبارک میں روزانہ بعد عشاء بیس رکعت نماز تراویح ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ ”تراویح“ ترویج کی جمع ہے جس کے معنی استراحت و آرام کے ہیں۔ چونکہ تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر آرام کیا جاتا ہے اس لیے اسے تراویح کہتے

ہمارے موقف کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ امام بخاری نے یہ حدیث تہجد کے عنوان کے تحت درج کی نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، رمضان اور غیر رمضان میں آپ نے گیارہ رکعت سے زائد ادا نہیں کیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ آٹھ رکعت وہ ہیں جو آقا و مولیٰ ﷺ تمام سال ادا فرماتے تھے۔

8- نماز جنازہ میں قرأت جائز نہیں:

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ یا کوئی اور سورت بطور قرأت جائز نہیں، اس میں ثناء، درود اور دعائے مغفرت کرنا سنت ہے۔ اگر سورہ فاتحہ بطور حمد و ثناء پڑھے تو حرج نہیں۔

☆ حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نماز جنازہ میں قرآن کی تلاوت نہیں کرتے تھے۔ (موطا امام مالک: ۲۱۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳: ۲۹۹)

☆ امام ترمذی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم نے فرمایا ہے کہ نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرنی چاہیے۔ نماز جنازہ تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے پھر نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا ہے اور پھر میت کے لیے دعا مانگنا ہے۔ (جامع ترمذی ابواب الجنائز ج ۱: ۱۹۹)

☆ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ میں قرآن کریم سے کچھ مقرر نہیں فرمایا۔ (زجاجۃ المصاحف کتاب الجنائز)

☆ حضرت شعبی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میت پر نماز جنازہ پڑھتے وقت پہلی تکبیر کہہ کر ثناء پڑھی جائے، دوسری تکبیر پر آقا و مولیٰ ﷺ پر درود اور تیسری تکبیر پر میت کے لیے دعا پڑھی جائے اور چوتھی تکبیر پر سلام پھیر لیا جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳: ۲۹۹، مصنف امام عبدالرزاق ج ۳: ۳۹۱)

☆☆☆☆

